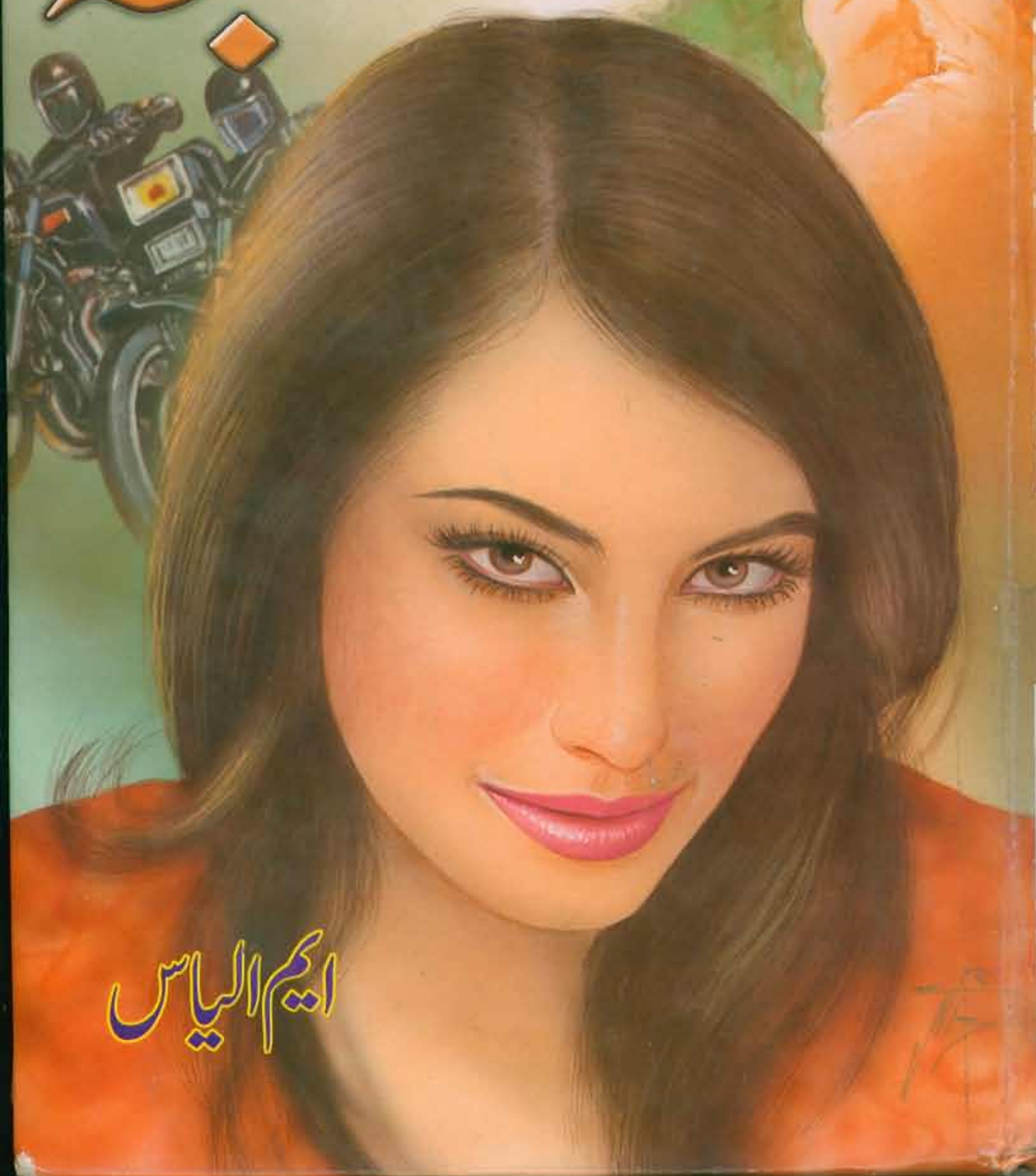
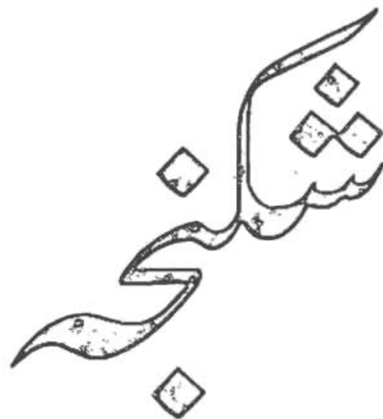
شکنجہ





شکنجہ

ایم الیاس

ناشر

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰-عزیز مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون ۷۲۴۷۱۴۴

"مسٹر سکندر!" پولیس انسپکٹر صفدر شاہ نے مجھ سے کہا۔ "یہ آپ نے کرائم رپورٹر کا پیشہ کیوں اپنایا ہے؟"

"آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے خیال میں کسی بھی لحاظ سے یہ پیشہ آپ کے لئے موزوں نہیں ہے؟" اس نے کہا۔

"کیوں موزوں نہیں ہے سر!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لئے کہ آپ ایک بہت ہی خوبصورت' بے پناہ پُرکشش اور اسمارٹ شخص ہیں۔" انسپکٹر صفدر شاہ نے جواب دیا۔ "کیا آپ کو اور کوئی پیشہ موزوں نظر نہیں آیا؟ کیا اور پیشے موجود نہیں تھے؟"

"اس ذرہ نوازی کا شکریہ۔" میں نے کہا۔ "دنیا میں بہت سارے پیشے ہیں۔ میں جو پیشہ بھی اپناتا شاید اس پیشے کو میرے لئے نامناسب اور ناموزوں کہا جاتا.......... مجھے چونکہ کوئی نہ کوئی پیشہ اپنانا تھا' سو میں نے اسے اپنا لیا۔"

"میرے خیال میں آپ نے اپنے ساتھ ناانصافی کی ہے؟" اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"شاید.........." میں نے کہا۔ "سر! آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے ایک بات عرض کروں۔"

"میں نے کبھی آپ کی کسی بات کا بُرا منایا ہے۔ آپ ایک نہیں دس باتیں کہہ سکتے ہیں۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے بھی جو پیشہ اپنایا ہے وہ نامناسب سا ہے؟"

"وہ کیسے.........؟" اس نے چونک کر کہا۔ "آخر اس میں کیا خرابی ہے..........؟"

"وہ ایسے کہ پولیس کا محکمہ بہت بدنام ہو چکا ہے۔ پولیس کے رویے' شریف لوگوں

سے ناروا سلوک اور کالی بھیڑوں نے اس کے تقدس پر جو دھبہ لگایا ہے وہ کبھی نہ مٹنے والا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں پولیس کے خلاف بڑی نفرت اور حقارت پائی جاتی ہے۔ آپ جیسا شخص جو متقی' نیک اور پارسا ہے وہ اس پیشے میں کیوں اور کیسے آ گیا؟"

"جب میں نے اس پیشے کو اپنایا مجھے اندازہ نہ تھا اور تب اس میں اتنی خرابیاں اور برائیاں موجود نہ تھیں .... اس کے باوجود میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایک پیسہ رشوت نہیں لی۔ میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ یہ محکمہ کالی بھیڑوں سے پاک صاف ہو جائے۔ یہ جانتے ہوئے بھی اپنی اس کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ برائیوں کی جڑیں بہت گہری ہو چکی ہیں لیکن میں نے حوصلہ اور ہمت نہیں ہاری ہے .... پولیس میں برائیوں کے بہت سارے عوامل ہیں۔ خیر چھوڑیں ان باتوں کو .... اب بھی وقت ہے۔ آپ جوان ہیں۔ اس پیشے کو چھوڑ دیں۔"

بالفرض محال آپ میری جگہ ہوتے تو کون سا پیشہ اختیار کرتے سر!"

"میں ٹیلی ویژن یا فلم انڈسٹری کا رخ کرتا..........." انسپکٹر صفدر شاہ نے جواب دیا۔

"آپ اس لائن کے لئے بہت زیادہ مناسب اور موزوں ہیں۔ میرا اپنا خیال ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی فلمی صنعت میں آپ جیسا خوبصورت اور وجیہہ ہیرو نہیں آیا۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی کسی کی کبھی جھوٹی تعریف کی ہے۔ ایک شخص کو اپنی زندگی میں تابناک مستقبل بنانے کا سنہرا موقع ایک بار ہی ملتا ہے۔ لہٰذا میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج کی کوتاہی کل پچھتاوے کا سبب بن جائے۔"

"سر! آپ اجازت دیں تو اس ضمن میں کچھ عرض کروں؟" میں نے کہا۔

"میری طرف سے اجازت ہی اجازت ہے۔ آج میں کچھ فرصت میں بھی ہوں۔" انسپکٹر صفدر شاہ نے کہا۔

"سر! بات یہ ہے کہ شو بزنس کی دنیا ہر کسی کو راس نہیں آتی ہے۔" میں کہنے لگا۔ "اس میں وقت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ آپ نے بھی دیکھا اور سنا ہو گا کہ بہت سارے خوبصورت مرد اور حسین اور جوان لڑکیاں بھی اس لائن میں آئیں۔ ان کا حسن و جمال کامیابی کا ضامن نہ بن سکا اور وہ ستارے ڈوب گئے۔ نہ جانے کیا بات ہے کہ شو بزنس کی دنیا مجھے کبھی پسند نہیں آئی اور نہ میرے دل کے کسی کونے میں کبھی یہ خیال آیا یا یہ

خواہش ہوئی کہ میں شو بزنس کی دنیا کا رخ کروں۔ اس میں پیسہ بہت ہے۔ دنیا میں صرف پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہے لیکن پیسہ بھی ضروری ہے۔ پیسہ جتنا اچھا ہے اتنا ہی برا بھی ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے کہ میرے دل میں پیسہ کمانے کی ہوس کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ میں نے یہ پیشہ شوق اور تجسس کے زیر اثر اپنایا ہے۔"

☆======☆======☆

صرف پولیس انسپکٹر صفدر شاہ ہی نے نہیں بلکہ میرے دوستوں اور ملنے والوں میں سے اکثریت کا یہ خیال اور مشورہ تھا کہ میں شو بزنس کی دنیا کی طرف چلا جاؤں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ میں بہت خوبصورت اور وجیہہ تھا۔ جوانی جو ٹوٹ کر برس رہی تھی اس نے میری ذات اور شخصیت پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ میں ایک سحرانگیز شخصیت کا مالک تھا۔ لڑکیوں کے خوابوں اور قصہ کہانیوں کے شہزادے کی طرح .... میرے دوست کہتے تھے کہ مجھے فرصت میں بنایا گیا ہے۔

لیکن میرے دل کے کسی کونے میں کوئی غرور اور تکبر ذرہ برابر بھی نہیں تھا اور میں خوش اور نازاں ہونے کے بجائے اپنے دل میں یہ بات سوچتا تھا کہ اللہ میاں نے مجھے اس قدر خوبصورت اور منفرد کیوں بنایا...........؟ میری خوبصورتی ایک طرح سے میرے لئے وبالِ جان بن گئی تھی۔ نہ صرف نوجوان کنواری لڑکیاں بلکہ شادی شدہ جواں سال عورتیں مجھے دیکھ کر سرد آہیں بھرتی تھیں' مجھے خط لکھتیں' ڈورے ڈالتیں' دوستی کرنے اور راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کرتیں۔ میری جھولی میں ٹپکے کے آم کی طرح گرنے کے لئے بے تاب' بے چین اور بے قرار .... میں سوچتا کہ کیا خوبصورت مرد ہی سب کچھ ہے۔ آخر یہ نوجوان لڑکیاں اور عورتیں ظاہری حسن کے پیچھے اندھا دھند کیوں اور کس لئے بھاگتی ہیں .... ہر چیز جو چمکتی ہے وہ سونا نہیں ہوتی ہے۔ ہر مرد کے اندر کوئی نہ کوئی باطنی حسن اور خوبی موجود ہوتی ہے۔

میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ کب کا بہک چکا ہوتا اور راجہ اندر بن جاتا۔ میں نے اپنے آپ کو کسی غلاظت کی دلدل میں گرنے نہیں دیا۔ میں یہ بات بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر میں ایک مرتبہ اس دلدل میں گر گیا تو پھر کبھی نہ نکل سکوں گا۔ یہ ایک ایسا دلدل ہے کہ اس میں سے جو نکلنے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی دھنستا چلا جاتا ہے لیکن مجھے کبھی ایسا محسوس ہوتا اور لگتا کہ کسی دن میرا پاؤں پھسل جائے گا اور میں اس دلدل میں جا

کروں گا۔ کیونکہ میں انسان تھا۔ آدمی تھا۔ کوئی فرشتہ نہیں تھا کہ بہک نہ جاؤں۔ آخر کب تک میں زاہد بنا رہوں گا۔

میری جرائم پیشہ لوگوں سے بھی بڑی واقفیت تھی اور ایک کرائم رپورٹر کی حیثیت سے میری بڑی شہرت تھی۔ میں فری لانسنگ کرتا تھا۔ میری فراہم کردہ رپورٹوں اور دوسرے کرائم رپورٹروں کی رپورٹوں میں بڑا فرق ہوتا تھا۔ میری عمدہ بہترین اور تفصیلی کوریج کی وجہ یہ تھی کہ میرے کام کرنے کا انداز قدرے ہٹ کر تھا۔ میں ایک طرح سے پرائیویٹ سراغ رساں کے انداز میں بھی کام کرتا تھا۔ میں صرف تھانوں اور جائے وقوعہ سے رپوٹ حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کرتا تھا۔

اس دنیا میں اللہ کی ذات کے سوا میرا کوئی نہیں تھا۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بچہ تھا۔ پہلے میرے والد کا انتقال ہوا' پھر میری والدہ کا۔ پھر......... رشتہ داروں سے ایک رسمی اور روایتی سا تعلق رہا۔ میری آمدن بڑی معقول تھی جس سے میں بس اندازہ کر لیتا تھا۔ ایسی صحبت اور شوق نہ تھے کہ فضول خرچ بن جاتا۔ سادگی اور قناعت پسند تھا۔ بینک بیلنس اتنا تھا کہ دو تین سال گھر بیٹھ کر کھا سکتا تھا۔ میں اس کرائے کے مکان میں تھا جس میں میرے والدین نے زندگی گزاری تھی۔

اس روز میں گھر پر تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کس علاقے یا محلے میں کرائے کا مکان لوں۔ مالک مکان اس مکان کو فروخت کر کے اس کی رقم اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو دے دینا چاہتا تھا۔ اس نے مکان خالی کرنے کے لئے دو مہینے کی مہلت دی ہوئی تھی۔ اس مکان میں کل تین کرایہ دار تھے۔

میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اب مجھے شادی کر کے اپنا گھر بسا لینا چاہئے۔ کیونکہ میری عمر تیس برس کی ہو رہی تھی۔ شادی کرنے کی صورت میں ان لڑکیوں سے نجات پا لوں گا جو میرے عشق میں یکطرفہ دیوانی ہو رہی ہیں۔ شادی کرنے کی صورت میں پھر کوئی عورت میرے قریب نہیں پھٹکے گی۔ اب میں اپنی زندگی میں ایک خلا سا محسوس کر رہا تھا جسے صرف ایک عورت ہی پُر کر سکتی تھی۔ رفیقِ سفر بنانے کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ میرے پاس ایسی لڑکیوں کی تصویریں بھی تھیں جو میرے محلے کی تھیں جو مجھے خط لکھتی رہتی تھیں۔ مگر میں ان میں سے کسی بھی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا جبکہ ان میں کچھ بہت حسین و جمیل بھی تھیں۔ دفعتاً موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرے خیالات کا

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں نے سرہانے سے موبائل فون نکال لیا۔

"ہیلو........" میں نے اسے آن کرنے کے بعد کہا۔ "میں سکندر بول رہا ہوں۔"

"سکندر صاحب! کرائم رپورٹر؟" ایک نامانوس سی آواز نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ سکندر بول رہا ہوں۔"

"میں نے احتیاطاً تصدیق کی' جس کے لئے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔" اس نے بڑی شائستگی سے کہا۔ "میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ انکار نہیں کریں گے۔"

"آپ ہیں کون؟ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

"میرا نام داؤد سلیمان ہے۔" اس نے بڑی آہستگی سے سرگوشی کے انداز میں اس طرح سے کہا جیسے کوئی سن نہ لے۔

"داؤد سلیمان!" میں حیرت سے اچھل پڑا۔ اس شخص کو کون نہیں جانتا تھا۔ یہ اس شہر کا نہیں پورے ملک کا بہت بڑا صنعت کار اور کروڑ پتی شخص تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے مجھ سے کیوں اور کس لئے رابطہ کیا۔ اس سے نہ تو کبھی میری علیک سلیک ہوئی اور نہ ہی کوئی ملاقات......... البتہ اخبارات میں میں نے اس کی تصویر دیکھی تھی اور ایک دو سرکاری تقریبات میں دیکھا تھا۔ کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں دل میں حیران تھا کہ اس نے مجھ سے کیوں اور کس لئے رابطہ کیا۔ اس کے پاس میرا موبائل فون نمبر کہاں سے آیا؟ کس نے دیا ہو گا؟ آخر اسے مجھ سے کیا کام پڑ گیا ہے؟

"فرمایئے......... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے انکساری سے کہا۔

"کیا آپ مجھ سے کچھ دیر کے لئے ابھی اور اسی وقت ملنا پسند فرمائیں گے؟" اس نے کہا۔

"آپ کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟" میں نے کہا۔ "یہ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک کرائم رپورٹر ہوں؟"

"میں آپ کو ایک امانت سونپنا چاہتا ہوں۔ آپ کو دینا چاہتا ہوں۔" اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں کسی اور وقت اور کل آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "میری عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ ابھی اور اسی وقت بلکہ فوراً تشریف لے آئیں۔"

"ایسا کون سا ضروری کام ہے جو آپ مجھے فوراً بلا رہے ہیں؟" میں نے تجسس سے دریافت کیا۔ "آپ جو امانت کسی وجہ سے مجھے سونپنا چاہتے ہیں وہ کل بھی عنایت فرما سکتے ہیں۔"

"بیٹے! بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک دو گھڑی کا مہمان ہوں۔ میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔"

"اللہ نہ کرے۔" میں نے کہا۔ "اللہ آپ کو زندگی دے۔ آپ مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

"اصل بات یہ ہے بیٹے میری زندگی خطرے میں ہے۔ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔" اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں چونک پڑا۔ میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ پولیس کو کیوں نہیں اطلاع دے دیتے؟"

"اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ پولیس بھی میری جان نہیں بچا سکتی۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"کیوں نہیں بچا سکتی۔" میں نے تکرار کی۔ "آپ اس سے رابطہ قائم کر کے تو دیکھیں........"

"بات دراصل یہ ہے کہ پولیس میں بھی میری جان کے دشمن ہیں۔ وہ مجھے کسی بھی بہانے موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پولیس آپ جیسی عظیم شخصیت کو قتل کرنے کی کوشش کرے۔"

"دراصل پولیس میں جو کالی بھیڑیں ہیں انہیں قاتل نے خرید کر رکھا ہوا ہے۔ میں چاروں طرف سے گھرا ہوا ہوں .... مجھے کسی پر بھروسا نہیں رہا ہے' اپنوں پر بھی نہیں .... اس لئے میں آپ پر بھروسا کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے کہ قاتل مجھے قتل کر کے وہ امانت لے جائے آپ مجھ سے وہ چیز آ کر لے جائیں۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔

"آپ کہیں تو میں پولیس انسپکٹر صفدر شاہ سے رابطہ کروں اور انہیں ساتھ لیتا آؤں .... وہ قابلِ بھروسا اور انتہائی نیک اور فرض شناس پولیس افسر ہیں۔ وہ آپ کو قاتل کے ہاتھوں سے بچا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"وہ کل رات ہی بیوی بچوں کے ساتھ پندرہ دن کی چھٹیاں گزارنے فیصل آباد چلے گئے ہیں۔"

"آپ مجھے اپنا پتہ لکھوا دیں۔" میں نے بادلِ نخواستہ کہا۔ "میں ابھی حاضر ہو جاتا ہوں۔"

اس نے اپنا پتہ لکھوایا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔ "اگر میں آپ کو وہاں سے نکال کر کسی ایسی جگہ روپوش کرا دوں کہ جہاں تک آپ کے دشمن کی رسائی نہ ہو سکے .... پھر کسی نہ کسی طرح اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے۔" اس نے کہا۔ "ایک بات یاد رکھیں .... بالفرضِ محال آپ کے پہنچنے تک قاتل مجھے تلاش کرتا ہوا پہنچ گیا اور اس نے میری زندگی کا خاتمہ کر دیا تو وہ امانت اس کمرے کی کسی ایک جگہ ہو گی۔ میں اس شخص کو نہیں جانتا ہوں جو میرے قتل کے درپے ہے۔ اچھا اب تم جلدی سے چلے آؤ تاکہ میں تم سے باتیں کر سکوں .... تمہیں بتا سکوں کہ تمہیں کیا کچھ کرنا ہے؟"

اتنا کہہ کر داؤد سلیمان نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے بھی موبائل فون بند کر دیا۔

میں نے فوراً ہی کپڑے بدلے۔ میں نے اپنا چھوٹا سا آٹومیٹک پستول جیب میں رکھ لیا اور پھر ایک اور چیز میں نے رکھ لی۔ اس خیال سے کہ شاید کام دے سکے۔ پھر میں اپنی موٹر سائیکل پر کے ڈی اے اسکیم نمبر ایک کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ علاقہ کراچی کا سب سے بہترین اور اعلیٰ قسم کا رہائشی علاقہ ہے۔ یہاں کروڑ اور ارب پتی لوگ رہتے ہیں۔

میں جس تیز رفتاری سے جا رہا تھا اس سے کہیں تیزی سے میرا ذہن داؤد سلیمان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں بے خوفی سے یہ جانتے ہوئے بھی جا رہا تھا کہ قاتل سے مڈبھیڑ ہونے کی صورت میں وہ مجھے بھی قتل کر سکتا ہے لیکن اس کا مجھے قتل کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ یہ بات بہت کم لوگ جانتے تھے۔ جو جانتے تھے وہ میرے دوستوں اور ملنے والوں میں سے نہیں تھے۔ زیرِ زمین دنیا کے لوگ تھے۔ میں کوئی چار برس تک پیشہ ور

قاتلوں کی ایک منظم تنظیم میں رہا تھا لیکن میں نے کسی کو قتل کرنا تو درکنار زخمی بھی نہیں کیا تھا۔ جو جرائم کئے تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ ان کی کوئی بھی سزا ہو۔ یوں تو اس دنیا میں ہر شخص ایک طرح سے جرائم پیشہ ہے۔ اس سے دانستگی اور نادانستگی میں جرم سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

میں نے اس تنظیم میں شامل ہونے کے بعد بہت سارے فن سیکھے تھے۔ جیب کی صفائی، چاقوزنی، رہزنی اور ڈکیتی اور ہر قسم کے اسلحے کا استعمال ...... پھر میں اس تنظیم سے نکل آیا۔ اس لئے کہ ضمیر کے کچوکے ایسے تھے کہ میری زندگی اور راتیں حرام ہو کر رہ گئیں۔ پھر میں نے ایک بہت بڑے مقامی روزنامے میں کرائم رپورٹر کی ملازمت کر لی۔ جب مجھے خاصا تجربہ ہو گیا تب میں نے ملازمت چھوڑ دی اور فری لانسنگ شروع کر دی۔ اس میں ایک فائدہ یہ تھا کہ بڑی آزادی تھی۔ کسی کی محتاجی اور غلامی نہ تھی۔ بہت کم بلکہ شاذ و نادر ہی کوئی رپورٹر فری لانسنگ کرتا ہو گا۔ میں نے اس روایت کی بنیاد ڈالی تھی۔

میں نے اس کوٹھی کے سامنے اپنی موٹر سائیکل روک لی۔ مجھے پتہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری یا دقت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس علاقے میں میں متعدد بار آ چکا تھا اور پھر ہر کوٹھی پر نمبر لکھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی موٹر سائیکل مقفل کرتے ہوئے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اتنی بڑی اور وسیع و عریض کوٹھی میں ایک بدمعاش داخل ہو کر اس شخص کو قتل کیسے کر سکتا ہے۔ چوکیدار اور اردگرد کے افراد بھی تو ہو سکتے ہیں۔ میں نے اس کا بغلی گیٹ کھلا ہوا دیکھا۔ ایسے لگا جیسے کوئی اندر گیا ہے یا پھر میرے لئے کھلا چھوڑا گیا ہو۔ اس وقت اندھیرا خاصا گہرا ہو چکا تھا۔ گیٹ پر جو آرائشی بتیاں تھیں وہ بھی روشن نہ تھیں۔ اس لئے ادھر اور اندھیرا لگ رہا تھا۔

میں بغلی گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ گیٹ کے پاس گارڈ یا چوکیدار کے لئے جو کمرہ تھا وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ خالی پڑا تھا اور زندگی کے آثار سے محروم تھا۔ اس کے وسیع و عریض برآمدے میں بھی روشنی نہیں تھی۔ کوٹھی کے وسیع و عریض احاطے میں صرف ایک مرسڈیز گاڑی نظر آئی۔ میں نے عمارت کی طرف دیکھا۔ سارے کمرے اندھیرے میں ڈوبے نظر آئے۔ معاً میری نگاہ ایک کارنر کے اوپر والے کمرے پر پڑی۔ اس کی کھڑکیاں بند تھیں اور پردے کھنچے ہوئے تھے۔ ان پردوں پر روشنی کا ہلکا سا عکس پڑ رہا تھا۔

میں اندھیرے میں چاروں طرف دیکھتا اور بہت محتاط ہو کر برآمدے کی طرف بڑھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ قاتل میری گھات میں بیٹھا ہوا ہے اور مجھے دبوچ کر ختم کر دینا چاہتا ہے لیکن میں بے خوفی سے برآمدے میں پہنچ کر رکا اور آنکھیں پھاڑ کے پیچھے کی طرف دیکھا۔ کہیں قاتل میری تلاش میں اور انتظار میں تو نہیں ہے۔ پھر خیال آیا کہ قاتل کو میرا انتظار کس لئے ہو سکتا ہے؟ اسے میرے بارے میں کیا معلوم ہے؟

عمارت میں داخل ہونے والا داخلی دروازہ بند تھا۔ میں اندر گھسا تو اندھیرے کی وسعت کی لپیٹ میں آ گیا۔ یہ کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ جس کمرے میں روشنی ہو رہی تھی وہاں تک اندازے سے پہنچنے میں بیس منٹ لگ گئے۔ میں اندھیرے میں راستہ تلاش کرتا ہوا پہنچا تھا۔ ماحول بے حد پُراسرار، عجیب اور وحشت ناک سا تھا۔ میں نے دانستہ کسی بھی کمرے میں روشنی نہیں کی تھی۔

میں نے اس کمرے کے دروازے کو دیکھا۔ وہ بھی بند تھا۔ پہلے تو میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ جب جواب نہیں ملا تو میں نے چند لمحوں کے بعد دروازے کو اندر کی جانب آہستہ سے دھکیلا۔ دروازہ کھلتے ہی میں نے دہلیز پر قدم رکھا اور ٹھٹک کے رہ گیا۔ مجھے دیر ہو گئی تھی۔ قاتل اپنے مشن میں کامران اور بامراد ہو کر چلا گیا تھا۔

کمرے میں ہر طرف بے رحم اور بے ضمیر شخص کی ہلاکت خیزی اور تباہ کاری کے آثار تھے۔ میز کی درازوں اور الماریوں کے سب خانوں سے ہر چیز نکال کر پھینک دی گئی تھی۔ تکئے اور کشن بے دردی سے پھاڑ دیئے گئے تھے اور تمام کتابیں شیلف سمیت فرش پر ڈال دی گئی تھیں۔ اس کمرے کو شہرِ مفتوح کی طرح تاخت و تاراج کر جانے والے اپنی فتح و نصرت کا نشان ایک مسخ شدہ لاش بھی چھوڑ گئے تھے۔ نحیف و نزار اور بوڑھے جسم کے ہر زخم سے رسنے والا لہو پُرتشدد اور اذیت ناک موت کی تحریر بن کے زرد قالین پر پھیل گیا تھا جو ناگزیر تھی۔ اس کی بے نور آنکھیں اب بھی نفرت اور حقارت سے اس خالی کرسی پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں شاید اجل کا کوئی نامہ بر اس سے آخری بار یہ پوچھنے کے لئے بیٹھا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت کرنا چاہتا ہے یا اس راز کی جو اسے اپنی زندگی سے بھی عزیز تر تھا۔

میں یوں تو مقتول کو جانتا تھا لیکن آج اس سے پہلی بار موبائل فون پر میری بات چیت ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بلایا تھا۔ وہ اپنی موت سے قبل مجھے ایک امانت سونپ دینا

چاہتا تھا۔ میرے کانوں میں اس کی آواز گونجتی محسوس ہوئی۔ وہ مجھے کہہ رہا تھا۔ "بیٹے! وقت کا ہر لمحہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ میری زندگی کی مہلت یوں بھی ختم ہو رہی ہے۔ مگر تم ابھی جوان ہو۔ باہمت اور ذہین ہو۔ میرے بعد یہ کام تمہیں کرنا ہے اور دیکھو .... جس صبح کا آفتاب میری زندگی کا چراغ گل ہو جانے کے بعد طلوع ہو اس شب کے اندھیرے کی پناہ کو غنیمت سمجھنا اور اس گھر سے اتنی دور چلے جانا کہ دستِ قاتل کی رسائی تمہاری زندگی تک نہ ہو سکے۔ اب تم اس کے دشمنوں کی صف میں شامل ہو چکے ہو۔"

اور اب شب کے ویران ماتمی اندھیرے میں مجھے ہر طرف نادیدہ دشمنوں کی آنکھیں اپنی طرف دیکھتی ہوئی لگتی تھیں۔ فضا کا ہولناک سکوت ایک سرگوشی بن گیا تھا۔ جس کی بازگشت ہر سمت سے پکارتی تھی کہ موت میرے گرد اپنا حصار قائم کر رہی ہے۔ میں نے کھڑکی کا پردہ تھوڑا سا ہٹا کے باہر دیکھا۔ کوٹھی کے ایک ویران گوشے میں ایک جگنو سا چمکا۔ پھر جلتی ہوئی سگریٹ کا آخری ٹکڑا فضا میں بلند ہوا اور قوس بناتا ہوا زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھ گیا۔ میں نے فوراً ہی پردہ چھوڑ دیا کہ دشمن مجھے نہ دیکھ لے اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔

اس چنگاری نے تاریک رات میں چھپ کر انتظار کرنے والے دشمن کی خبر دے دی تھی۔ میں نے سوچا یہ کس لئے یہاں کھڑا ہے؟ اسے کس کا انتظار ہے؟ کیا اسے میری آمد کی خبر ہو چکی ہے اور یہ میرے باہر آنے کا انتظار کر رہا ہے؟ میرا انتظار کس لئے ہو گا؟ شاید اس لئے تو نہیں کہ اسے وہ چیز نہیں ملی جس کے لئے وہ آیا اور اس چیز کو نہ پا کر وہ قتل کے جرم کا مرتکب ہوا۔ پھر اس نے اس چیز کی تلاش کرنے کے لئے کمرے کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا لیکن وہ چیز پھر بھی اس کے ہاتھ نہیں لگی۔ شاید وہ اس خیال سے میرا انتظار کر رہا ہو گا کہ میں وہ چیز لے کر باہر آؤں تو مجھ سے حاصل کر لے۔ گن پوائنٹ پر چھین لے۔ اس بات کی قوی امید تھی کہ وہ اندر نہیں آئے گا۔ مجھے سکون و اطمینان سے وہ چیز حاصل کرنے دے گا۔ اس لئے بھی کہ میری موٹر سائیکل باہر کھڑی ہوئی ہے۔

میں نے رومال سے دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کے دروازہ بند کر دیا۔ پھر اندر سے اس کی چٹخنی لگا کر رومال جیب میں رکھ لیا۔ میں اپنے ہاتھ اور انگلیوں کے نشانات کو یہاں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ شاید قاتل کے نشانات الماری کے ہینڈل اور خانوں پر موجود تھے اور

پولیس کی مدد کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔

پھر میں نے داؤد سلیمان کی شکستہ لاش کو دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے کھلی آنکھوں کی التجا کو بے اثر دیکھ کر مردہ لبوں نے مجھے پکارا ہے۔ میرے کانوں میں مقتول کی مانوس سی آواز کہیں دور سے آئی۔ "سکندر! میرے اجنبی دوست! مجھے صرف دوستی کی ہی نہیں عزم و حوصلے کی ضرورت ہے۔ انتقام کی یہ امانت تمہارا ورثہ ہے۔"

مجھے یک لخت جیسے ہوش آ گیا۔ فرش پر بے شمار ڈائریاں بکھری ہوئی تھیں۔ مقتول نے مجھے اشارے کنائے میں بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا چیز ہے جو مجھے بطور امانت سونپنا چاہتا ہے۔ میں نے ان ڈائریوں کے ڈھیر میں سے ایک ڈائری اٹھائی۔ اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس کے درمیان ایک صفحے پر لکھا ہوا تھا۔ تصویروں کے نیگیٹوز اس کھلی جنگ میں سب سے خطرناک اسلحہ ہے جو دشمن کو شکستِ فاش دے سکتا ہے۔

میں نے چاروں طرف گھوم کر کمرے کو اور اس کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔ وہ نیگیٹوز کہاں ہو سکتے ہیں؟ میری نگاہیں بھٹکتی رہیں۔ پھر ایک خیال آیا۔ امید تو نہیں تھی کہ وہ نیگیٹوز اس جگہ چھپائے جا سکتے ہوں۔ دیکھنے اور تسلی کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں پلنگ کے پاس گیا۔ اس کا فوم کا گدا اٹھا کر دیکھا۔ اس کے نیچے ایک خاکستری رنگ کا لفافہ تھا۔ میں نے اسے کھول کر اس کے اندر جھانکا۔ اس میں نیگیٹوز تھے۔ میں نے انہیں نکال کر دیکھا اور پھر گنا' وہ کل بارہ عدد نیگیٹوز تھے۔ میں نے انہیں جیب میں رکھ لیا۔

اب مجھے اس کمرے سے باہر نکلنا تھا۔ مجھے خود معلوم نہ تھا کہ میں کس راستے سے اور کیسے باہر جاؤں۔ اس طرح سے کہ انتظار کرنے والے دشمن کی نظروں میں نہ آؤں۔ رخصت ہونے سے پہلے میں نے لاش پر بڑی احتیاط سے چادر پھیلائی۔ پھر اس کے لئے مغفرت کی اور روح کے لئے قرار کی دعا مانگی۔ پھر رومال سے ہینڈل پکڑ کے گھمایا اور باہر نکل کر آیا۔ پھر میں نے اس سمت دیکھا جہاں دشمن کھڑا تھا۔ وہ اب بھی وہاں موجود تھا اور جلتا سگریٹ اس کی موجودگی کا ثبوت دے رہا تھا۔

میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ پھر میں نیچے والے ایک کمرے کے ملحقہ غسل خانے کے اس دروازے سے باہر آیا جو عقبی حصے کی طرف کھلتا تھا۔ دیوار کے پاس اونچے اور گھنے درختوں کی قطار تھی۔ یہ دیوار برابر والی کوٹھی کی مشترکہ دیوار تھی۔ پڑوس کے ہاں شاید کوئی تقریب تھی۔ کمروں اور برآمدوں اور احاطے میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں

ایک درخت کے سہارے دیوار کی منڈیر پر چڑھ گیا تھا۔ اس طرف تاریکی تھی۔ یہ عقبی حصہ تھا۔ احاطے میں لان کے پاس چھ سات گاڑیاں پارک تھیں۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ دو تین کمروں کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ اس کوٹھی میں بھی دیوار کے پاس ایک قطار میں کچھ درخت تھے جن کی شاخیں ان درختوں کی شاخوں سے ملی ہوئی تھیں۔

وہ بے آواز منڈیر سے اس سامنے والے درخت کی شاخ پکڑ کر نیچے اتر گیا جو ایک کمرے سے قریب تھا۔ اس کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ اس میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کا اندرونی منظر صاف اور واضح تھا۔ اس میں چودہ پندرہ برس کی ایک لڑکی اور پچیس چھبیس برس کا ایک لڑکا تھا۔ لڑکی نے جینز پہنی ہوئی تھی۔ جسم پر کالی اور بے حد کھلے گریبان کی ٹی شرٹ تھی۔ کالے رنگ کی ٹی شرٹ میں اس کی اجلی رنگت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس کی اٹھان بڑی قیامت خیز تھی۔ وہ بہت حسین اور درمیانہ قد کی تھی۔ اس کے بال نفاست سے گردن تک تراشے ہوئے تھے۔ مغرب کی گہری چھاپ اس کے لباس سے ظاہر ہو رہی تھی۔

لڑکا کسی بندر کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے لمبے لمبے بال تھے جو اس کی گردن پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ وہ بھی نیلے رنگ کی جینز اور سفید ٹی شرٹ میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گٹار تھا۔

لڑکی اس سے انگریزی میں کہہ رہی تھی۔ "آخر موسیقی سے تمہارا جنون کامیاب رہا اب تم اپنے گروپ کے ہمراہ امریکہ جا رہے ہو تاکہ وہاں کے پروگراموں میں حصہ لو۔ کب تک واپسی ہوگی۔"

"دو مہینے کا ٹور ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "ہم لوگ کیلیفورنیا' شکاگو' ٹیکساس' نیویارک اور واشنگٹن میں اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے۔ یہ ٹور وہاں نہ صرف بہت کامیاب ہو گا بلکہ بہت پسند کیا جائے گا۔ ہماری وہاں بڑی پذیرائی ہو گی۔ جس کا تم تصور تک نہیں کر سکتی ہو۔ دو سال پہلے جو ٹور ہوا تھا اس میں بھی بڑی پذیرائی ہوئی تھی۔"

"لیکن ہمارے ملک میں بہت سارے لوگ تمہارے گروپ پر سخت تنقید کرتے ہیں۔" لڑکی ہنس کر کہنے لگی۔ "میں نے اردو کے ایک اخبار میں پڑھا جو تمہارے گروپ کے بارے میں لکھا تھا۔ کیا وہ آرٹیکل تمہاری نظروں سے گزرا؟"

"یو نو .... اردو اخبار ہمارے ہاں نہیں آتا اور نہ ہم پڑھتے ہیں۔ تمہارے ہاں

بھی تو نہیں آتا ہے۔ تم نے کہاں سے پڑھ لیا؟" لڑکے نے تعجب سے کہا۔ "اس اخبار میں کیا لکھا تھا ہمارے گروپ کے بارے میں؟"

"میری سہیلی صابرہ ہے نا .... اس نے وہ اخبار لا کر دیا تھا۔" لڑکی بولی۔ "اس لئے کہ تم میرے فرینڈ ہو اور میں تمہارے گروپ کا کوئی پروگرام مس نہیں کرتی ہوں۔ اخبار میں لکھا ہوا تھا کہ .... پاکستان اس لئے نہیں بنایا گیا ہے کہ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کی جائے۔ مسلمانوں نے اس لئے عظیم قربانیاں نہیں دیں کہ ہم اپنے دین اور مذہب کو پس پشت ڈال دیں۔ آج کل نئی نسل مغربی موسیقی گروپ بنا کر اپنے شو منعقد کرتی رہتی ہے۔ ٹی وی میں جو لوگ ہیں انہیں اسلام پاکستان اور تہذیب سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے اور نہ اس سے نابلد بھی ہیں۔ یہ لوگ ان کے میوزیکل پروگرام اور شوز اس طرح فخر سے پیش کرتے ہیں جیسے یہ ہماری تہذیب ہو۔ ورثہ ہو۔ یہ سب کچھ ہندوستان اور مغربی تہذیب کی نقالی ہے۔ ٹی وی والوں کو تہذیب کی الف بے بھی نہیں معلوم .... شاید ان کے ماں باپ انگریزوں' امریکیوں کی اولاد یا غلام رہے ہوں گے۔ دوسری طرف دلچسپ مضحکہ خیز اور احمقانہ بات یہ ہے کہ یہ تمام گروپ کہتے ہیں کہ ہم غیر ممالک میں اور اپنے ملک میں بھی پاکستان کی ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان گانے والوں کی شکلیں ملاحظہ فرمائیں .... یہ بندر' لنگور' بن مانس' چور اچکوں' ڈاکوؤں' اور لٹیروں کی وضع قطع اور چہرے مہرے کے ہوتے ہیں۔ بھانڈ اور خسروں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کی حرکات اور اچھل کود دیکھ کر زولوجیکل گارڈن کے بندر اور بن مانس یاد آ جاتے ہیں۔ لعنت ہے ان پر .... ان کے گانوں اور ان کے حلیوں پر ...."

لڑکی اتنا کہہ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ لڑکے کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کے سینے میں سانس پھولنے لگا۔ جب لڑکی کی ہنسی قابو میں آئی تو اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "یہ جاہل لوگ ہیں۔ دقیانوسی خیالات کے ہیں۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے انہیں کچھ خبر نہیں .... یہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا انقلابی دور ہے۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔" لڑکی یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔ "تم چار دن کے بعد امریکہ چلے جاؤ گے۔ پھر میرا کیا ہو گا؟"

"تین دن تمہارے ساتھ جو گزاروں گا ...." اس نے گٹار ایک طرف رکھ کر لڑکی کو بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ "میں اس ہوٹل میں کمرہ بک کر لوں گا جس میں تین مہینے

پہلے تم سے پہلی ملاقات کے بعد ایک ہفتے کے لئے کیا تھا۔"

"تین دن کے بعد میرا کیا ہو گا؟ میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی؟" لڑکی افسردگی سے بولی۔

"میری واپسی تک تم جمی سے دوستی کر لو۔ اس کے ساتھ سیر و تفریح اور وقت گزاری کر سکتی ہو۔" لڑکے نے اسے مشورہ دیا۔

"مجھے جمی پسند نہیں ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "شہود یا وحید میں سے میں کسی کو دوست بنالوں گی۔"

"تم اس قدر کیوٹ ہو کہ تمہارے ایک اشارے پر دس لڑکے تمہارے غلام بن جائیں گے۔" لڑکے نے کہا۔

"مجھے نازش بہت پسند ہے لیکن باجی نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ آج کل ان کی اس سے گاڑھی چھن رہی ہے۔ وہ دونوں آئندہ ہفتے مری سیر و تفریح کے لئے جا رہے ہیں۔ وہ ہوتا تو تمہاری کمی محسوس نہ ہوتی........"

لڑکا اس کے چہرے پر جھکنے لگا تو میں آگے بڑھ گیا۔ اس طبقے میں یہ بات کوئی نئی نہیں تھی۔ چودہ برس کی لڑکی عورت بن چکی تھی۔ اعلیٰ رہائشی علاقوں کی اکثر لڑکیوں کے نزدیک عزت و عصمت کا کوئی تصور نہیں رہا تھا۔ میں عقبی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ٹھٹک کے رک گیا۔ پھر فوراً ہی ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ ایک جواں سال عورت ایک درخت کے نیچے اندھیرے میں کھڑی موبائل پر سرگوشی کے انداز میں آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

"جانی! تم میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہو........ میرا شوہر کل رات کی فلائٹ سے آ رہا ہے۔ میں تمہارے ساتھ سنگاپور کیسے جا سکتی ہوں؟........ وہ پورے دو مہینے کے بعد تو آ رہا ہے........ اس کا ویسے کوئی بہانہ نہیں چلے گا........ اور ہاں تم اپنے بیٹے فواد کو کیوں نہیں سمجھاتے ہو کہ وہ میری بڑی بیٹی سے شادی کا خیال دل سے نکال دے اور اسے اپنی سگی بہن کی طرح سمجھے........ یو نو........ ان دونوں کی شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ میری بڑی بیٹی تمہارا خون ہے........ اس کے باپ تم ہو........ یہ راز ایسا ہے کہ میں اپنی بیٹی کو اعتماد میں نہیں لے سکتی ہوں اور نہ تم اپنے بیٹے کو........ کیا کہا........ وہ دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں اور کس طرح ان دونوں

کو سمجھایا جائے........ سنو........ میرے ذہن میں ایک تدبیر آ رہی ہے........ تم اپنے بیٹے سے........ میں اپنی بیٹی سے کہوں گی کہ میں فواد کو دودھ پلا چکی ہوں۔ مذہب میں رضاعی بھائی بہن شادی نہیں کر سکتے ہیں........ تمہاری بیوی حیات تو ہے نہیں جو اس بات کی تردید کرے........ تمہارا بیٹا مذہب کو نہیں مانتا ہے تو میں کیا کروں........ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے تو ایسا کرو کل تم مجھے کلفٹن کے "کے ایف سی" میں رات دس بجے ملو۔ اس وقت گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے........ بائی........ بائی........"

وہ عورت اپنا موبائل فون بند کر کے اندھیرے میں ایک سمت بڑھ گئی۔ میں تھوڑی دیر تک رکا رہا۔ پھر عقبی دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر میں موسیقی کی آواز اور روشنی دیکھ کر رک گیا۔ ایک کمرے کی کھڑکی سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ جب میں قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایک وسیع و عریض ہال کی کھڑکی ہے۔ اس میں لڑکے اور لڑکیاں جن کی عمریں بارہ برس سے لے کر بائیس برس تک ہوں گی وہ ہیجان خیز مغربی موسیقی کی دھن پر تھرک رہی تھیں۔ ان کے لباس، وضع قطع مغربی انداز کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ لڑکیاں بے لباس ہیں۔ ڈیک پر کوئی مغربی موسیقی کا کیسٹ لگا ہوا تھا۔ لڑکیوں پر بھی جذباتی اور ہیجانی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ بڑے والہانہ اور وارفتگی کے انداز سے چکنے فرش پر آڑھی ترچھی ہو کر بل کھا کر ناچ رہی تھیں۔ جسموں کا لوچ، گداز پن اور انگ انگ سے مستی ابلی پڑ رہی تھی۔ ان میں نہ تو کوئی شرم تھی اور نہ کوئی حجاب تھا۔

اس ہال میں ایک دیوار کی جانب ایک قطار میں کوئی دس بارہ میزیں تھیں۔ ان کے گرد چار چار کرسیاں رکھی تھیں۔ ان میں صرف دو میزوں پر چار جوڑے بیٹھے تالیاں بجا رہے تھے۔ صرف ان کی میزوں پر ہی نہیں بلکہ دوسری میزوں پر بھی شراب سے بھرے اور خالی گلاس رکھے تھے۔ ہر میز پر درمیان میں شراب کی ایک بڑی بوتل دھری تھی۔ عقبی دروازہ چند قدم پر تھا۔ میں چند لمحے تک رقص دیکھتا رہا جو بے پناہ جنسی کشش لئے ہوئے تھا۔ میرے پاس وقت اور موقع ہوتا تو میں کچھ دیر اور لطف اندوز ہوتا۔ جب میں عقبی دروازے پر پہنچا تو اس پر ایک بہت بڑا تالا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ اب میرے لئے ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ میں گھوم کر بیرونی گیٹ سے نکل جاؤں۔ گیٹ پر گارڈ ہو گا وہ کوئی تعرض نہیں کرے گا بلکہ مجھے مہمان ہی سمجھے گا۔ البتہ میزبان یا اس گھر کا کوئی فرد مجھے دیکھ کر بازپرس کر سکتا تھا۔ میں جب بیرونی حصے کی طرف بڑھنے لگا تو ایک کمرے کا دروازہ کھلا

دکھائی دیا۔ میں نے قریب جا کر جھانکا۔ وہ ایک ملحقہ غسل خانے کا عقبی دروازہ تھا۔ نیچے کے غسل خانوں میں عقبی دروازے اس لئے تھے کہ مہتر باہر سے صفائی کر کے چلے جائیں۔ اندر اندھیرا سا تھا۔ جب ہی میں نے آہٹ سنی۔ میں غڑاپ سے اندر ہو گیا اور دروازے کو کھینچ لیا۔ اسے اس لئے بند نہیں کر سکا کہ آہٹ بہت قریب محسوس ہوئی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ کوئی دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا ہے۔ پھر ایک مردانہ آواز نے سرگوشی کی۔

"میں نے شراب کی صرف دو بوتلیں اڑائی ہیں .... اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ورنہ بیگم صاحبہ کو شک ہو جائے گا۔"

"ارے انہیں کیا شک ہو گا .... وہ بوڑھی گھوڑی لال لگام .... اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی پی رہی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ کتنی بوتلیں استعمال میں آئی ہیں .... یار! تم خواہ مخواہ ڈرتے ہو۔ ٹھہرو، میں ایک اور بوتل پار کر کے لاتا ہوں۔"

"بیگم صاحبہ کیسی کنجوس قسم کی ہے تم نہیں جانتے ہو کیا .... وہ سویرے کہیں گی کہ بوتلوں کا کریٹ لاؤ تاکہ میں دیکھوں کتنی بوتلیں اور شراب بچی ہے۔ ایک ایک بوتل ساڑھے تین ہزار روپے کی یا پانچ ہزار کی ہے .... یار یہ لوگ ایک پارٹی میں ایک ایک لاکھ روپے کی شراب منگوا کر پلا دیتے ہیں مہمانوں کو .... ہماری تنخواہ میں پچاس روپے کا اضافہ کرنے کو کہو تو موت آتی ہے .... ہم لوگوں کو جانوروں سے بدتر سمجھتی ہیں۔"

"یار! ایک بوتل تین ہزار روپے میں نور خرید لیتا ہے .... تو فکر نہ کر۔ گزشتہ پارٹی میں جو دس بارہ بوتلیں خالی ہوئی تھیں وہ میں نے اپنے کمرے میں چارپائی کے نیچے رکھی ہوئی ہیں۔ میں تین خالی بوتلیں لا کر رکھ دوں گا۔ ان لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کے پاس کون سی حلال کی آمدنی ہے۔ حرام کی آمدنی حرام میں جا رہی ہے۔ میں نے پانچ سو روپے قرض مانگے تاکہ گھر بھیج سکوں۔ میں نے کہا بھی کہ میری بیٹی بیمار ہے لیکن اس نے پچاس روپے تک نہیں دیئے۔ ایسے لوگوں کا مال جائز ہے۔"

"شراب کم پڑ گئی تو بیگم صاحبہ جان کو آ جائے گی .... ؟ ایک مصیبت کھڑی کر دے گی۔"

"تو پھر ایسا کرنا پانی ملا کر دے دینا .... وہی پرانا نسخہ .... چل یار! دیر ہو رہی ہے۔"

وہ دونوں نہ جانے کس سمت چلے گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ جس کمرے کا یہ ملحقہ غسل خانہ ہے اس کمرے سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی دروازے کا ہینڈل پکڑ کے غیر محسوس انداز سے گھمایا۔ دروازہ اتنا سا کھولا کہ ایک جھری سی بن گئی۔ کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ یہ ایک بیڈ روم تھا۔ ایک جوان لڑکی اور ستائیس برس کا ایک لڑکا بڑے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی بہت حسین تھی۔ وہ دونوں شراب پی رہے تھے۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"جانتے ہو پاپا کس لئے میری شادی غزالی سے کر رہے ہیں؟"

"ہاں خوب جانتا ہوں۔" لڑکے نے ناگواری سے کہا۔ "اس لئے کہ ان سے پرانی دوستی ہے۔ تمہاری ممی کبھی غزالی کے فادر کی ہم جماعت اور امریکہ میں پڑوس میں رہ چکی تھیں۔ پرانے تعلقات کو مستحکم کیا جا رہا ہے۔"

"اس لئے نہیں ...." لڑکی ہنس پڑی۔ "ڈیڈی نے جو حکومت سے اسی نوے کروڑ کا قرض لیا ہوا ہے اسے معاف کرا لیا جائے۔"

"اوہ یہ بات ہے۔" لڑکے نے چونک کر کہا۔ "لیکن غزالی سے شادی تمہاری بہن نازیہ کی بھی کی جا سکتی تھی۔ وہ بھی تو حسین ہے۔"

"لیکن غزالی مجھے پسند کرتا ہے۔ جب میں ممی کے ساتھ فرانس گئی تھی تب وہ مجھ سے چپکا رہا تھا۔" وہ بولی۔ "نازیہ کی شادی بھی مستان سے ہونے والی ہے۔ بات چیت چل رہی ہے۔ اس کا اور اس کے والدین کا اکاؤنٹ نہ صرف سوئٹزرلینڈ بلکہ لندن اور نیویارک کے بینکوں میں ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اپنے اپارٹمنٹس ہیں۔"

"مستان .... دلاور خان صاحب کا بیٹا .... ؟ اس کا باپ تو ایک معمولی افسر ہے۔ اس کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آ گیا؟"

"باپ بیٹے ایک ہی محکمے میں ہیں .... لیکن یہ محکمہ معمولی تو نہیں ہے۔ سونے کی کان ہے .... ممی کہہ رہی تھیں کہ وہ شادی کے بعد اپنی فیملی لے کر امریکہ سیٹل ہو جائیں گے تاکہ کل کلاں حکومت ان کے خلاف رقم وصولی یا آمدن پر کوئی ایکشن نہ لے۔"

"تمہاری شادی کے بعد میرا کیا ہو گا؟ تم نے مجھے کیا اس لیے دل دیا اور میرا دل لیا تھا؟" لڑکے نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"بہت ہی اچھا ہو گا......" لڑکی کہنے لگی۔ "میری محبت' دوستی اور تعلقات اسی طرح رہیں گے جس طرح اب ہیں۔ شادی کے بعد تو ان میں اور شدت پیدا ہو جائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ہمیشہ تمہاری رہوں گی۔"

"یہ کہنے کی باتیں ہیں۔" لڑکے نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "غزالی تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہیں کرے گا۔"

"یہ کہنے کی باتیں نہیں ہیں۔" وہ کہنے لگی۔ "سونیا' ڈولی اور فریحہ کی مثال کیا ہمارے سامنے نہیں ہے جانی!......... ان کی شادی کو دو تین برس ہو رہے ہیں۔ ان کی دوستی پرانے دوستوں سے آج بھی باقی ہے .... تم سے ملنا جلنا میرے ہاتھ اور میرے بس میں ہے۔ تم فکر کیوں کرتے ہو .... ہماری سوسائٹی میں ایسی باتیں بہت عام ہیں۔"

"تم کہتی ہو تو میں یقین کیے لیتا ہوں۔" لڑکے نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کر لیا۔

لڑکی اس کے بازو کے حلقے سے نکل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ لڑکا بھی کھڑا ہو گیا۔ لڑکی نے اسے مخمور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ڈانس شروع ہو چکا ہو گا۔ وہ ہماری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔"

پھر وہ دونوں کمرے سے نکل گئے تو میں باتھ روم سے نکل آیا۔ اس کے سامنے ایک درخت تھا اور اس کی شاخیں منڈیر پر پھیلی ہوئی تھیں۔ میں درخت پر اس لئے چڑھ گیا کہ بیرونی حصے کی طرف جانے میں خطرہ تھا۔ پھر میں ایک مضبوط شاخ کو پکڑ کر ٹارزن کی طرح دیوار کی طرف بڑھا۔ تین فٹ کا یہ فاصلہ میں نے پانچ سات منٹ میں طے کر لیا۔ منڈیر پر چڑھ کر میں نے دیکھا۔ زمین دس فٹ نیچے تھی۔ میں تو تیس فٹ سے بھی کود سکتا تھا بینک ڈکیتی کے دوران چالیس پچاس فٹ اوپر سے بھی کود چکا تھا۔ پھر میں کود گیا۔ زمین ناہموار نہیں تھی۔ اندھیرے اور گہرے سکوت میں دھپ کی آواز گونجی لیکن اسے سنتا کون۔

میں نے اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اس خوبصورت' وسیع و عریض اور پر شکوہ کوٹھی

کو دیکھا۔ ظاہر میں کتنی جاذبیت تھی لیکن باطن میں یہ غلاظت کی ایک دلدل تھی۔ میں نے جو کچھ دیکھا وہ جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ ایک تلخ حقیقت تھی۔ صاف ستھرے کپڑے پہننا' قیمتی گاڑیاں رکھنا اور نہایت آراستہ و پیراستہ کمرے سے یہ سمجھ لینا کہ اس کے مکین بھی ایسے ہی ہوں گے' یہ غلط تھا۔ یہ لوگ انتہائی گھٹیا' پنچ اور ذلیل قسم کے تھے۔ معاشرے کے ناسور تھے۔ دولت نے ان کے سارے عیب چھپائے ہوئے تھے۔ مجھے اس کوٹھی کے گیٹ کے باہر آنے تک ایک خاصا لمبا چکر کاٹنا پڑا تھا۔ میری موٹر سائیکل جوں کی توں حالت میں موجود تھی۔ پھر میں اسے دھکا دیتا ہوا اتنی دور تک لے گیا کہ اس کے اسٹارٹ کرنے سے اس کی آواز اس بدمعاش تک نہ پہنچے جو میری گھات میں کوٹھی کے اندر موجود تھا۔ میں نے چشم تصور میں اسے بے قراری اور غصے کی حالت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ اسے میرا انتظار بڑا اذیتناک بن گیا ہو گا۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا ہوا یہ سوچ رہا ہو گا کہ میں اتنی دیر سے اندر کیا جھک مار رہا ہوں۔

میں نے ایک ہی کک میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ میں اپنے گھر کا رخ کرنے کے بجائے ایک صحافی دوست اجمل کے فلیٹ پر پہنچا جو میری طرح اکیلا رہتا تھا۔ اس کے بیوی بچے سانگھڑ میں رہتے تھے۔ وہ اس وقت ایک سیاسی وڈیرے کی نجی تقریب سے لوٹا تھا۔ میں کبھی کبھی اس کے ہاں چلا جاتا تھا۔ ہم دونوں رپورٹنگ میں ایک دوسرے سے بہت معلومات حاصل کرتے تھے۔ وہ بڑا مخلص دوست تھا۔ میں اس لئے بھی یہاں پہنچا تھا کہ کہیں دشمن میرے ہاں نہ پہنچ جائے اور وہ چیز طلب کرے جو اسے نہیں مل سکی ہے۔ میرے نہ دینے پر مجھ پر تشدد بھی کر سکتا ہے اور شاید جان سے مار بھی دے۔

میں نے اس کے فلیٹ پر پہنچنے سے پہلے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے ایک گمنام ٹیلی فون سے پولیس کو داؤد سلیمان کے قتل کی اطلاع دی اور پتا بتایا۔ یہ کوٹھی بھی مقتول کی تھی لیکن اس کی رہائش اس میں نہ تھی اس کی کوٹھی کلفٹن میں بھی تھی۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ بات میرے علم میں تھی اور میں نے وہ کوٹھی دیکھی ہوئی تھی۔

اجمل نے میرے اس قدر دیر سے آنے کی وجہ نہیں پوچھی البتہ اس نے بتایا کہ وڈیرے کی تیسری بیوی کی سولہویں سالگرہ تھی۔ اس خوشی میں اس نے ایک جشن کا اہتمام کیا تھا۔ مجرا بھی تھا۔ شراب بھی تھی۔ شہر کی اہم شخصیات بھی مدعو تھیں۔ کھانا جو دو سو مہمانوں کے لئے تھا وہ اس قدر تھا کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کے بعد بھی بچ سکتا

تھا۔ مجرے کے لئے شہر کی معروف ماڈل گرلز آئی ہوئی تھیں۔

☆======☆======☆

میں نے صبح کے اخبارات دیکھے۔ صرف ایک اخبار میں داؤد سلیمان کے قتل کی خبر صرف دو سطروں میں چھپی تھی کہ .... رات انہیں نامعلوم قاتلوں نے بے رحمی اور بڑی سفاکی سے قتل کر دیا۔ کاپی چونکہ پریس جا رہی تھی اس لئے زیادہ تفصیل دی نہ جا سکی تھی۔ یہ اخبارات اجمل کے ہاں آئے تھے۔ میں اس کے ہاں سے صبح دس بجے نکلا اور سیدھا اپنے گھر پہنچا۔

دروازے کو بھڑا ہوا دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ رات میرے ہاں بن بلائے مہمان آ کر گئے ہیں۔ تب اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ میرے کمرے کی کسی چیز کو چھیڑا نہیں گیا تھا۔ البتہ تپائی پر جو ایش ٹرے رکھی ہوئی تھی اس میں کوئی درجن بھر سگریٹ کے ٹوٹے پڑے ہوئے تھے۔ دشمن میرے انتظار میں سگریٹ کا ایک پیکٹ پھونک گیا تھا۔

میں نے دروازے کو مضبوطی سے بند کرنے کے بعد جیب سے نیگیٹوز والا لفافہ نکالا جو مقتول کے ہاں سے لایا تھا' میں نے دانستہ ان نیگیٹوز کو اجمل کے ہاں نہیں دیکھا تھا۔ اسے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ میں نے وہ نیگیٹوز نکال کر دیکھے۔ اس میں تین عدد ایسے تھے جیسے کسی کو قتل کیا جا رہا ہو۔ کچھ اور مختلف قسم کے نیگیٹوز بھی تھے جو واضح نہیں ہو رہے تھے۔

میں کوئی ایک گھنٹہ کے بعد اپنے ایک فوٹوگرافر دوست کے ہاں جانے کے لئے نکلا تاکہ اس سے ان نیگیٹوز کے پرنٹ بنوا سکوں۔ میں گھر میں ایک گھنٹے تک یہ سوچتا رہا کہ داؤد سلیمان کو کیوں اور کس لئے قتل کیا گیا؟ کیا ان نیگیٹوز کے حصول کے لئے .... مقتول نے کیوں اور کس لئے قتل کا شبہ ہوتے ہوئے بھی پولیس کی مدد حاصل نہیں کی۔ ان تصویروں کے پرنٹ سامنے آنے کے بعد یہ معمہ حل ہو سکتا تھا کہ قاتل کون ہے اور مقتول کیوں بے بس سا ہو گیا تھا۔

جب میں اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا تب میں نے دو مشکوک قسم کے آدمیوں کو سامنے پان کی دکان پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر انجان بن گئے۔ ان کے پاس ایک موٹر سائیکل بھی تھی۔ پھر میں نے انہیں غیر محسوس انداز سے تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ انہیں چکمہ دینا آسان تھا لیکن میں انہیں تنگ اور پریشان کرنے کے موڈ میں آ گیا۔ میں سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچ گیا تاکہ مقتول کے قتل کے کیس کے سلسلے میں معلومات حاصل کروں۔ وہاں بہت سارے صحافی اور کرائم رپورٹرز بیٹھے ہوئے تھے۔ انسپکٹر جواد انہیں اس کیس کے بارے میں بتا رہا تھا۔ پولیس خود اندھیرے میں تھی۔ اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ قتل کیوں اور کس لئے اس کوٹھی میں کیا گیا تھا۔ صرف ایک بات علم میں آ سکی کہ مقتول نے اس کوٹھی میں کسی ماڈل گرل کو رکھا ہوا تھا۔ ان کے آپس میں تعلقات تھے۔ وہ دونوں ہوٹل کے بجائے اس کوٹھی میں ملتے تھے۔ ہفتہ میں صرف دو مرتبہ .... وہ دونوں دو راتیں گزارتے تھے۔ چوکیدار اور ملازمہ کو ان دو دنوں میں کوٹھی کے قریب پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ سلسلہ کوئی دو برس سے چل رہا تھا۔ اس نے نہ تو اس ماڈل گرل کی شکل دیکھی تھی اور نہ اسے نام تک معلوم تھا۔ چوکیدار اس بات کو بھی نہیں جانتا تھا کہ مقتول کے صرف ایک عورت سے تعلقات تھے' یا مختلف عورتوں سے تھے۔ عورت ان کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ دفتر میں ان کی جو پرائیویٹ سیکرٹری خالدہ تھی وہ بھی کسی ماڈل گرل کی سفارش پر تھی۔ ایک عام خیال تھا کہ مقتول کے اس سے بھی تعلقات تھے۔

میں نے اپنی موٹر سائیکل باہر ہی کھڑی رہنے دی۔ میں پولیس اسٹیشن کے عقبی راستے سے باہر آیا۔ میں نے ایک رکشا لیا اور وہاں سے سیدھا اپنے فوٹوگرافر دوست کے ہاں پہنچا۔ اس سے کہا کہ شام تک تصویریں تیار رکھے۔ پھر میں اسی رکشا میں واپس آیا۔ کانفرنس روم میں جانے کے بجائے میں احاطے میں گیا۔ مجھے اس کیس سے جو دلچسپی تھی میں اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنی موٹر سائیکل میں باہر آیا تو دونوں بدمعاشوں کو کسی قدر فاصلے پر کھڑے ہوئے پایا۔ ایک بدمعاش موبائل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے عقبی آئینے میں انہیں دیکھا۔ وہ میرے تعاقب میں سائے کی طرح لگے ہوئے تھے۔

میں نے اپنی گاڑی کی رفتار معمول کے مطابق رکھی اور ان کے تعاقب سے بے نیاز بلامقصد سڑکوں پر گھومتا رہا۔ پھر انہوں نے تنگ آ کر مجھے ایک ویران سڑک پر روک لیا۔

”میں سی آئی اے انسپکٹر تنویر شاہ بخاری ہوں۔“ ایک نے کہا۔

”میں سب انسپکٹر اسلم فریدی ہوں۔“ دوسرے نے مجھ پر رعب جمایا۔ اس کا لہجہ کرخت تھا۔

"آپ دونوں سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔" میں نے باری باری دونوں سے ہاتھ ملایا۔

"ہم آپ کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" جو خود ساختہ انسپکٹر بنا ہوا تھا' اس نے کہا۔

"آپ شوق سے تلاشی لے سکتے ہیں لیکن کس خوشی میں؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہمیں شک ہے کہ آپ کے پاس پستول ہے۔" اس انسپکٹر تنویر شاہ بخاری نے کہا۔

"میرے پاس پستول کیا ایک قلم تراش تک نہیں ہے۔ آپ شوق سے میری تلاشی لے سکتے ہیں لیکن ایک شرط پر۔"

"کیسی شرط؟" سب انسپکٹر غرایا اور مجھے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"آپ اپنی شناخت کرادیں۔" میں نے نہایت نرمی اور شائستگی سے کہا۔

"سالے .... تم کون ہوتے ہو ہمیں شناخت کروانے کا حکم دینے والے۔" سب انسپکٹر نے غصے سے کہا۔ "کیا ہم تمہارے باپ کے نوکر ہیں؟ سیدھی طرح تلاشی دے دو ورنہ میں تمہارا جغرافیہ بگاڑ دوں گا۔"

"شاید آپ نہیں جانتے ہیں کہ میں کرائم رپورٹر ہوں۔ میرا نام سکندر ہے۔" میں نے کہا۔ "آپ کو ایک معزز شہری سے تمیز سے بات کرنا چاہئے .... آپ کو یہ انداز گفتگو زیب نہیں دیتا ہے۔"

"سالے .... سور .... کمینے .... حرام زادے .... تو ہمیں تمیز سکھا رہا ہے۔" سب انسپکٹر بگڑ گیا۔

"آپ اپنی زبان کو لگام دیں .... ورنہ میں ابھی اور اسی وقت ڈی آئی جی سے رابطہ کرتا ہوں۔ سی آئی اے کے ڈی ایس پی مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ چلئے .... میں سی آئی اے سینٹر چلتا ہوں۔ وہاں تلاشی دیتا ہوں۔" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے صبر و تحمل سے کہا۔

"اچھا .... اچھا .... آپ برہم نہ ہوں۔" انسپکٹر نے کہا۔ "ہم ہر ایرے غیرے کو اپنی شناخت نہیں کرواتے ہیں۔ آپ کی بہتری اس میں ہے کہ تلاشی دے دیں اور بات نہ بڑھائیں۔"

ان سے الجھنا فضول تھا۔ وہ تعداد میں دو تھے۔ میں دو کیا بیک وقت تین چار بدمعاشوں سے بھی لڑ سکتا تھا لیکن یہ مسلح تھے۔ ان کے پاس ریوالور تھے اور ان کی ابھری ہوئی جیبوں سے اس کا پتا چل رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"میں صرف اس شرط پر تلاشی دے سکتا ہوں کہ میری رقم اور موبائل فون کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔"

"ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے پاس ناجائز اسلحہ ہے یا نہیں؟" انسپکٹر نے کہا۔

میں نے انسپکٹر کو تلاشی لینے کی اجازت دے دی۔ یہ دونوں جعلی افسر تھے۔ بدمعاش تھے۔ قاتل کے آدمی تھے۔ ان دونوں کو میرے تعاقب پر لگایا ہوا تھا۔ انسپکٹر نے میری تلاشی لی۔ میرا پرس کھول کر دیکھا۔ اس میں رقم' میرا شناختی کارڈ اور کچھ اخبارات کے جاری کردہ شناختی کارڈ اور پریس کلب کا بھی ایک شناختی کارڈ تھا۔ رقم ایک ہزار سات سو روپے تھی۔ میری جیب سے ایک ایک چیز نکال کر دیکھی گئی۔ پھر وہ دونوں کڑوا سا منہ بناتے ہوئے چلے گئے۔

مجھے کچھ یاد آیا تو میں اپنے گھر پہنچا۔ میرا خیال درست ثابت ہوا۔ میری غیر موجودگی میں بن بلائے مہمانوں نے آ کر میرے گھر کی تلاشی لی تھی۔ نہ صرف الماری کھنگال ڈالی بلکہ باورچی خانے کا سارا سامان بھی الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ قاتل کو اس بات کا شاید قوی یقین ہو گیا تھا کہ میں مقتول کی کوئی چیز وہاں سے نکال کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اس کا شک شاید اس لئے پختہ یقین میں تبدیل ہو گیا کہ میں اس رات اس کے آدمی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس طرح سے نکل گیا کہ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی۔ وہ سخت کوفت کا شکار ہو گیا تھا۔

میرے گھر کی بہت ساری چیزیں بے ترتیب اور بکھری پڑی ہوئی تھیں۔ انہیں ان کی جگہ رکھتے ہوئے سہ پہر ہو گئی۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ میں نے ایک گول مٹول اور پستہ قد شخص کو مشکوک حالت میں ٹہلتے ہوئے پایا۔ قاتل کی ابھی تک تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا تھا اور اس نے میری نگرانی پر کچھ آدمی مامور کر دیئے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا واسطہ کس سے پڑا ہے۔ میں صرف نام کا سکندر نہیں تھا۔

میں عقبی راستے سے گلی میں آیا۔ گلیوں سے ہوتا ہوا مین روڈ پر آیا۔ پھر میں رکشا لے کر اپنے فوٹوگرافر دوست کی دکان پر پہنچا۔ اس نے لفافہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ نیگیٹوز کہاں سے ملے؟"

"ملے نہیں بلکہ مجھے ڈاک سے دو دن پہلے موصول ہوئے تھے۔" میں نے جھوٹ بولا۔

"یہ تصویریں بڑی خطرناک ہیں اور تمہیں کسی خطرے سے دوچار کر سکتی ہیں۔" اس نے کہا۔

میں نیگیٹوز اور تصویریں لے کر اس راستے سے گھر پہنچا جس راستے سے آیا تھا۔ میں نے سر باہر نکالا تو اس پستہ قد بدمعاش کو گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو کر سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا۔ وہ سخت کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔ میں مسکرا دیا۔

پھر میں دروازے اور کھڑکیوں کو اچھی طرح سے بند کر کے بیڈروم میں آ گیا۔ میں نے لفافے میں سے تصویریں نکالیں۔ پہلی تصویر ایک پیشہ ور قاتل کی تھی وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک جواں سال اور حسین عورت کا بے رحمی سے گلا گھونٹ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سفاکی تھی اور آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ عورت اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنی گردن آزاد کرانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اس کے چہرے سے درد اور تکلیف کے تاثرات صاف ظاہر تھے۔ عورت کے بدن پر ایک دھجی تک نہ تھی۔

دوسری تصویر میں اس عورت کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب اس کا لباس بکھرا پڑا تھا جو تار تار ہو چکا تھا۔ قاتل اسے فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ اس طرح سے مسرور دکھائی دے رہا تھا جیسے اس نے کوئی بہت بڑا محاذ فتح کر لیا ہو۔

تیسری تصویر میں وہ عورت تین مردوں کے سامنے سہمی ہوئی سی کھڑی تھی اور اس کے چہرے پر خون کی ایک بوند بھی نہیں تھی۔ آنکھوں میں خوف و دہشت بھری ہوئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

چار تصویریں ایسی تھیں جن میں اس کا لباس تار تار کر کے اسے برہنہ کر دیا گیا اور پھر اس کی بے حرمتی کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اس کی ایک تصویر ایسی بھی تھی جس میں وہ پوری طرح بستر پر بے لباس پڑی درندوں کے آگے ہاتھ جوڑ کر رحم کی بھیک مانگ رہی

تھی۔ بستر کے ایک طرف قطار میں کھڑے ہوئے تین درندے اس کی بے بسی پر ہنس رہے تھے۔

ایک تصویر صرف عورت کی تھی۔ اس تصویر میں وہ بڑے وقار اور تمکنت سے کھڑی کسی شہزادی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ یہ عورت بہت حسین و جمیل تھی۔ اس کا سراپا بڑا پرکشش اور پرشکوہ تھا۔ اس کے پرشباب، گداز بدن میں ایک مرد کو پاگل کر دینے والی جنسی کشش تھی۔ وہ لباس میں قیامت ڈھا رہی تھی۔ ایسی حسین عورتیں لاکھوں میں ایک ہوتی ہیں۔

باقی تصویریں مقتول اور اس کی محبوبہ کی تھیں۔ وہ نامناسب سی تصویریں تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ تصویریں گن پوائنٹ پر بنائی گئی ہیں۔ خوف دہشت صرف مقتول کے چہرے سے عیاں تھی۔ جب کہ اس کی محبوبہ دل نواز انداز سے مسکرا رہی تھی۔ اس میں خود سپردگی، والہانہ پن اور وارفتگی تھی۔ اس کا انداز بازارِ حُسن کی عورت کی طرح تھا۔

میں اس عورت کو پہچان نہیں سکا۔ معلوم نہیں وہ غریب کون تھی جس کی وحشیانہ طور پر بے حرمتی کرنے کے بعد سفاکی سے موت کی نیند سلا دیا گیا تھا.......... اسے کیوں اور کس لئے قتل کیا گیا یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ ایسی حسین، معصوم اور نازک عورت کو ایسی سفاکی سے ایک شقی القلب قاتل بھی قتل کرنے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا۔

ان تصویروں میں جو چار درندے تھے ان میں سے میں کسی کو بھی پہچان نہیں سکا۔ مجھے زیرِ زمین دنیا سے کنارہ کش ہوئے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ میں جب پیشہ ور قاتلوں کی تنظیم میں شامل تھا تب شہر کی بہت ساری تنظیموں میں جو سرغنہ اور بدمعاش تھے ان سے خوب واقف تھا۔ کیونکہ ان سے واسطہ پڑتا تھا۔ بعض اوقات ان سے کسی بات پر محاذ آرائی یا جنگ بھی ہو جاتی تھی۔ ایک دوسرے کے بدترین جانی دشمن تھے۔ خون کی ہولی کھیلنے سے باز نہیں آتے تھے۔

مقتول کے ساتھ جو لڑکی تھی میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ ایک مشہور اور معروف بدنامِ زمانہ ماڈل گرل تھی۔ اس کا نام صنوبر تھا۔ اس فاحشہ کی اونچی سوسائٹی میں بڑی مانگ تھی۔ ملٹی نیشنل فرمیں غیر ملکی مہمانوں کا دل بہلانے کے لئے اس کی خدمات حاصل کرتی تھیں۔ اس سے بھی اعلیٰ سطح پر اس کی مانگ تھی۔ وہ مارلن منرو اور کرسٹائن کیلر کو بھی

شرمندہ کرنے والی ہستی تھی۔

میں نے بہت دیر تک سوچ بچار کیا۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ مقتول ان نامناسب تصویروں کو کس لئے بطور امانت مجھے دینا چاہتا تھا .... ان تصویروں سے مجھے کیا قدم اٹھانا تھا۔ وہ عورت کون تھی؟ مقتول کا اس سے کیا تعلق تھا؟ بہت سارے سوالات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ میرا ذہن اس کا جواب دینے سے قاصر تھا۔

ایک بات جو میری سمجھ میں آئی وہ یہ کہ مقتول ان درندوں کے خلاف مجھ سے مدد لینا چاہتا تھا تاکہ میں ان سے انتقام لے سکوں' لیکن اسے زندگی کی مہلت نہ مل سکی۔ اس نے مجھے میری خدمات حاصل کرنے کے لئے بلایا لیکن اس میں دیر ہو گئی تھی۔ تاہم میں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ ان قاتلوں اور درندوں سے انتقام لوں گا۔ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک ان سے بدلہ نہ لے لوں۔

اب میرے لئے یہ مسئلہ تھا کہ ان تصویروں اور ان کے نگیٹوز کو کہاں چھپاؤں' پھر مجھے ایک جگہ کا خیال آیا تو اسے میں نے اس جگہ چھپا دیا۔ وہ ایسی محفوظ جگہ تھی کہ کسی کے فرشتوں کا خیال بھی اس طرف نہیں جا سکتا تھا اور نہ خیال آ سکتا تھا۔

میں نے چائے بنائی۔ اس وقت چائے کی بڑی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے دو تین گھونٹ لئے تھے کہ دروازے پر کسی نے بڑی شائستگی سے دستک دی۔ میں نے جیسے ہی دروازہ کھولا تین آدمی دندناتے ہوئے اندر گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے سرعت سے مڑ کے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ پھر ان تینوں نے اپنی اپنی جیب سے ریوالور نکال کر مجھے نرغے میں لے لیا۔

"فرمایئے .... میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ لوگوں نے کیسے زحمت فرمائی؟"

"ہم آپ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے باس کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہمارے باس نے آپ کو بلایا ہے .... آپ کس طرح سے چلنا پسند کریں گے؟"

اس کا آخری جملہ معنی خیز تھا۔ میں نے بے پرواہی سے کہا۔ "آپ جس طرح مناسب سمجھیں۔"

"آپ بڑے سمجھدار اور دور اندیش آدمی ہیں۔" اس نے کہا۔ "باس نے آپ کو

لانے کے لئے گاڑی بھیجی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ باعزت طریقے سے ہمارے ساتھ چلیں .... پھر ہم اسی طرح واپس لا کر چھوڑ دیں گے۔"

میں ان کے ساتھ باہر آیا تو ایک پجارو جیپ کھڑی تھی۔ اسٹیرنگ پر ایک بدمعاش بیٹھا ہوا تھا۔ جب میں جیپ میں بیٹھا تو چل پڑی۔ جب جیپ سڑک پر آئی تو میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک بدمعاش نے چشم زدن میں اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر میرے منہ پر رکھ دیا۔ میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆======☆======☆

جس وقت مجھے ہوش آیا تو میں ایک صاف ستھرے اور آرام دہ بستر پر دراز تھا۔ اس وقت دروازہ کھلا۔ وہ بدمعاش جو مجھے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا کمرے میں داخل ہوا۔ میں اٹھ بیٹھا اور سر پکڑ لیا۔ اس لئے کہ سر گھوم رہا تھا۔

اس نے سرہانے والی میز پر رکھا ہوا جوس کا گلاس اٹھا کر میری طرف بڑھایا۔ "آپ اسے پی لیں۔"

جوس پینے سے دماغ کی حالت قدرے سنبھل گئی۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمرے سے نکلا۔ راہداری طے کر کے ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ کمرا دفتر قسم کا تھا۔ اس میں ایک بہت بڑی میز تھی۔ اس کے گرد چھ کرسیاں تھیں۔ اس میز پر ایک شخص ریوالونگ چیئر پر شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نفیس ترین سوٹ میں تھا۔ اس نے رنگین چشمہ پہن رکھا تھا۔ میں اس شخص کا چہرہ دیکھ کر چونک پڑا۔ اسے پہچان لیا۔ یہ وہی شخص تھا جو تصویر میں عورت کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ ایک دوسری تصویر میں اس کی بے حرمتی کا بھی مرتکب ہو رہا تھا۔ ایک اور تصویر میں وہ دو اور بدمعاشوں کے ساتھ کھڑا عورت کی بے بسی پر ہنس رہا تھا۔ عورت بے لباس تھی اور ہاتھ جوڑ کر رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ اس وقت یہ شخص درندہ صفت نہیں بلکہ ایک مہذب اور معزز شہری اور کسی اعلیٰ افسر کی طرح لگ رہا تھا۔

اس کی میز پر مختلف رنگوں کے سات ٹیلی فون' ایک فیکس اور کمپیوٹر رکھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر دو تین فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ فرش پر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک جانب ایک مخملیں صوفہ سیٹ اور تپائی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ "آیئے مسٹر سکندر! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔"

جب میں میز کے قریب پہنچا تو اس نے مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ پھر اس نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"آپ نے یاد کیا تو میں حاضر ہو گیا۔" میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے آپ سے اسی بات کی توقع تھی۔ آپ نے یہاں تشریف لا کر میری بڑی عزت افزائی کی۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ پھر اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ جب میں بیٹھ گیا تو اس نے رسمی انداز سے پوچھا۔ "آپ کیا پینا پسند فرمائیں گے۔ چائے' کافی یا کوئی شراب..........؟ میرے پاس ہر قسم کی ولایتی شراب موجود ہے۔"

"میرے لئے کریم کافی منگوالیں۔" میں نے کہا۔ "میں شراب نہیں پیتا ہوں۔"

اس نے اپنے آدمی سے کہا۔ "شالو! ہم دونوں کے لئے گرم گرم کافی بنا کر لے آؤ۔"

شالو کمرے سے نکل گیا تو اس نے کہا۔ "مسٹر سکندر! میں نے آپ کو یہاں کس لئے بلایا ہے آپ جانتے ہیں؟"

"جی نہیں.........." میں نے سر ہلایا۔ "میں آپ کے آدمیوں سے پوچھ بھی نہیں سکا۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کا موقع نہیں دیا۔"

"مسٹر سکندر!" وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر آگے کی طرف جھکا۔ "میں بات کو بلاوجہ گھما پھرا کے کہنے میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا.......... آپ نے اس کوٹھی سے جو نیگیٹوز والا لفافہ اٹھایا ہے وہ مجھے دے دیں۔"

"کون سے نیگیٹوز.......... کیسے نیگیٹوز والا لفافہ؟" میں نے انجان بن کر کہا۔

"آپ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں؟ میں کوئی احمق نہیں ہوں؟" اس نے تند لہجے میں کہا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں آپ کو بے وقوف بناؤں.......... پلیز! آپ اس انداز سے نہ سوچیں۔"

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ داؤد سلیمان کی کوٹھی پر کیوں اور کس لئے گئے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"اس لئے کہ انہوں نے مجھے ٹیلی فون کر کے کہا تھا کہ میں جلدی سے پہنچوں ان

کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ ایک امانت مجھے سونپنا چاہتے ہیں.......... مجھے وہاں پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اس لئے کہ راستے میں میری موٹر سائیکل خراب ہو گئی تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو قاتل نے انہیں کوئی مہلت نہیں دی اور ان کی زندگی ختم کر دی۔"

"کیا آپ نے اس چیز کو وہاں تلاش کیا تھا جو مقتول آپ کو دینا چاہتا تھا؟" اس نے سوال کیا۔

"اول تو میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ایسی کون سی چیز ہے جو وہ مجھے سونپنا چاہتے تھے۔ اگر وہ اس کے بارے میں اشارے کنائے میں بتا دیتے تو میں اس چیز کو تلاش کرتا۔ پھر بھی میں نے فرش پر بکھری چیزوں اور ٹی وی ٹرالی میں اس نامعلوم چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ آخر میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو میں ان کی ایک ڈائری اٹھا لایا۔ اس میں ایسی کوئی بات نہ تھی اور نہ ہی وہ ڈائری ایسی کچھ اہم چیز لگی۔ لہٰذا میں نے اسے پھاڑ کر پھینک دیا۔" میں نے قدرے وضاحت سے کہا۔

شالو کافی لے آیا۔ جب اس نے ہم دونوں کے سامنے پیالیاں رکھ دیں تو اس نے شالو کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ شالو کمرے سے نکل گیا تو اس نے پوچھا۔ "آپ نے وہ ڈائری کس لئے پھاڑ کے پھینک دی؟"

"اس لئے کہ اس میں انہوں نے اپنی نجی زندگی کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ بیوی کے بارے میں کچھ ایسی باتیں لکھی ہوئی تھیں کہ وہ ڈائری کسی کے ہاتھ لگنے سے ان کی زندگی کے کچھ گوشے بے نقاب ہو جاتے اور بیوہ پر انگلیاں اٹھتیں.........."

"کیا آپ مجھے کچھ بتا سکتے ہیں کہ مقتول نے اپنی بیوی کے بارے میں کیا کچھ لکھا تھا؟" اس نے تجسس سے دریافت کیا۔

"جی ہاں.........." میں نے سر ہلاتے ہوئے کافی کو سپ کیا۔ کافی بہت اچھی تھی۔

"مقتول نے اپنی بیوی کے بارے میں لکھا تھا کہ معلوم نہیں کیوں وہ مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ میرے جذبات اور احساسات کا کوئی خیال نہیں کرتی ہے۔ جب میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو سرد لاش کی طرح میرے حوالے کر دیتی ہے جو مجھے سخت ناگوار لگتا ہے اور اذیت بھی ہوتی ہے۔ میں نے اس سے کئی بار کہا کہ وہ کیوں اور کس لئے اس طرح پیش آتی ہے.......... میں نے اسے یہ بات سمجھائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر میں کسی غیر عورت سے تعلقات قائم کر لوں اور تم مجھ سے شکوہ شکایت کرو

لیکن اس پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ایک عجیب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ ہر وقت بنی سنوری رہتی ہے۔ وہ بہت حسین ہے۔ تین جوان بچوں کی ماں معلوم نہیں ہوتی ہے۔ میں نے جب کبھی بھی اسے بازوؤں میں بھر کر......... دفتر سے واپس آنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے من مانی کی تو وہ برہم سی ہو گئی یا پھر برف کا تودہ بن گئی۔ جانے مجھے کیوں یہ شک ہونے لگا ہے کہ......... کہیں اس نے کسی غیر مرد یا میرے دوستوں میں سے کسی کے ساتھ تعلقات استوار تو نہیں کر لئے ہیں؟ شاید ایسا ہو کیونکہ وہ میرے ساتھ سرد مہری سے پیش آتی ہے لیکن میں بغیر کسی ثبوت کے اس پر کوئی گھناؤنا الزام لگانا نہیں چاہتا ہوں۔ ایک تو ہماری شادی محبت کی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ میری بیوی اور تین جوان بچوں کی ماں ہے۔"

میں نے اس سے جو کچھ بیان کیا تھا وہ جھوٹ نہیں تھا۔ میں نے فرش پر جو ڈائریاں دیکھیں تھیں ان میں سے ایک دو ڈائریاں اٹھا کر ان کی ورق گردانی کی تھی۔ ایک ڈائری میں جو پانچ برس پہلے کی تھی اس میں یہ سب کچھ لکھا ہوا تھا۔ اسے میں نے بے خیالی میں جیب میں رکھ لیا تھا۔ میں نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ اسے میں نے پھاڑ کے پھینک دیا۔ وہ ڈائری میرے پاس موجود تھی۔

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ مطلوبہ چیز نہیں ملنے کی صورت میں آپ وہاں سے گدھے کے سر کے سینگ کی طرح کیسے اور کیوں کر غائب ہو گئے؟ جس طرح اندر داخل ہوئے اس طرح کیوں نہیں گئے؟ آپ کس طرح اور کیسے باہر آئے؟" وہ ایک ہی سانس میں بول گیا۔

"بات یہ ہے کہ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو ایسا محسوس ہوا تھا کہ قاتل شاید گھر میں موجود ہو۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ معاً میری نگاہ ایک تاریک گوشے میں پڑی جہاں قاتل جانے کیوں اور کس لئے وہاں کھڑا تھا۔"

"آپ نے اس قدر فاصلے سے اسے کیوں کر اور کیسے دیکھ لیا.........؟" اس نے متعجب لہجے میں کہا۔

"وہ اندھیرے میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ وہاں چھپ کر شاید اس لئے کھڑا ہو گیا ہو گا کہ اس نے میری موٹر سائیکل کی آواز سن لی ہو گی۔ اس کا خیال ہو گا کہ شاید میں وہ چیز لینے آیا ہوں جو مقتول میرے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ شاید اسے کسی نہ کسی طرح اس

بات کا علم ہو گیا ہو گا کہ مقتول نے مجھے بلایا ہے۔ جب میں کوٹھی سے باہر آؤں تو دبوچ لے۔"

"آپ نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ آپ کوٹھی سے کیسے اور کس طرح باہر نکلے......... اس کے عقبی دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا......... اس کی دیوار اتنی اونچی تھی کہ اس پر بغیر سیڑھی کے چڑھا نہیں جا سکتا تھا.........؟" اس نے کہا۔

"میں برابر والی کوٹھی میں اتر گیا۔ وہاں ایک تقریب ہو رہی تھی۔ میں اس کی عقبی دیوار کی منڈیر پر ایک درخت کی مدد سے چڑھ گیا اور نیچے کود گیا۔ پھر میں عقبی گلی سے ہوتا ہوا مقتول کی کوٹھی کے بیرونی گیٹ پر آیا جہاں میری موٹر سائیکل کھڑی تھی۔"

"جب آپ کو وہ چیز نہیں ملی تو اس پُراسرارانہ انداز سے کوٹھی سے باہر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے اس شخص سے ایک انجانا خوف محسوس ہوا تھا اس لئے میں نے باہر نکلنے کی یہ تدبیر کی تھی۔"

"آپ وہاں سے اپنے گھر جانے کے بجائے کیوں اور کس لئے کہیں اور چلے گئے تھے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس لئے کہ میں اپنے ایک صحافی دوست سے مقتول کے بارے میں دریافت کر سکوں......... اس کے گھر چلا گیا۔ میں اس کے ہاں اکثر جا کر رات کو ٹھہرتا ہوں۔ میں نے اسے اس واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا نہ مقتول کے موضوع پر کوئی بات کی۔"

"مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے تمام باتیں من و عن بتا دیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں ایسے لوگوں کو بہت پسند کرتا ہوں اور ان کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ مقتول کے پاس کوئی بارہ عدد نیگیٹوز تھے جو وہ آپ کو دینا چاہتا تھا لیکن وہ دینے سے قبل موت سے ہمکنار ہو گیا۔ اس کے علاوہ شاید پانچ لاکھ کی رقم بھی تھی۔ رقم سے ہمیں سروکار نہیں لیکن میرا خیال اور شبہ ہے کہ وہ چیز آپ کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"آپ ہی شاید وہ شخص ہیں جس نے ان نیگیٹوز کے حصول کے لئے داؤد سلیمان کو راستے سے ہٹایا؟" میں نے بڑی جرأت سے صاف گوئی سے کہا۔ "اس بات کا اندازہ آپ کی گفتگو اور سوالات سے ہوا۔ مجھے وہاں سے کوئی نیگیٹوز نہیں ملے۔ بالفرضِ محال مل

بھی جانتے تو وہ میرے کس کام کے تھے .... ایک بات جو میری سمجھ سے بالاتر ہے اور معمہ بنی ہوئی ہے کہ مقتول کس لئے کوئی چیز مجھے سونپنا چاہتے تھے کہ جب کہ ان سے نہ تو میری شناسائی تھی اور نہ ہی کوئی ملاقات تھی..........''

''میں آپ سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے میری باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے موضوع بدلا۔

''کیسا سودا؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف متعجب نظروں سے دیکھا۔

''میں ان نیگیٹوز کو آپ سے خریدنا چاہتا ہوں۔ بتایئے .... اس کی کیا قیمت چاہتے ہیں؟'' اس نے خالص کاروباری لہجے میں کہا۔

''آپ نے ہر طرح سے اپنی تسلی کرلی۔'' میں نے کہا۔ ''میرے گھر کی تلاشی لے لی گئی۔ آپ کے آدمیوں نے راستے میں روک کر میری جامہ تلاشی بھی لی .... پھر بھی آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ نیگیٹوز موجود ہیں۔''

''وہ کل بارہ عدد نیگیٹوز ہیں۔'' اس نے میری بات پھر نظرانداز کر دی۔ ''میں ان کے بارہ لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔''

''آپ بیس لاکھ روپے بھی دیں تو بیکار ہے۔ میرے پاس وہ نیگیٹوز ہیں نہیں۔'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''جس نے بھی یہ تصویریں کھینچی ہیں ہم اسے جہنم رسید کر چکے ہیں۔ اس کی لاش کا اب تک کسی کو پتا نہیں چل سکا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے .... میں پندرہ لاکھ روپے تک دینے کے لئے تیار ہوں۔ ابھی اور اسی وقت .... آپ رقم پیشگی لے لیں۔ نیگیٹوز بعد میں دے دیں..........'' اس نے کہا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے ایک الماری نما تجوری تھی۔ اس کے پاس جا کر اس کا کوڈ نمبر سیٹ کرنے لگا۔ میں نے وہ نمبر دیکھ لیا۔ نمبر سیٹ کرنے کے بعد اس نے ڈائل گھمایا۔ پھر اس کا ہینڈل پکڑ کے گھمایا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس کے دو خانوں میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی ہیں۔ تیسرے خانے میں کاغذات، فائلیں اور چرمی تھیلیاں تھیں۔ شاید ان میں ہیرے جواہرات یا سونے کے زیورات ہوں گے۔ اس نے ہزار روپے کے نوٹوں کی پندرہ گڈیاں نکال کر میرے سامنے ڈھیر کی صورت میں رکھ دیں۔

''دیکھئے جناب!'' میں نے نوٹوں کی گڈیوں سے نگاہیں ہٹا کر اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ ''پندرہ لاکھ کی رقم تو میری اوقات سے بہت زیادہ ہے۔ میرے پاس وہ نیگیٹوز ہوتے تو آپ کو ایک لاکھ روپے کے عوض بھی دے دیتا۔ نہ جانے کیوں .... آپ کو مجھ پر شک ہو گیا۔ وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہ تھا۔ آج بھی کسی بھی طب میں موجود نہیں ہے۔''

''آپ اچھی طرح سے سوچ لیں..........'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''ایسا سنہرا موقع زندگی میں صرف ایک بار ملتا ہے۔''

''اے کاش! نیگیٹوز میرے ہاتھ لگ گئے ہوتے؟'' میں نے ایک سرد سانس لی۔ ''میں اس سنہرے موقع سے ضرور فائدہ اٹھاتا اور اپنے خوابوں کی تکمیل کرتا .... اپنا مستقبل تابناک بنا لیتا۔''

''لیکن ایک بات یاد رکھیں۔'' اس نے تند لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ کے پاس وہ نیگیٹوز ہوئے اور آپ نے ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو پھر مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا اور پھر آپ کی لاش کا پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''آپ جس طرح چاہیں اپنی تسلی کر سکتے ہیں؟'' میں نے جواب دیا۔ ''میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ میں ان نیگیٹوز سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہوں .... کیا وہ نیگیٹوز ایسے ہیں جن سے کسی کو بلیک میل کیا جا سکتا ہے؟''

''ہاں .... لیکن وہ موت کا پیش خیمہ بھی بن سکتے ہیں۔ ان تصویروں سے بلیک میل کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ سوچ لیں۔''

''میں کوئی بلیک میلر یا جرائم پیشہ نہیں ہوں۔ میں ایک کرائم رپورٹر ہوں۔ میں اپنی آمدنی اور تنہا زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں۔''

اس نے میز پر نصب گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلا۔ شالو اندر داخل ہوا۔ اس نے شالو سے کہا۔ ''سکندر صاحب کو باعزت طریقے سے ان کے گھر چھوڑ آؤ .... سکندر صاحب کے پاس نیگیٹوز نہیں ہیں۔ یہ ان کا کہنا ہے۔''

''اگر ان کے پاس نہیں تو پھر کس کے پاس ہوں گے؟'' شالو نے کہا۔ ''ہم تینوں نے کونہ کونہ چھان مارا تھا؟''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے آپ لوگوں کو غلط راہ پر ڈالنے کے لیے مجھ سے

غلط بیانی کی ہو۔" میں نے کہا۔

"آپ کا قیاس درست ہو سکتا ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ مقتول نے کس کو نیگیٹوز دیئے ہوں گے؟" اس نے کہا۔ "وہ کس کے پاس ہوں گے .... مجھے دُور دُور تک ایسا کوئی بندہ نظر نہیں آتا ہے جس پر مقتول اعتماد کر سکے۔"

"جب وہ شخص جس کے پاس نیگیٹوز ہیں اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا تو آپ کے علم میں آجائے گا۔" میں نے کہا۔ "اس وقت آپ اس سے نمٹ لیں۔ وہ آپ سے بچ بھی نہیں سکے گا۔"

جب میں اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہونے لگا تب اس نے کہا۔ "میری پندرہ لاکھ کی پیشکش برقرار ہے۔ اگر آپ کے پاس وہ چیز ہے تو آپ کے لئے کسی کام کی نہیں۔ وہ ایک روپے کی نہیں۔ وہ صرف میرے لئے کار آمد ہے۔"

شالو نے میرے پاس آکر میرے منہ پر رومال رکھ دیا جو اس نے میری نظریں بچا کر پہلے ہی سے نکال رکھا تھا۔ میں فوراً ہی بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنے گھر کے بیڈروم میں بستر پر دراز تھا۔ میرے سر میں ہلکی سی دکھن ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں بستر سے نکلا۔ میں نے بغیر دودھ کی چائے بنائی۔ پھر ایک گولی پونسٹان پانی سے کھا کر میں سوچنے لگا کہ یہ کون شخص ہے؟ یہ شخص جو بھی تھا مانیا تھا .... میرے ذہن میں بہت سارے سوالات ایک دم پیدا ہونے لگے .... وہ عورت کون تھی؟ جس کی اس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ مل کر اجتماعی طور پر بے حرمتی کی۔ اس کی تصویریں اتاری گئیں۔ پھر اسے گلا گھونٹ کر قتل کر دیا۔ اسے ان تصویروں کی اس لئے ضرورت ہے کہ یہ اس کے قاتل ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ وہ قانون کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا ہے .... مجھے کسی صورت سے پتا چلانا تھا کہ وہ مقتولہ کون تھی؟ یہ قاتل کون ہے؟ داؤد سلیمان کو کس لئے قتل کیا گیا؟

میں رات نو بجے ٹی وی پر خبرنامہ دیکھ کر رات کا کھانا لانے کے لئے گھر سے نکلا۔ ایک قریبی ریسٹورنٹ سے چکن بروسٹ لے آیا۔ پھر میں آج کے اخبارات دیکھنے لگا۔ پھر میں نے سوچا کہ کس سے اس پُراسرار اور خطرناک شخص کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے؟ میں سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو اس وقت رات کے بارہ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ میری آنکھ لگ گئی۔

اچانک دروازے پر دستک کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ کیوں اور کس لئے آیا ہو گا؟ اجمل کے آنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ وہ جب بھی آتا تھا فون کر کے آتا تھا۔ اس وقت میری آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں ملنے کے بعد دروازہ کھولا۔ دروازہ کھولتے ہی تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹا۔ کیونکہ ایک نوجوان لڑکی سراسیمگی سے اندر داخل ہوئی۔

اس نے پھولی ہوئی سانسوں سے کہا۔ "آپ دروازہ بند کر دیجئے .... بدمعاش میرے تعاقب میں ہیں۔ وہ مجھے اغوا کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا۔ اندر سے چٹخنی لگا دی۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بائیس تیئس برس کی اس قدر حسین لڑکی تھی کہ بدمعاش اسے اغوا کرنے کے درپے تھے تو اس میں تعجب کی بات نہ تھی۔ وہ بری طرح خوفزدہ ہو رہی تھی اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اس نے چادر سے اپنا جسم چھپایا ہوا تھا۔ اس نے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "کیا میں آپ کے بیڈروم میں چھپ سکتی ہوں.........؟"

"آپ جہاں چاہیں چھپ سکتی ہیں آپ کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"شکریہ........." اس نے مجھے ممنونیت سے دیکھا۔ "کوئی دروازے پر دستک دے تو آپ دروازہ مت کھولیں۔"

"کیا آپ کو کسی بدمعاش نے اس گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟"

"شاید نہیں .... میں انہیں چکمہ دے کر ادھر آ نکلی ہوں۔ وہ شک و شبہے میں ادھر آ سکتے ہیں۔" لڑکی نے آہستگی سے کہا۔

پھر وہ سراسیمگی میں بیڈروم کی طرف بڑھی تو ٹھوکر کھا کر فرش پر گر پڑی۔ اس نے جو ایک ہاتھ سے چادر کے کونے پکڑے ہوئے تھے وہ چھوٹ گئے۔ وہ فرش پر بکھری گئی تھی۔ میں نے دیکھا۔ اس کا لباس تار تار ہو چکا ہے جس میں اس کا سارا بدن بے حجاب تھا۔ اس کے جسم پر چیتھڑے تھے۔ بدمعاشوں نے اس کا لباس شاید اتارنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مزاحمت کی ہو گی جس پر وہ مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے لباس اتارنے کی زحمت کرنے کے بجائے اسے تار تار کر دیا۔

لڑکی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے خوف و ہراس سے بدن پر چادر لپیٹنے کی

کوشش کی تو چادر پھر اس کے ہاتھوں سے پھسل پڑی۔ ایک پل کے لئے میری آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی تھی۔ جب دھند چھٹی تو میں نے جو کچھ دیکھا اس نے میرے سارے جسم میں ہیجان خیز سنسنی دوڑا دی اور میرے دل کو گرما دیا۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی پرکشش بھی .... کشش کے خزانوں سے مالا مال تھی۔ وہ سرخ و سفید رنگت کی تھی۔ رات نے اس کے حسن اور پرشباب گداز بدن کے جادو کو اور بڑھا دیا تھا۔

میں منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ اسے بے حجابی کے عالم میں دیکھنا نہ صرف معیوب بات تھی بلکہ جذبات کو بھڑکانے کے مترادف تھا۔ میں بہک بھی سکتا تھا اور شیطان بن سکتا تھا۔ کیونکہ گھر میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔

"کیا گھر میں کوئی عورت وغیرہ نہیں ہے؟" اس لڑکی نے سرگوشی میں آہستہ سے کہا۔

"جی نہیں.........." میں نے اس کی طرف مڑ کے جواب دیا۔ میرا خیال درست ثابت ہوا۔ اس نے چادر سے بدن کو اچھی طرح ڈھانک لیا تھا۔

"اب میں کیا کروں؟" وہ پریشان اور متفکر سی ہو کر بولی۔ "میں سمجھی تھی کہ آپ کی بیوی، بہن یا والدہ وغیرہ ہوں گی۔"

"میری شادی ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔ "اس دنیا میں نہ میرے والدین ہیں نہ بھائی بہن .... آپ گھبرائیں نہیں۔ بالکل پریشان نہ ہوں .... پڑوس میں عورتیں رہتی ہیں۔ میں ان سے بات کر کے آتا ہوں۔"

"نہیں .... نہیں.........." وہ یکلخت ہذیانی لہجے میں بولی۔ "میں پڑوس وغیرہ میں نہیں جاؤں گی۔"

میں نے چونک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ کس لئے جانا نہیں چاہتی ہیں؟"

"اس لئے کہ میری یہ حالت دیکھ کر عورتیں کیا سوچیں گی؟ کیا خیال کریں گی؟ وہ ہم دونوں پر شک کریں گی۔"

"میں انہیں صاف صاف بتا دوں گا کہ آپ کی یہ حالت بدمعاشوں نے کی ہے۔" میں نے کہا۔

"پلیز! مجھے یہیں رہنے دیں .... میں صبح ہوتے ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

اس نے میری منت کی۔

"لیکن آپ یہ سوچ لیں کہ میں ایک جوان مرد ذات ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی طوفان آ جائے؟"

"مجھے آپ بہت نیک اور شریف آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ آپ پر میں بھروسا کر سکتی ہوں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔

"تنہائی میں ایک مرد اور ناگ کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے۔ آپ پر آنچ آ جائے تو مجھے دوش نہ دینا۔"

"مجھے آپ سے ایسی امید نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ پھر اس نے موضوع بدلا۔ "کیا مجھے کپڑے مل سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں .... لیکن میرے پاس مردانہ کپڑے ہیں۔ میں شلوار قمیض دے دوں؟" میں نے پوچھا۔

"جو بھی ہیں وہ دے دیں .... لیکن آپ دراز قد ہیں۔ میرے لئے کپڑے بہت بڑے ہوں گے۔ مگر مجبوری ہے۔"

میں نے اسے اپنی الماری میں سے اپنا ایک دھلا ہوا جوڑا نکال کر دیا۔ وہ اسے لے کر میرے بیڈروم کے ملحقہ غسل خانے میں چلی گئی۔ جتنی دیر میں وہ کپڑے بدل کر آئی میں اتنی دیر میں اس کے اور اپنے لئے چائے بنا کر لے آیا۔

جب میں نے اسے اپنے لباس میں دیکھا تو ہنسی سی آ گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ میرا لباس اس کے لئے خاصا بڑا تھا لیکن اس لباس میں اس کا حسن اور نکھر گیا تھا۔ اب اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ اس کا ڈر اور خوف دور ہو چکا تھا۔

وہ چائے دیکھ کر بولی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ .... آپ نے بڑی زحمت کی۔"

"اس میں زحمت کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میں نہ صرف چائے بلکہ کھانا بھی پکایا کرتا ہوں۔ میں بہت اچھی چائے بناتا ہوں۔ میرے دوست میرے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ آپ پی کر بتائیں۔ میں نے چائے کیسی بنائی ہے؟"

اس نے پیالی اٹھا کر چائے سپ کی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "واقعی چائے بہت اچھی ہے، بڑی شاندار ہے۔"

"اچھا اب آپ بتائیں کہ آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا.......... یہ بدمعاش کون تھے؟" میں نے کہا۔

"میری ایک سہیلی کی مہندی کی تقریب تھی۔" وہ کہنے لگی۔ "میں اپنی تین سہیلیوں کے ساتھ شرکت کے لئے گاڑی میں جا رہی تھی۔ میری سہیلی نغمانہ کی گاڑی تھی۔ اسے نغمانہ ہی چلا رہی تھی۔ میں اگلی نشست پر بیٹھی تھی۔ پچھلی نشست پر ایک سہیلی نبیلہ براجمان تھی۔ ہم تینوں بیوٹی پارلر سے سج دھج کر نکلی تھیں۔ ہم تینوں بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے تھیں۔ جس نے ہمیں بہت نمایاں کر دیا تھا۔ ہم زیورات سے بھی لدی پھندی ہوئی تھیں۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

نغمانہ نے گاڑی ایک کولڈ ڈرنک اسپاٹ پر روک لی تاکہ آئس کریم سے شغل کیا جا سکے۔ جس وقت ہم آئس کریم کھا رہی تھیں ایک گاڑی آ کر رکی۔ اس میں چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ چہرے مہرے اور وضع قطع سے بدمعاش لگ رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے اور ان کی آنکھیں ذلیل منصوبہ بندی کرتی دکھائی دیں۔ ان میں سے ایک بدمعاش موبائل فون پر پُراسرار انداز سے باتیں کرنے لگا۔ ہمارا ماتھا ٹھنکا۔ ہم سمجھ گئیں کہ ان کے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ ہم نے جلدی سے آئس کریم ختم کی۔ پیسے دیئے اور سہیلی کی مہندی کی تقریب میں شرکت کے لئے روانہ ہو گئیں۔

یہ دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی کہ ان بدمعاشوں کی گاڑی ہمارے تعاقب میں نہیں آ رہی ہے۔ ہماری گاڑی گلشن اقبال کی ایک ویران سڑک سے گزر رہی تھی۔ اسٹریٹ لائٹ بھی نہیں تھی۔ بغلی گلی سے دو گاڑیاں تیزی سے آئیں اور ہمارا راستہ روک لیا۔ نغمانہ کو مجبوراً گاڑی روکنا پڑی۔ دونوں گاڑیوں میں سے چار بدمعاش اتر کر ہماری گاڑی کے پاس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور اور بھی خوفناک قسم کے چاقو تھے۔ ان میں سے ایک بدمعاش نے جو ان کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"تم تینوں جلدی سے زیورات نکال کر ہمیں دے دو.......... جلدی کرو۔ نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہئے۔"

ہم تینوں نے اس خیال سے زیورات اتار کر فوراً دے دیئے کہ جان چھوٹ جائے گی اور عزت محفوظ ہو جائے گی۔ بدمعاشوں نے زیورات لے کر رکھ لئے۔ پھر ایک بدمعاش نے ریوالور کی زد میں لیتے ہوئے گاڑی سے اترنے کا حکم دیا۔ ان کی بات ماننے کے سوا چارہ

نہیں تھا۔ ہم تینوں نیچے اتر آئیں۔ ایک بدمعاش نے مجھے فوراً ہی دبوچ لیا اور گود میں اٹھا کر ایک گاڑی کی طرف بڑھا اور اس نے میری کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھ دی اور سفاکی سے کہا۔ "شور مچاؤ گی تو شوٹ کر دوں گا۔"

ان دونوں کو بھی دو بدمعاشوں نے دبوچ کر گاڑی میں ڈال لیا۔ دوسری گاڑی میں دو بدمعاش مجھے پچھلی نشست میں لے کر بیٹھ گئے۔ مجھے درمیان میں بٹھا لیا۔ میرے منہ پر کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال رکھ دیا۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ جب میں ہوش میں آئی تو میں ایک بڑے کمرے میں تھی۔ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ تین بدمعاش صوفوں پر بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے اور کسی بات پر ہنس رہے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ جیسے ہی مجھے ہوش میں آتے دیکھا اٹھ کر میرے پاس آ گئے۔

ایک بدمعاش نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر مجھے قریب کر لیا۔ وہ میرے چہرے پر جھکا تو میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ تھپڑ کھا کر مشتعل ہو جائے گا۔ وہ مشتعل ہونے کے بجائے خوش ہو گیا۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "میری جان! جتنے تھپڑ مارنا چاہتی ہو جی بھر کے مار لو.......... بعد میں نہیں کہنا کہ میری حسرت پوری نہیں ہوئی۔"

دوسرے بدمعاش نے مجھے اپنی آغوش میں لیا تو میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اسے بھی غصہ نہیں آیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے استہزائی لہجے میں کہا۔ "یارو! مزہ آ گیا.......... ہمیں ایسی ہی فتنہ خیز لڑکی چاہئے تھی نا..........؟"

"کیا پٹاخہ ہے.........." تیسرے بدمعاش نے کہا۔ "رونے دھونے اور ہر بات مان لینے والی لڑکی ہمیں اچھی نہیں لگتی.......... غصے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ دیکھو.......... ہماری جان! غصے میں کتنی پیاری لگ رہی ہے؟"

"آؤ میری جان!" تیسرے بدمعاش نے مجھے گود میں اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔

میں تڑپ کر بستر سے نکل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر میں نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "خبردار! جو مجھے کسی نے ہاتھ لگایا۔"

"حیرت کی بات ہے۔ ہم تم سے پیار و محبت سے پیش آ رہے ہیں اور تم ناراض ہو رہی ہو؟" پہلے بدمعاش نے کہا۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے تمہارے پیار و محبت کی۔ مجھے یہاں سے جانے دو۔"

میں تنک کر بولی۔

"بھئی .... ہم اپنے مہمان کو اتنی جلدی جانے نہیں دیتے ہیں۔ اب آئی ہو تو سویرے ہی چلے جانا.........."

"میں تمہاری مہمان نہیں ہوں۔" میں چیخ کر بولی۔ "میں اب یہاں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رک سکتی۔"

"اب تم ہماری مرضی' خوشی اور اجازت سے جاؤ گی۔" دوسرے بدمعاش نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کو شرم نہیں آتی؟" میرا پارہ چڑھ گیا۔ "ایک عورت کو بے ہوش کر کے لے آئے ہو۔ گن پوائنٹ پر میرے اور میری سہیلیوں کے زیورات لوٹ لئے .... اب تم لوگوں کو اور کیا چاہئے؟"

"بے شرموں کو کبھی شرم نہیں آتی ہے .... اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ ہم تمہیں بے ہوش کر کے اس لئے لائے کہ تم ایک نیند لے لو تاکہ ساری رات جاگ سکو۔ تمہیں نیند نہ آ جائے .... ابھی ہم نے صرف زیورات لوٹے ہیں۔ اب تمہیں لوٹنا رہ گیا ہے .... اصل زیور تو میری جان تم ہو........." تیسرے بدمعاش نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اگر تم لوگوں نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میں تم لوگوں کی آنکھیں پھوڑ دوں گی۔" میں نے نفرت اور غصے سے کہا۔

"یار! ہری مرچ بڑی چٹک رہی ہے .... نیک کام میں کس لئے دیر ہو رہی ہے۔" پہلے بدمعاش نے کہا۔

وہ تینوں شراب کے نشے میں دھت تھے۔ انہوں نے مجھے گیند بنایا اور ایک دوسرے کی طرف اچھالنے لگے۔ مجھ سے دست درازی کی......... پھر من مانی بھی کی......... پھر ان تینوں نے مل کر میرا لباس تار تار کر دیا۔ کیونکہ میں نے ان کی نامناسب باتیں ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ میں نے ان سے کہا۔ "میں تم لوگوں کی ہر بات ایک شرط پر مان سکتی ہوں۔"

"کیسی شرط ہے میری جان!" تینوں نے کورس کے انداز میں کہا۔ "ہم تمہاری دس شرطیں ماننے کے لئے تیار ہیں۔"

"تم تینوں اس دیوار کے پاس ایک قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔" میں بولی۔ "میں پہلے جسے بلاؤں وہ آئے گا۔"

"منظور .... منظور........." پہلے بدمعاش نے کہا۔ "یہ تمہاری شرط منظور ہے۔ یہ ہوئی نا بات۔"

وہ تینوں دیوار کے پاس ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ میرے ذہن میں فرار کی ایک تدبیر آ گئی تھی۔ میرا لباس تار تار تھا۔ ایسی حالت میں میرا یہاں سے نکل کر فرار ہونا معیوب سا تھا۔ وہ تینوں مجھے بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھور رہے تھے۔ میں نے چشم زدن میں بستر کی چادر کھینچ لی اور دروازے کی طرف بجلی کا کوند بن کر لپکی۔ کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کیا اور اس کی کنڈی لگا دی۔ پھر چادر سے بدن کو ڈھانک کر نکلی۔ میں تیزی سے دوڑنے لگی۔ ادھر آ نکلی۔ آپ کے گھر کے دروازے پر آپ کے نام کی تختی دیکھی۔ اس پر کرائم رپورٹر لکھا دیکھا تو دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ ہے میری کہانی۔"

"آپ نے واقعی بڑی جرأت' بہادری اور حوصلے سے کام لیا۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "آپ کی ذہانت کام آ گئی۔ ورنہ یہ بدمعاش آپ کو بخشتے نہیں .... آپ کہیں تو میں آپ کو اسی وقت اسکوٹر پر آپ کے گھر لے جا کر چھوڑ دوں۔"

"نہیں۔" وہ گھبرا سی گئی۔ "وہ بدمعاش مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ میں صبح چلی جاؤں گی۔"

"میرے پاس موبائل فون ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو بتا دیں کہ آپ خیریت سے ہیں۔ گھر والے آ سکتے ہیں تو انہیں بلا لیں۔"

"میرے ہاں ٹیلی فون نہیں ہے۔" وہ بولی۔ "میں اپنے گھر والوں کو اس واقعے کے بارے میں بتانا نہیں چاہتی۔"

"آپ کے گھر نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ لوگ پریشان تو نہیں ہو رہے ہوں گے؟" میں نے کہا۔

"میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ دوسرے دن سویرے آؤں گی۔ کیونکہ مہندی کی تقریبات دو تین بجے تک ہوتی رہتی ہیں۔"

"آپ کی جیسی مرضی۔" میں نے شانے اچکائے۔ "میرا خیال ہے کہ اب آپ آرام کریں۔ میرے بیڈ روم میں دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا کر سو جائیں۔ آپ

اطمینان رکھیں، کوئی بدمعاش نہیں آئے گا۔"

"دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی کس لئے لگالوں؟" اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اس لئے کہ کہیں کوئی زبردست طوفان نہ آ جائے اور کشتی کو بادبان سمیت بہا کر لے جائے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ کیسے آدمی ہیں.......... میں جانتی ہوں کہ آپ میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ اگر آپ غلط آدمی ہوتے تو اب تک میں زیادتی کا نشانہ بن چکی ہوتی۔ میرے پاس کچھ نہ ہوتا۔"

"بعض اوقات سارے اندازے غلط ہو جاتے ہیں۔" میں نے تکرار کی۔ "آپ یہ کیوں نہیں سوچتی ہیں کہ میں ایک غیر اور اجنبی ہوں" نوجوان ہوں، فرشتہ نہیں.......... اور پھر آپ اس قدر حسین، پرکشش اور پرشباب ہیں کہ.........."

اس نے تیزی سے درمیان میں کہا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔ آپ نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا؟ اپنا تعارف نہیں کرایا؟"

"دروازے پر میرے نام کی جو تختی نصب ہے وہ میرا تعارف ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے کہ کرائم رپورٹر۔"

"اوہ۔" وہ خجل سی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر سرخی پھیلی تو وہ اور حسین دکھائی دینے لگی۔ "میرا نام گلنار ہے۔"

"آپ کا نام بھی آپ ہی کی طرح خوبصورت ہے۔" میں نے کہا۔ "اچھا اب آپ جا کر سو جائیں۔ صبح ملاقات ہوگی۔ شب بخیر۔"

"شب بخیر۔" اس نے رسیلی آواز میں کہا۔ پھر وہ مستانہ خرامی سے چلتی ہوئی بیڈروم میں داخل ہو گئی۔

اس نے بیڈ روم کی بتی گل نہیں کی۔ میں نے چند لمحوں کے بعد کمرے کے باہر کھڑے ہو کر کہا۔ "آپ روشنی گل کر کے سو جائیں۔"

"مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "اندھیرے میں نیند ہی نہیں آتی ہے۔"

"یہ روشنی بہت تیز ہے۔ بیڈ لیمپ جلالیں۔ اس کی روشنی بہت ہلکی ہے۔" میں

نے کہا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں .... مجھے اس تیز روشنی میں نیند آ جائے گی۔ شکریہ!" وہ مترنم لہجے میں بولی۔

میں نے نشست گاہ کی بتی گل کر دی۔ میں صوفے پر لیٹ گیا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میری زندگی میں ہی نہیں بلکہ میرے گھر میں کسی عورت نے پہلی بار قدم رکھا تھا۔ ایک اتفاق اور ڈرامائی لمحے کے باعث وہ میرے گھر میں پناہ لینے آئی تھی۔ اس کے آنے سے گھر رات کی رانی کی خوشبو کی طرح مہک اٹھا تھا۔ ایک عجیب اور سوندھی سوندھی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

نہ جانے کیا بات تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہ جذبات کی افراتفری میں دوغلی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دل کدھر جا رہا ہے۔ دماغ کدھر جا رہا ہے۔ میرے خیالات منتشر ہونے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں آپے سے باہر ہو رہا ہوں۔ میرے سارے بدن میں خون تیزی سے گردش کر رہا تھا۔

میں اس وقت جیسے ایک سخت آزمائش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں غیرارادی طور پر بے آواز صوفے سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر میں بیڈروم کی طرف بڑھا۔ وہ بستر پر دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سانسوں کے زیر و بم سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو چکی ہے۔ میں نے چوروں کی طرح کمرے کا جائزہ لیا۔

میں نے اسے جس عالم میں دیکھا تھا وہ میرے تصور میں لہرانے لگا تھا۔ اگر میں اسے پھٹے لباس میں نہ دیکھتا تو شاید میرے جذبات کی دوغلی کیفیت نہ ہوتی۔ اس وقت میرے جذبات تنکے کی طرح اڑے جا رہے تھے۔ پھر میں چوروں کی طرح بیڈروم کی طرف بڑھا۔ وہ بستر پر بے ترتیبی سے آڑھی ترچھی اور مڑی پڑی تھی۔ اس کا سراپا جیسے کہہ رہا تھا۔ میں اس قدر حسین اور دلکشی کا نمونہ ہوں کہ شاید ہی کوئی عورت ہو۔ جو بھی مجھے دیکھتا ہے' دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ تم فطری تقاضوں سے انکار کر رہے ہو؟ اپنے آپ سے لڑ رہے ہو۔ اپنے دل کو سمجھا رہے ہو کہ میں خوبصورت نہیں ہوں۔ جوان اور پرشباب نہیں ہوں۔ تم سورج کی تپش محسوس کرتے ہو کہ وہ جل رہا ہے۔ تم اس کی تپش اس لئے محسوس کرتے ہو کہ اس کی گرمی تم تک پہنچتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے بدن کی

آنچ تم تک نہ پہنچے۔ تم فطرت کے خلاف باتیں کر رہے ہو۔

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ رات ہے .... تنہائی ہے .... میرے گھر میں ایک حسین نوجوان لڑکی موجود ہے۔ کوئی روکنے والا نہیں، کوئی ٹوکنے والا نہیں .... راستہ سیدھا اور صاف تھا، اور پھر میں اس قدر خوبصورت ہوں کہ لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں مجھے دیکھتی ہیں تو ان کے دل دھک سے رہ جاتے ہیں۔ ان کے سینوں میں سرد آہوں کا غبار بھر جاتا ہے۔ پھر میں نے اپنے چوڑے چکلے سینے، فولادی بازوؤں اور اپنے دراز قد پر ایک نظر ڈالی۔

پھر نہ جانے مجھے کیا خیال آیا۔ کیا احساس ہوا میں صوفے پر آ کر لیٹ گیا۔ میرے دل و دماغ میں ایک ذہنی کشمکش سی ہونے لگی۔ میں ایک عجیب سے دوراہے پر آ کھڑا ہوا۔ معلوم نہیں اس کشمکش میں کتنا وقت بیت گیا۔ پھر میں نے دفعتاً گلنار کی ایک ہلکی سی چیخ سنی۔ پھر وہ دبی ہوئی آواز میں پکارنے لگی۔ "سکندر صاحب .... سکندر صاحب .... جلدی سے آیئے۔"

میں لپک کر کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ بستر سے نکل کر ایک طرف کھڑی ہوئی ہے۔ خوف و دہشت سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا ہے۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "سکندر صاحب! میں نے چند لمحے پہلے بدمعاشوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں .... وہ آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ میں نے ایک بدمعاش کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ لونڈیا شاید اسی محلے کے کسی مکان میں کہیں چھپی ہوئی ہے۔""

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس کے قریب جا کر کہا۔ "خاموش رہو۔"

پھر وقتاً فوقتاً گولیوں کی تڑتڑاہٹ سی گونج اٹھی۔ بہت دور چوراہے پر فائرنگ ہوئی تھی لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ اس گلی میں ہو رہی ہے۔ اکثر راتوں کو وہاں فائرنگ ہوتی تھی۔ کیونکہ وہاں پولیس کی موبائل کھڑی ہوتی تھی۔ وہ کسی مشکوک گاڑی کو روکنے کا اشارہ کرتے تھے۔ گاڑی نہ رکنے کی صورت میں وہ فائرنگ کرتے تھے۔

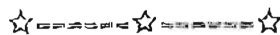
گلنار دہشت زدہ ہو کر میرے سینے سے آ لگی۔ خوف و دہشت سے کانپنے لگی۔ صبح گیارہ بجے میں اس کے لئے سوٹ لینے کے لئے بازار چلا گیا۔ ایک دکان سے شلوار قمیض کا سوٹ دوپٹہ اور زیر جامہ لے کر واپس آیا۔ اس نے رخصت ہونے سے قبل مجھ سے ۲

روپے کا نوٹ ٹیکسی کرائے کے لئے لیا۔ اس نے لفٹ لینے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اس کے گھر والے شک نہ کریں۔ پھر اس نے میرا موبائل فون نمبر لیا اور چلی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا نکھار آ گیا تھا۔

یہ میری زندگی کی یادگار اور ناقابلِ فراموش رات تھی۔ میں اس رات کے ایک ایک لمحے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا .... کیونکہ وہ بہت حسین تھا۔

میں دو دنوں تک اسے یاد کرتا رہا۔ تصور میں اسے دیکھتا رہا۔ اس رات کا نشہ کسی پرانی شراب کے نشے کے مانند میرے دل و دماغ پر چھایا رہا۔ مجھے اس کے سوا کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔ وہ مجھ پر جیسے جادو کر کے چلی گئی تھی۔ رات میں سونے کے لئے بستر پر دراز ہوتا تو نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور چلی جاتی تھی۔ میں دہکتے جذبات کے انگاروں پر لوٹتا رہا۔ وہ اپنے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک بستر میں چھوڑ گئی تھی جو مجھے بہت تڑپا دیتی تھی۔ میرے روئیں روئیں میں چنگاریاں بھڑک اٹھتی تھیں۔

میں نے سوچا کہ عورت بھی کیا شے ہے، میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں ایک رات کے لئے کوئی لڑکی لیتا آؤں۔ میرے علم میں تھا کہ شہر میں کہاں کہاں فحاشی کے اڈے ہیں۔ میں ان دلالوں کو جانتا تھا جو ان اڈوں سے متعلق تھے۔ ان اڈوں پر ہر طبقے اور ہر عمر کی اور ہر طرح کی عورتیں مل جاتی تھیں۔ ان میں غیر شادی شدہ اور شادی شدہ بھی ہوتی تھیں۔ کوئی معاشی اور مالی مجبوری کے لئے اس گھناؤنے راستے پر چل رہی تھی لیکن ان میں ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ وہ کنواری لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں جن میں خواب ناک راستوں کا زہر سرایت کر چکا تھا وہ اندھا دھند ان راستوں پر چلی جا رہی تھیں۔ بھڑکیلے ملبوسات، کے ایف سی اور میکڈونلڈ میں شامیں گزارنے کے لئے .... اپنے آپ کو دکھاوے اور اپنی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے .... طالبات بھی ہوتی تھیں۔ بعض اوقات اخبارات میں ایسی عورتوں کی خبریں اور تصویریں بھی چھپتی تھیں۔ جب پولیس قحبہ خانوں پر چھاپہ مارتی تھی۔ پولیس کو جب اضافی بھتہ نہیں ملتا تھا تو یہ کارروائی ہوتی تھی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ عموماً یہ لڑکیاں اور عورتیں متوسط اور اچھے گھرانوں سے بھی تعلق رکھتی تھیں۔



کوئی تیسرے دن ناشتہ کرنے کے بعد میں باہر نکلنے کے لئے جوتے پہن رہا تھا کہ

دروازے پر دستک ہوئی۔ میں خوشی سے اچھل پڑا کہ گلنار آئی ہو گی۔ دروازہ کھولا تو میں نے ایک اجنبی شخص کو دیکھا۔ وہ چھ فٹ کا ہو گا۔ اس نے بڑے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کی مونچھیں گھنی اور لمبی تھیں۔ کلین شیو تھا۔ اس کے جوتے بھی بڑے قیمتی لگ رہے تھے۔

اس نے بڑی شائستگی سے کہا۔ "مسٹر سکندر! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے آپ کو پہچانا نہیں .... میں آپ کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"میں اندر آ کر اپنا تعارف کراؤں گا .... آپ کو مجھ سے مل کر یقیناً بہت خوشی محسوس ہو گی۔"

میں نے اس کے لب و لہجے میں ہلکا سا طنز محسوس کیا۔ یہ شاید میری سمجھ کا پھیر تھا۔ میں نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ پھر اسے نشست گاہ میں لا بٹھایا۔

اس نے میرے گھر کا سرسری سا جائزہ لیا۔ "میرا نام عجب خان ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے لئے ایک سرپرائز لایا ہوں۔"

"آپ کا نام اور آپ کی آمد بھی میرے لئے عجیب ہے۔ کیا سرپرائز ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ "یہ آپ کے لئے سرپرائز ہے۔"

میں نے قدرے حیرت سے اس کے ہاتھ سے لفافہ لیا۔ اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں کل چار عدد پوسٹ کارڈ سائز کی رنگین تصویریں تھیں۔ پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی میں اتنے زور سے اچھلا جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ ایک لمحہ کے لئے میری آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی۔ یہ تصویریں نامناسب اور نشاط انگیز لمحات کی تھیں۔ اس رات کو عکس بند کر لیا گیا تھا جب میں اور گلنار غلاظت کی دلدل میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم دونوں کے چہرے صاف واضح اور پہچانے جا رہے تھے۔ یہ تصویریں کلوز اپ میں لی ہوئی تھیں۔

ایک پل میں بہت ساری باتیں میری سمجھ میں آ گئیں۔ تاہم میں نے خود پر قابو پایا۔ یہ تصویریں میرے بیڈ روم کی کھڑکی سے اتاری گئی تھیں۔ یوں کہ ہم دونوں دنیا و مافیہا سے بے نیاز تھے اس لئے کچھ خبر نہ ہو سکی تھی۔

"تصویریں بہت اچھی ہیں۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "جس نے بھی اتاری ہیں وہ ماہر فوٹو گرافر معلوم ہوتا ہے۔ کیا آپ نے یہ تصویریں اتاری ہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔

وہ میری بات سن کر بڑے زور سے چونکا۔ پھر اس نے کہا۔ "اس تعریف کا بہت بہت شکریہ۔ یہ تصویریں خاکسار نے ہی اتاری ہیں۔"

"تب تو آپ سے مل کر مجھے اور بھی خوشی ہوئی۔" میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس سے مصافحہ کیا۔ "بائی دا وے .... آپ نے یہ زحمت کیوں اور کس لئے کی؟ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"جس طرح خون کے بدلے خون .... اسی طرح نیگیٹوز کے بدلے نیگیٹوز ...." اس نے کہا۔

"کون سے نیگیٹوز؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ میں اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ انجان سا بن گیا۔

"وہی نیگیٹوز جو آپ کو داؤد سلیمان کے کمرے سے ملے تھے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو کیا آپ کو اس کے لئے شالو کے باس نے بھیجا ہے؟" میں زیر لب مسکرایا۔

"جس نے بھی بھیجا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "آپ کو پیڑ گننے سے نہیں بلکہ آم کھانے سے مطلب ہونا چاہئے۔"

"یہ کارنامہ اس لئے انجام دیا گیا ہے کہ مجھے بلیک میل کیا جا سکے .... کیوں بزرگوارم؟" میں نے شوخی سے کہا۔

"آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "مجھے ہر قیمت پر ان نیگیٹوز کی ضرورت ہے ورنہ ...."

"میرے پاس نیگیٹوز نہیں ہیں یہ میں آپ کے اور شالو کے باس سے عرض کر چکا ہوں۔" میں نے کہا۔ "آخر آپ لوگوں نے ناحق اتنی محنت کی۔ یہ سین پکچرائز کیا گیا .... اس کے لئے پاپڑ بیلے .... میرے پاس وہم کا علاج نہیں ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ غیر متعلقہ نیگیٹوز میرے کس کام کے .... وہ اچار ڈالنے کے قابل بھی نہیں ہوتے اگر مجھے مل جاتے ...."

"آپ سیدھی طرح وہ نیگیٹوز مجھے دے رہے ہیں یا نہیں؟" اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا۔

"مجھے دھمکی دینے اور مرعوب کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا۔ "آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ میں طائی کراٹے سینٹر میں تین برس تک جوڈو کراٹے سیکھتا رہا ہوں۔ نہ صرف کراچی بلکہ پورے پاکستان میں بہترین جوڈو کراٹے ماسٹر کا مقابلہ بھی جیت چکا ہوں۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ نے نیگیٹوز نہیں دیئے تو پھر میں ان کے پرنٹ بنوا کر پریس کلب میں بانٹ دوں گا۔"

"وری گڈ........" میں نے شوخی سے کہا۔ "آپ میری پبلسٹی پر کتنی رقم خرچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"آپ میری بات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ تصویریں ایسی نہیں کہ اسے کوئی اخبار چھاپنے کی جرأت کر سکے۔ امریکہ اور یورپ اور غیر ممالک میں اس سطح کے رسالے موجود ہیں .... آپ کو اتنی رقم نہیں ملے گی جتنی آپ خرچ کریں گے۔ اپنے باس کو سمجھائیں کہ میری پبلسٹی پر وہ فضول خرچی نہ کرے۔ وہ رقم مجھے دے دیں تاکہ میں کچھ جوڑے بنوا لوں۔ اس کا انہیں اجر بھی مل جائے گا۔"

"میں آپ کو تین دنا کی مہلت دے رہا ہوں۔ چوتھے دن اسی وقت نیگیٹوز لینے کے لئے آؤں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ جواب کا انتظار کئے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ پھر میں نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ پھر میں نے ایک ایک کر کے چاروں تصویریں غور سے دیکھیں۔ یہ کسی بلیو فلم کی تصویریں لگ رہی تھیں۔ گلنار کے چہرے پر میں نے والہانہ پن اور سرشاری دیکھی۔ اس کی آنکھوں میں خود سپردگی بھری تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اپنے آپ کو کھو دینے اور لٹ جانے پر اسے کوئی ملال اور پچھتاوا نہیں ہے۔ وہ صبح بھی اس طرح خوش تھی جیسے اس کی شادی ہوئی اور اس نے سہاگ رات منائی ہو .... یہ چاروں تصویریں بے حد خطرناک تھیں اور ہم دونوں

حدود آرڈیننس کے تحت اندر ہو سکتے تھے۔ کوڑے بھی لگ سکتے تھے۔ کوڑوں کے خیال اور تصور سے میرے جسم پر جھرجھری سی آ گئی۔

میرے دل کے کسی کونے میں شک و شبہات سر اٹھانے لگے۔ سارا ڈرامہ میری سمجھ میں آ گیا۔ اس مافیا نے ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔ اس لڑکی گلنار کا میرے ہاں پناہ لینے جس حالت میں آنا وہ اس بات کی دلیل تھا کہ میرے جذبات کو بھڑکایا جائے تاکہ میں غلاظت کی دلدل میں گر جاؤں۔ اس نے دانستہ اپنے ہاتھ سے چادر چھوڑی اور فرش پر گر گئی تھی تاکہ میں اس کے بدن کو عریاں حالت میں دیکھ لوں۔ اس نے مجھے جو کہانی سنائی تھی وہ من گھڑت تھی۔ اس نے کمرے کی روشنی اس لئے گل نہیں کی تھی کہ تصویریں اتارنے میں دشواری نہ ہو۔ تصویریں بہت صاف، واضح اور کلوز اپ میں آ جائیں۔ اس نے کھڑکی کا پٹ کھول کر پردہ کھینچ دیا تھا تاکہ تصویریں آسانی سے اتاری جا سکیں۔ اس نے ایسا والہانہ پن، وارفتگی اور خود سپردگی اور گرم جوشی دکھائی تھی کہ میں اس طرف متوجہ نہ ہو سکوں۔

ایک خیال آتے ہی میں نے اس کا وہ لباس اٹھا کر دیکھا جو بقول اس کے بدمعاشوں نے تار تار کیا تھا۔ میں نے وہ لباس الماری میں سے نکال کر دیکھا۔ اسے پھاڑا نہیں گیا تھا بلکہ قینچی سے کاٹا ہوا تھا۔ ہاتھوں سے تار تار کیا جانے والا لباس ایسا نہیں ہوتا ہے۔

بہت سوچ بچار اور تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ گلنار ایک آبرو باختہ لڑکی تھی۔ اس کا تعلق کسی نہ کسی قحبہ خانے سے ہے۔ اس نے مجھے جس طرح سے لبھایا، خوش کیا، سرفراز کیا وہ ایک کال گرل ہی کر سکتی تھی۔ ایک گھریلو لڑکی چاہے وہ کتنی ہی ماڈرن، آزاد خیال اور بے باک کیوں نہ ہو وہ اس قدر حد سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ وہ ایک جوان لڑکی تھی۔ عورت کے تقدس پر ایک بدنما داغ تھی۔ وہ ایک بدترین فاحشہ تھی۔

شام کے وقت میں نے دو ایک دلالوں سے رابطہ کیا تاکہ گلنار سے رابطہ ہو سکے۔ ان دلالوں کے پاس قحبہ خانوں کی لڑکیوں کی تصویریں بھی ہوتی تھیں۔ وہ ان لڑکیوں کی البم جیب میں رکھے پھرتے تھے۔ گاہکوں کو پھانسنے کے لئے انہوں نے البم بنا رکھی تھی۔ میں نے ان دلالوں کی البم دیکھیں۔ ان میں گلنار کی ایک تصویر بھی نہ تھی۔ نہ ہی وہ اس سے واقف تھے۔ جب کہ میں نے انہیں گلنار کا حلیہ بھی واضح طور پر بتایا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ

شاید وہ لاہور کی ہو گی یا نئی نئی ہو گی۔ کسی پرائیویٹ گھر کی ہو سکتی ہے۔ ایسے گھر والے تصویر البم میں لگانے نہیں دیتے ہیں۔

پھر مجھے رامو کا خیال آیا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو تقریباً ہر کال گرل اور پیشہ ور عورتوں سے واقف تھا۔ ڈیفنس سوسائٹی کے ایک ریسٹورنٹ کے باہر وہ ایک ٹپ ٹاپ شخص کے روپ میں موجود تھا۔ بڑا مہذب' شائستہ اور باوقار لگ رہا تھا۔ وہ میری بڑی عزت کرتا تھا۔ کیونکہ میں نے اسے ایک کیس میں حوالات سے رہائی دلائی تھی۔

ہم دونوں اس ریسٹورنٹ کے ایک گوشے میں جا بیٹھے۔ اس نے میرے سامنے ایک البم رکھی۔ "یہ ان لڑکیوں اور عورتوں کی تصویریں ہیں جو پیشہ ور نہیں ہیں لیکن ایسے لڑکوں سے دل بہلاتی ہیں جو عمر سے پچیس برس کے ہوں۔ خوبصورت' صحتمند اور توانا ہوں۔ یہ عورتیں اعلیٰ گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن کے شوہر بیمار رہتے ہیں یا غیر ممالک میں رہتے ہیں یا پھر وہ دوسری عورتوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ وہ انتقامی طور پر وقت گزاری کرتی ہیں اور کوئی لڑکا پسند آ جائے تو انہیں مال بھی دیتی ہیں۔

دوسری البم چودہ سے لے کر سولہ برس کی لڑکیوں کی تھی۔ اس عمر کی لڑکیاں وڈیروں' جاگیرداروں اور عیاش بوڑھوں کی پسندیدہ ہوتی ہیں۔ کنواری ہوتی تھیں۔ ان کی بڑی مانگ تھی۔ یہ ساری لڑکیاں بہت حسین اور بے پناہ پرکشش تھیں۔

پھر اس نے تیسری البم رکھی۔ یہ ساری کی ساری کال گرلز تھیں۔ یہ کسی قحبہ خانے میں نہیں بیٹھتی تھیں اور نہ ہی ان کی کوئی نائکہ وغیرہ تھی۔ یہ صرف خود یا دلال سے رابطہ کرتیں اور مردوں کو پھانستی تھیں۔ ان کا حلقہ بہت اونچا تھا۔ ہر کوئی ان کی فیس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس البم میں گلنار کی تین تصویریں تھیں۔ یہ تصویریں نیم عریاں تھیں۔ اس کے پوز بڑے لاجواب اور قیامت ڈھانے والے تھے۔ رامو نے مجھے اس کا موبائل فون نمبر' گھر کا پتہ اور اس کے ملنے کے اوقات کے بارے میں بھی بتایا۔ رامو کو میں نے اس کا کمیشن دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کا اصل نام گلنار نہیں رانی ہے۔

میں نے گھر سے موبائل فون پر اس سے رابطہ کیا۔ میں نے اسے ارشاد خان کے نام سے لب و لہجہ بدل کر بات کی۔ اس نے کہا کہ وہ ایک رات وقت گزاری کے دس ہزار روپے لیتی ہے۔ مول تول کرنے سے سات ہزار روپے میں تیار ہو گئی۔ پھر اس نے مجھے

اپنے گھر کا پتا دیا۔ رات دس بجے کا وقت دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شراب کے چارجز الگ ہوں گے۔

میں رات کے نو بج کر پچپن منٹ پر اس کے لگژری اپارٹمنٹ پر پہنچا جو کلفٹن میں واقع تھا۔ اطلاعی گھنٹی بجائی تو ایک عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا۔ وہ چہرے سے بڑی حرافہ اور شاطر قسم کی لگ رہی تھی۔ "آپ کا نام؟" اس نے پوچھا۔

حالانکہ سیکورٹی گارڈ نے انٹرکام پر میرا نام بتا کر مجھے جانے دیا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ نشست گاہ سے لے کر ایک بیڈروم میں پہنچی۔ اس کی سجاوٹ' نرم و گداز بستر' لمبا چوڑا پلنگ اور دیواروں اور چھت پر آئینے لگے دیکھ کر میں حیران ہو گیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ "بے بی نہا رہی ہے .... آپ تشریف رکھیں۔ آپ کیا پینا پسند فرمائیں گے .... بیئر' وسکی' کوک یا کوئی شربت' چائے اور کافی بھی مل سکتی ہے۔"

"تم کافی لے آؤ۔" میں نے جواب دیا۔ "کریم کافی ہو تو اچھا ہے۔"

"رات شراب کا دور چلانا ہے تو اس کے آپ کو دو ہزار روپے چارجز دینا ہوں گے۔" اس حرافہ نے کہا۔ "یہ الگ ہیں۔ وہ اس میں شامل نہیں ہیں یعنی بے بی کی فیس میں شامل نہیں ہیں۔"

"کیا بے بی .... اس کمرے کے ملحق غسل خانے میں نہا رہی ہیں؟" میں نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں .... وہ دوسرے بیڈروم کے غسل خانے میں نہا رہی ہیں۔" اس نے جواب دیا اور پوچھا۔ "کیا رات شراب شروع کی جائے۔"

"بے بی خود ایک شراب ہے .... نشہ ہے۔ اس کے آگے دنیا کی ہر شراب اور نشہ ہیچ ہے۔ لہٰذا شراب کی کیا ضرورت ہے؟"

"لیکن آپ نے اس سے پہلے کبھی یہاں پر قدم رنجہ نہیں فرمایا......... کیا آپ نے اسے اپنے گھر بلایا تھا؟"

"جی ہاں۔" میں نے سر ہلایا۔ "ایک روز وہ ساری رات کے لئے میرے ہاں آئی تھی' کیا چیز ہے بے بی بھی .... اس کی بے پناہ گرم جوشی' خودسپردگی' اس کی خوبصورتی اور دلکشی اور سراپا کی جاذبیت کھینچ لائی۔ آج تک میری زندگی میں ایسی متاثر کن عورت نہیں آئی۔ لاکھوں میں ایک ہے۔"

"بے بی بہت مصروف ہے کوئی رات ایسی نہیں ہے کہ اس کے قدردان نہ آتے ہوں۔ بعض اوقات اسے دن میں بھی فرصت نہیں ملتی ہے۔ میں نے اسے ایک خاص انداز سے تربیت دی ہوئی ہے۔"

دفعتاً نشست گاہ میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی وہ معذرت کر کے کمرے سے نکل گئی۔ جاتے جاتے دروازہ بھیڑ کر چلی گئی۔ اے سی آن تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا۔ بے بی ایک نئی شادابی سے طلوع ہوئی۔ اس نے ململ کا کرتہ اور سفید شلوار پہن رکھی تھی۔ ململ کا کرتہ کانچ کی صراحی کی طرح تھا۔ جس میں سے اس کا بدن شراب کی طرح چھلک رہا تھا۔

اس نے مجھے بڑے مؤدبانہ انداز سے سلام کیا۔ پھر دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگادی۔ میں جو بہروپ بھر کر گیا تھا اس میں وہ مجھے پہچان نہ سکی تھی۔ پھر وہ میرے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ "آپ کچھ خیال نہ کریں۔ میں پیشگی طور پر فیس وصول کرتی ہوں۔"

"آپ کو پیشگی ہی فیس دیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" میں نے آواز بدل کر کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ بٹھالیا۔

"کیا میں کسی شراب وغیرہ کا اہتمام کروں؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شراب کی کیا ضرورت ہے؟ شراب تو موجود ہے۔" میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرلیا۔

"کہاں ہے شراب؟" اس نے سرہانے رکھی ہوئی میز اور تپائی کی طرف دیکھا۔

"آپ جو ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔ چند لمحوں کے بعد اس سے کہا۔ "آپ بذات خود شراب ہیں۔ ان ہونٹوں میں، رخساروں میں .... اور........."

میرے بازوؤں میں اس کا بھرپور بدن کسمسایا اور وہ بولی۔ "پلیز! آپ پہلے سات ہزار روپے عنایت فرمادیں۔"

"میں سات ہزار کیا آپ کو سات روپے بھی نہیں دوں گا۔" میں نے اسے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کس لئے.........؟" اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "آپ نے سات ہزار روپے پر معاملہ طے کیا تھا۔"

"لیکن اب آپ کو نہ صرف سات ہزار روپے دینا ہوں گے بلکہ ساری رات میری لونڈی بن کر رہنا ہوگا۔"

"وہ کس لئے؟" وہ تنک کر بولی۔ "کہیں آپ نے چڑھا رکھی تو نہیں ہے؟"

"اس لئے........." میں نے جیب سے تصویروں والا لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے حیرت بھری نظروں سے لفافے کی طرف دیکھا۔ پھر میرے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔ اس میں سے تصویریں نکال کر دیکھتے ہی اس کا چہرہ فق ہوگیا۔ اس کے ہاتھ سے تصویریں چھوٹ کر فرش پر گر پڑیں۔

"آپ .... آپ کون ہیں؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔ "آپ؟" اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"میں وہی خاکسار ہوں جس کے ساتھ آپ کی تصویریں ہیں۔" میں نے سر سے وگ اور مونچھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"آپ.........!" وہ میری طرف دیکھ کر اچھل پڑی۔ "آپ......... مجھے بلیک میل کرنے کے لئے آئے ہیں؟"

"آپ جو سمجھ لیں۔" میں نے کہا۔ "میں آپ سے کچھ سوالات پوچھنے آیا ہوں، یہ کیا ڈرامہ تھا؟"

"کون سا ڈرامہ تھا......... کیا مطلب؟" اس نے منجمد آنکھوں سے دیکھا۔

"رانی بیگم عرف گلنار!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب تمہیں کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں .... تمہارا منصوبہ اور اصل چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے۔ تم نے کیا اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی نہیں ماری ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ تصویریں پولیس کے ہاتھ لگنے کی صورت میں تم بچ جاؤ گی؟ ہرگز نہیں .... تمہیں بھی وہی سزا ملے گی جو مجھے دی جائے گی۔"

"آپ یقین کریں۔ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ میری ایسی تصویریں اتاری گئی ہیں۔" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو .... میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ میں کرائم رپورٹر ہوں۔ میرا روز ہی جرائم پیشہ اور تمہاری جیسی عورتوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ تم تو شاید اس

لئے بچ جاؤں کہ میری پولیس سے دوستی ہے۔ تعلقات ہیں لیکن تم نہ بچ سکو گی۔ پولیس کی کالی بھیڑیں تمہارے خلاف قانونی کارروائی کرنے کے بجائے تمہیں کھلونا بنا کر رکھ دیں گی۔"

"آپ میری بات کا یقین کیوں نہیں کر رہے ہیں؟" اس کی آواز چھننے لگی۔

"اس لئے کہ تمہارے تعاون کے بغیر ایسی تصویریں اتاری نہیں جا سکتی تھیں۔" میں نے زہرخند کہا۔

"اس شخص نے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں تصویروں والی بات شامل نہیں تھی۔" وہ بولی۔

"اس شخص کا کیا منصوبہ تھا؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔ "دیکھو سچ بتانا۔"

"اس شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے آدمی تمہیں ایسا لباس دیں گے جو تار تار ہو گا۔ اس کے چیتھڑے لٹک رہے ہوں گے۔ تم چادر سے اپنا لباس ڈھانک کر جاؤ گی اور دروازے پر دستک دو گی۔ اندر جانے کے بعد تم کسی بہانے سے ٹھوکر کھا کر فرش پر اس طرح سے گر جانا کہ چادر چھوٹ کر گر جائے اور وہ تمہیں بے لباس کی حالت میں دیکھ لے۔ پھر تم کوشش کرنا کہ اس کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ اسے ایسی کوئی کہانی سنانا کہ وہ تمہاری بات کا یقین کر لے۔ تم موقع پا کر اس کے بیڈ روم کی کھڑکی کے پٹ کھول کر پردہ کھینچ دینا۔ پھر اسے بیڈ روم میں کسی بہانے سے بلا کر اس کی پارسائی ختم کر دینا۔ ساری رات اس کے ساتھ گزارو گی لیکن روشنی گل نہیں کرنا.......... صبح اسے جوڑا لانے کے بہانے بازار بھیج دینا۔ پھر اس کی الماری' میز کی دراز وغیرہ کی تلاشی لینا۔ دیکھنا کہ ان میں نیگیٹوز والا کوئی لفافہ ہے کہ نہیں .... اس کھیل میں اداکاری کرنے کے لئے تمہیں دس ہزار روپے دیئے جائیں گے .... لیکن ان کی حرام زدگی دیکھو کہ انہوں نے ایسی تصویریں بنالیں جس سے مجھے ساری زندگی بلیک میل کیا جا سکتا ہے؟"

"تمہیں اس وقت حیرت اور شک نہیں ہوا' جب تم سے کھڑکی کھلی رکھنے اور روشنی گل نہ کرنے کے لئے کہا گیا؟"

"بالکل نہیں۔" وہ بولی۔ "میں تو اس لئے بھی اس کھیل میں کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئی تھی کہ آپ کی خوبصورتی نے دل موہ لیا تھا۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ وہ کون شخص تھا جس نے تمہاری خدمات حاصل کیں' اس کا نام کیا

ہے؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون شخص ہے۔ البتہ اس کا نام سنہری مچھلی ہے۔" اس نے بتایا۔

"یہ نام تم نے کس سے سنا؟" میں نے کہا۔

"میں نے اس کے آدمیوں سے سنا .... جب وہ مجھے گاڑی میں لے جا رہے تھے تب اس کے ایک آدمی نے کہا۔ "یار شامو! سنہری مچھلی کا موڈ کچھ دنوں سے سخت آف ہے۔ معلوم نہیں کیوں۔"

"کیا تمہیں سنہری مچھلی کی رہائش کے بارے میں کچھ علم ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے؟ اس کا پتا کیا ہے؟"

"جی نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "جب مجھے گاڑی میں لے جایا جا رہا تھا تب راستے میں میرے منہ پر کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال رکھ دیا تھا۔ واپسی میں بھی میرے ساتھ ایسا ہی کیا گیا.......... اس لئے مجھے اس کی رہائش کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔"

"چلو میں تمہاری بات کا یقین کئے لیتا ہوں۔" میں نے اس کے ہاتھ سے تصویریں لے لیں۔ "ان تصویروں سے ہم دونوں کو بلیک میل کیا جا سکتا ہے .... دوسری طرف میں بھی تمہیں بلیک میل کر سکتا ہوں۔ اب تم بتاؤ .... کیا کیا جائے؟"

"لیکن آپ دونوں مجھے کس لئے بلیک میل کریں گے؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"وہ آپ سے کوئی نہ کوئی کام نکالنے کے لئے بلیک میل کرے گا.......... میں اس لئے بلیک میل کروں گا کہ آپ ایک فیاض خاتون کی طرح میرے ساتھ پیش آئیں .... لیکن میں شاید ایسا نہیں کروں گا۔ میں صرف آج کی رات آپ کا مہمان رہوں گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے میرے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حمائل کر دیں۔ "کیا آپ مجھ پر ایک احسان کر سکتے ہیں؟"

"جب آپ مجھ پر مہربان ہو رہی ہیں تو میں ایک نہیں دس احسان کر سکتا ہوں۔ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟" میں نے اس کے بالوں کو سہلایا۔

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھے ان تصویروں کے نیگیٹوز عنایت فرما دیں۔" میں نے چند لمحوں کے بعد۔ "میں آپ کے لئے آسمان سے تارے توڑ کر لا سکتا

ہوں۔ امریکی ویزا دلا سکتا ہوں لیکن ان تصویروں کے نیگیٹوز نہیں دے سکتا۔"

"وہ کیوں؟" اس کے چہرے پر استعجاب چھا گیا۔ وہ میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"اس لئے کہ میرے پاس اس کے نیگیٹوز نہیں ہیں۔ سنہری مچھلی کا ایک آدمی یہ تصویریں لے کر آج صبح میرے غریب خانے پر آیا تھا۔ اس نے صرف مجھے تصویریں دیں۔ نیگیٹوز نہیں دیئے۔" میں نے اس کے رخساروں کو تھپتھپایا۔

"وہ صرف تصویریں کس لئے لے کر آیا تھا؟ اس نے تصویروں کے نیگیٹوز کس لئے نہیں دیئے؟"

"وہ یہ تصویریں دکھانے کے لئے لایا تھا کہ ہمارا کارنامہ عظیم دیکھو .... ان کے نیگیٹوز ہمارے پاس ہیں۔ میری جیب میں موجود ہیں لیکن میں نیگیٹوز کے بدلے نیگیٹوز لوں گا۔ وہ نیگیٹوز جو میرے پاس ہیں جو میں داؤد سلیمان کی کوٹھی سے لے کر آیا ہوں۔ جب کہ میں نے اس کے باس اور اس سے بھی کہا کہ میرے پاس وہ نیگیٹوز نہیں ہیں۔ اس نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔"

"آخر وہ نیگیٹوز کیا چیز ہیں جس کے لئے وہ اس قدر پریشان اور فکر مند ہے۔ اس کے لئے ماہئ بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔ اس کی باتوں سے مجھے ایسا لگا جیسے وہ نیگیٹوز بہت اہم اور قیمتی ہوں۔ جیسے اس کی جان ان نیگیٹوز میں ہے۔"

"اس میں ایسی کوئی بات ہو گی جس کے لئے وہ مرا جا رہا ہے۔ اس نے داؤد سلیمان کو قتل کر دیا۔"

"آپ کے پاس وہ نیگیٹوز ہیں تو اسے دے کر ان تصویروں کے نیگیٹوز کیوں نہیں لے لیتے؟"

"میری جان! میرے پاس وہ نیگیٹوز ہوتے تو میں اسے دے کر کیا پندرہ لاکھ روپے نہیں لے لیتا۔ امریکہ نہیں چلا جاتا۔"

"ہم اس سے ان تصویروں کے نیگیٹوز کیسے اور کیوں کر حاصل کر سکتے ہیں؟" وہ تشویش ناک لہجے میں بولی۔ "اس نے ایک ہی جال میں ہم دونوں کو پھانس لیا ہے۔ جب تک وہ نیگیٹوز نہیں مل جاتے مجھے اس کے اشاروں پر ناچنا ہو گا۔ وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن وہ آپ کی زندگی بھی عذاب کر دے گا۔ آپ کوئی تدبیر سوچیں نا!"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ ان نیگیٹوز کے حصول کے لئے کوئی تدبیر سوچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے لیکن یہ تدبیر آج نہیں کل آرام سے سوچیں گے۔" میں نے کہا۔

"ابھی اور اس وقت کیوں نہیں؟"

"اس لئے کہ یہ حسین اور رنگین رات تدبیر کی نذر کرنے کے لئے نہیں ہے۔ یہ حُسن کی بارگاہ کی توہین ہے۔"

"لیکن اسے آپ پر کیوں شک ہے کہ وہ نیگیٹوز آپ کے پاس ہیں؟"

"اسے وہم ہو گیا ہے .... وہم کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ لعنت بھیجیں اس پر اور اس کے نیگیٹوز پر۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس بولنے نہیں دیا۔

☆=====☆=====☆

میں صبح دس بجے رانی کے فلیٹ سے کسی راجہ کی طرح ہی نکلا۔ رانی بڑی مہربان رہی اور بڑی فیاضی سے اس لئے بھی پیش آتی رہی تھی کہ اسے اپنی تصویروں کے نیگیٹوز کی ضرورت تھی جو سنہری مچھلی کے پاس تھے۔ میں نے اسے سات ہزار کیا سات سو روپے بھی نہیں دیئے۔ مفت کی ایسی تفریحات قسمت سے نصیب میں ملتی ہے۔ وہ تنہائی کی بہترین رفیقہ تھی۔ اگر اس کی ایک رات کا نذرانہ دس ہزار روپے تھا تو زیادہ نہ تھا۔ جو لوگ اس کے ساتھ وقت گزارتے تھے انہیں جیسے ان کی ایک ایک پائی وصول ہو جاتی تھی۔ کیونکہ وہ ایک مرد کو ہر طرح سے خوش کرنے کا فن جانتی تھی۔

رات بھی اور صبح رخصت ہوتے وقت وہ اس بات پر زور دیتی رہی تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح اس کی تصویروں کے نیگیٹوز سنہری مچھلی سے حاصل کروں اور پھر اس نے یہ بھی کہا اس کے گھر کے دروازے ہر وقت میرے لئے کھلے ہوئے ہیں لیکن مجھے جب بھی آنا ہو ایک ٹیلی فون کر دوں۔ اس نے ٹیلی فون اور اپنے موبائل کا نمبر بھی دیا تھا۔ میں یہ بات جانتا اور سمجھتا تھا کہ وہ اس وقت تک میری رانی بنی رہے گی جب تک اسے نیگیٹوز نہیں مل جاتے۔

میں کپڑے بدل کر بستر پر سونے کے لئے دراز ہوا تو میرے تصور میں رانی کا سراپا اور گزرے ہوئے لمحات ایک ایک کر کے نظروں میں لہرانے لگے۔ اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ مجھے اس لمحے یہ پچھتاوا سا ہوا کہ میں گھر کیوں آیا۔ رانی کے ہاں رک کیوں

نہیں گیا۔ کیونکہ یہاں کوئی سونے نہیں دے گا۔ کوئی نہ کوئی آتا رہے گا۔ رانی نے بھی رکنے کے لئے اصرار کیا تھا۔

میں نے بستر سے نکل کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر عجب خان صاحب کھڑے تھے۔

"آپ نے مجھے تین دن کی مہلت دی تھی لیکن آپ آج کیسے آ گئے؟" میں نے دریافت کیا۔

"میں اِدھر سے گزر رہا تھا کہ آپ کا خیال آیا۔ سوچا چلو کیوں نہ ملتا اور یاددہانی کراتا چلوں؟" اس نے کہا۔

"مجھے خود ان نیگیٹوز کی فکر سنہری مچھلی سے کہیں زیادہ ہے؟" میں نے جواب دیا۔

"وہ کس لئے؟" اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی۔

"اس لئے کہ میری گوٹ جو نہیں ہوئی ہے .... لہٰذا میں اسے جلد سے جلد نکالنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"بہت خوب' آپ ایک ذمے دار آدمی ہیں۔" اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ سے یہی امید تھی۔"

"آپ یہ بتائیں کہ نیگیٹوز مل جانے کی صورت میں آپ کو کہاں اور کیسے اطلاع دوں؟ ٹیلی فون نمبر وغیرہ........"

"میں صبح دس بجے تیسرے دن آپ سے رابطہ کروں گا۔ آپ کو یہ زحمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"لیکن آپ ٹیلی فون کر کے تشریف لائیں گے .... منہ اٹھائے نہیں چلیں آئیں؟" میں نے ہلکی سی ترش روئی سے کہا۔

"وہ کس لئے؟" اس نے چونک کر حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"اس لئے کہ میں آپ کو بتا سکوں کہ میں نے نیگیٹوز تلاش کر لئے ہیں یا نہیں۔" میں نے کہا۔ "نیگیٹوز حاصل کرنے کی صورت میں آپ سے عرض کر سکوں کہ .... آپ پندرہ لاکھ روپے اور میرے نیگیٹوز بھی ساتھ لے آئیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ بے فکر رہیں......... سنہری مچھلی جس سے جو وعدہ کرتا ہے وہ پورا کرتا ہے۔ آپ کو پندرہ لاکھ کی رقم اور نیگیٹوز مل

جائیں گے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ اگر آپ نے نیگیٹوز تلاش کر کے نہیں دیئے تو پھر آپ کے نیگیٹوز کی تصویریں بنا کر ہم پولیس کو بھی ارسال کر دیں گے .... تاکہ پولیس آپ کے خلاف حدود آرڈیننس کے قانون کے تحت کارروائی کر سکے۔"

میں اس کی دھمکی سن کر دل میں خوفزدہ ہوا لیکن چہرے سے ظاہر ہونے نہیں دیا۔ خود پر قابو پائے رکھا۔

"میں آج کی رات مقتول کی کوٹھی پر جا رہا ہوں۔ دیکھیں میری قسمت کہاں تک ساتھ دیتی ہے۔" میں نے کہا۔

میں رات گیارہ بجے گھر سے اپنی موٹر سائیکل پر مقتول کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا۔ میرا یہ اندیشہ درست نکلا کہ میرا غیر محسوس انداز میں تعاقب کیا جا رہا ہے۔ تعاقب کرنے والے گاڑی میں تھے۔ اس میں کتنے افراد تھے مجھے کچھ اندازہ نہ تھا۔ دو آدمی سے زیادہ کیا ہو سکتے تھے۔ میں ان کا مقصد سمجھ گیا تھا کہ وہ کوٹھی سے باہر آنے پر میری تلاشی لے کر نیگیٹوز ہونے کی صورت میں اپنے قبضے میں لے لیں۔ مجھے چلتا کر دیں۔ اس طرح پندرہ لاکھ کی رقم سے محروم کر دیں۔ نیگیٹوز بھی نہ دیں تاکہ مجھے بلیک میل کیا جا سکے۔

میں تو ایک ڈرامہ کر رہا تھا' انہیں دکھانے کے لئے۔ میں نے اپنے دوست کو نیگیٹوز دے دیئے تھے کہ وہ ان کے صاف ستھرے نیگیٹوز پرنٹ بنا دے۔ میں ان نیگیٹوز کے پرنٹ اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے اور سند رہے۔ مجھے سنہری مچھلی پر بھروسا نہیں تھا کہ پندرہ لاکھ روپے دے گا۔ البتہ نیگیٹوز شاید دے سکتا تھا۔

میں نے اپنی موٹر سائیکل مقتول کی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر روک لی۔ اس کوٹھی کا پھاٹک بند تھا۔ وہاں پہرے پر کوئی نہ تھا۔ گلی ویران اور سنسان پڑی تھی۔ تاریکی اور گہرا سناٹا طاری تھا۔ دن میں بھی اس پوش علاقے کی گلیاں سنسان اور ویران ہی پڑی ہوتی تھیں۔ میں تھوڑی دیر کے بعد کوٹھی کے اندر تھا۔ میں پھاٹک پر چڑھ کر اندر کود گیا تھا۔

پھر میں کسی نہ کسی طرح عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کمرے میں پہنچا جو مقتول کا بیڈروم تھا۔ میں نے دو تین کمروں کی لائٹیں آن کر دیں۔ میں نے روشنی اس لئے کی تھی کہ تعاقب کرنے والے بدمعاشوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نیگیٹوز کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ میں بے مقصد دو ایک کمروں میں گھومتا رہا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے مقتول کے بیڈروم کی کھڑکی کے پاس بھی کھڑا رہا تاکہ میرا عکس ان بدمعاشوں کو نظر آتا

رہے۔ میں دس پندرہ منٹ اور اس کوٹھی میں گزار کر واپس جانا چاہتا تھا۔

میں دوسرے بیڈروم میں داخل ہوا تو میری نگاہ ایک پینٹنگز پر پڑی۔ یہ جاپانی لڑکی کی ایک نیم عریاں تصویر تھی۔ بہت ہی خوبصورت سنہرے فریم میں آویزاں تھی۔ میں اس لڑکی کے دلکش جسمانی نشیب و فراز میں کھویا ہوا تھا کہ میں نے اپنی گُدی پر ایک سرد اور بہت ہی سخت چیز محسوس کی۔ پھر ایک کرخت نسوانی آواز نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ”اسی طرح کھڑے رہو۔“

میرے سارے جسم پر ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اگر آواز مردانہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ شاید مقتول کی روح ہو لیکن یہ نسوانی آواز تھی۔ میں نے اس کے حکم کی فوری تعمیل کی۔ کیونکہ میری گُدی پر ریوالور کی نال تھی۔

مجھے خوف سے زیادہ حیرت اور تجسس ہوا۔ یہ محترمہ کون ہیں؟ کہاں اور کس لئے اس کوٹھی میں موجود ہیں۔ کیا کر رہی ہیں؟ کب سے تشریف فرما ہیں۔ ایک خیال آیا کہ کہیں یہ رانی تو نہیں ہے؟ کہیں وہ بھی ان نیگیٹوز کی تلاش میں نہ آئی ہو تاکہ ان نیگیٹوز کے بدلے وہ اپنے نیگیٹوز حاصل کر سکے لیکن یہ خوبصورت آواز رانی کی نہیں تھی۔ گو کہ لہجہ کرخت تھا لیکن آواز کی خوبصورتی صاف ظاہر تھی۔

”کون ہو تم؟“ اس نسوانی آواز نے سابقہ لہجے میں پوچھا۔ اس نے نال اور دھنسا دی۔

”میں انسان ہوں .... مقتول کی روح نہیں ہوں۔“ میں نے شوخ لہجے میں جواب دیا جبکہ اس کا موقع نہیں تھا۔

”سچ سچ بتاؤ۔“ وہ سرد سفاک لہجے میں بولی۔ ”مذاق نہیں کرو۔ میرے ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔“

”میں جو بھی ہوں ایک مصیبت کا مارا ہوں۔ یہاں چوری کے ارادے سے آیا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ تم پندرہ بیس منٹ سے کمروں میں چہل قدمی کر رہے ہو؟ بے مقصد گھوم رہے ہو؟ تم نے کوئی چیز چرانے کی کوشش نہیں کی......... کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہو؟“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ بھی یہاں بہت دیر سے موجود ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا

ہوں‘ خیریت تو ہے؟“

”پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم اس کوٹھی میں چوروں کی طرح کس لئے اور کیوں آئے ہو۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا۔

”جی نہیں پہلے آپ بتائیں کیوں کہ آپ مجھ سے پہلے تشریف لائی ہیں۔ لیڈیز فرسٹ.........“ میں نے پھر شوخی سے کہا۔

”سنو .... زیادہ چالاک اور ہشیار بننے کی کوشش مت کرو ورنہ میں تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گی؟“ وہ زہرخند بولی۔

”جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں .... جو برستے ہیں وہ گرجتے نہیں۔ ویسے آپ بہت حسین معلوم ہوتی ہیں؟“

”تم مجھے ایک نمبر کے چھٹے بدمعاش معلوم ہوتے ہو؟“ وہ بری طرح جھنجھلا گئی۔

”پلیز! آپ اپنے الفاظ واپس لیں۔ کیا آپ کو ایک بدمعاش اور شریف آدمی میں تمیز نہیں ہے؟“

”تم شریف آدمی ہوتے تو میری باتوں کا جواب دیتے .... لیکن تم مذاق میں ٹال رہے ہو۔“

”آپ بھی مجھے شریف خاتون معلوم نہیں ہوتی ہیں۔ چالیس برس کی عمر کی مدت میں خناس پن آ جاتا ہے۔“

”یہ تم کس بنا پر مجھ پر الزام عائد کر رہے ہو؟“ وہ تنک کر بولی۔

”یہ آپ نے میرے پیچھے آ کر میری صراحی دار گردن پر جس بے خبری کے عالم میں ریوالور کی نال رکھ دی کیا اسے شریفانہ کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی بدصورت شکل بھی مجھے دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ دنیا میں صرف ایک آپ ہی بدصورت تو نہیں ہیں۔“

”یو شٹ اپ۔“ وہ پھنکاری۔ ”میں جیسی بھی ہوں تمہیں اس سے کیا......... تم میری باتوں کا جواب سیدھی طرح دو گے یا نہیں؟ یا میں ایک کراٹے کا ہاتھ تمہاری گردن پر دے ماروں؟ تمہاری گردن ٹوٹ بھی سکتی ہے۔“

”میں بھی کراٹے میں ماہر ہوں .... میں کئی بیلٹ لے چکا ہوں۔ لہٰذا آپ یہ حماقت نہ کریں۔ میں آپ سے اپنا تعارف کراتا ہوں۔“

میں چشم زدن میں گھوما اور اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین کر اسے دبوچ لیا۔ وہ

بھونچکی سی ہو گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس تیزی اور پھرتی کا مظاہرہ کروں گا۔ وہ بائیس برس کی بہت حسین لڑکی تھی۔ وہ میرے بازوؤں میں کسمسانے اور نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے اسے دبوچ رکھا۔ ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر رکھ دی۔

"دیکھئے محترمہ! اب بازی الٹ چکی ہے۔ لہٰذا آپ اپنا رویہ شریفانہ کریں۔" میں نے اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا۔

"آپ مجھے اپنی گرفت سے آزاد کریں۔" وہ غصے سے بولی۔ وہ اب آپ کے تخاطب پر آ گئی تھی۔ "میری پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔"

اس کے شاداب بدن میں ریشم کا سا گداز تھا۔ جی تو نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے اپنے بازوؤں کے حصار سے نکال دوں۔ چونکہ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے ایک شریف قسم کی لڑکی لگ رہی تھی، میں نے اسے بازوؤں کے حصار سے نکال دیا۔

وہ ایک طرف کھڑے ہو کر اپنے بال، لباس کی شکنیں اور سانس درست کرنے لگی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے غصہ جھانک رہا تھا۔ وہ مجھے خشمگیں نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔

"محترمہ! میں چڑیا گھر کا بن مانس نہیں ہوں جو آپ اس طرح دیکھ رہی ہیں؟" میں نے بھی خوش دلی سے اسے آپ سے مخاطب کیا۔

"آپ مجھے میرا ریوالور دے دیں۔" اس نے اپنی ٹی شرٹ درست کرنے کے بعد میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

"آپ ریوالور کی بات کر رہی ہیں معزز خاتون! میں ریوالور کیا دل بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ لہٰذا آپ یہ بتائیں کہ آپ نے کس سلسلے میں چوروں کی طرح قدم رنجہ فرمایا ہے؟" میں اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"آپ حد سے تجاوز کر رہے ہیں .... مجھے آپ کے دل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں آپ کو ریوالور نہیں دوں گا .... آپ نے مجھے یہاں آنے کے بارے میں نہیں بتایا تو میں آپ کو کسی کمرے میں بند کر دوں گا۔ پھر یہاں سے چلا جاؤں گا .... آپ چیختی چلاتی اور اپنے نصیب کو روتی رہیں۔"

وہ میری یہ بات سن کر بڑے زور سے چونکی اور قدرے خوفزدہ ہو گئی۔ پھر اس نے

اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل یہاں ایک چیز کی تلاش میں آئی تھی جس کی مدد سے قاتل کا سراغ مل سکتا ہے۔"

"اوہ .... تو کیا آپ پرائیویٹ جاسوسہ ماتا ہری ہیں؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ کیا چیز ہے؟"

"میں کوئی جاسوسہ وغیرہ نہیں ہوں .... مقتول میرے باس تھے۔ میں ان کی پرائیویٹ سیکرٹری رہ چکی ہوں۔"

"آپ سفید جھوٹ بول کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ محترمہ! میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔"

"میں نے کیا جھوٹ بولا ہے؟" وہ گھبرا سی گئی لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔

"آپ نیگیٹوز کی تلاش میں آئی ہیں؟" میں نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"کون سے نیگیٹوز .... کیسے نیگیٹوز؟" وہ بڑے زور سے چونکی۔ اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔

"وہی نیگیٹوز جن کی سنہری مچھلی کو بھی ضرورت ہے۔ آپ کو بھی .... چونکہ وہ نیگیٹوز کسی کو نہیں مل سکے ہیں لہٰذا ان کی تلاش کی جا رہی ہے .... کہیں آپ سنہری مچھلی کے گروہ سے تعلق تو نہیں رکھتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں .... میں ان نیگیٹوز کی تلاش میں آئی ہوں لیکن میرا تعلق سنہری مچھلی کی تنظیم سے نہیں ہے۔" وہ مردہ لہجے میں بولی۔

"جب آپ کا تعلق اس تنظیم سے نہیں ہے تو پھر کس سے ہے؟ آپ کو ان نیگیٹوز کی تلاش کس لئے ہے؟"

"میں سنہری مچھلی کی جانی دشمن ہوں۔ مجھے ان نیگیٹوز کی تلاش اس لئے ہے کہ میں اسے بے نقاب اور قاتل ثابت کر سکوں۔"

"کیا آپ جانتی ہیں کہ سنہری مچھلی کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جی ہاں، بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس لئے کہ وہ میرا جانی دشمن ہے۔ میری تلاش میں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا آپ بغیر نیگیٹوز کے اسے قاتل اور مجرم ثابت نہیں کر سکتی ہیں؟" میں نے

دریافت کیا۔

"جی ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔ "ثبوت کے باوجود بھی شاید وہ قانون کے ہتھے نہ چڑھے۔ کیونکہ وہ بہت بااثر اور طاقتور ہے۔ وہ پسِ پردہ ایک مافیا ہے .... آپ شاید جانتے ہوں گے کہ مافیا پر ہاتھ ڈالنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔"

"کیا آپ مجھے اس کا نام بتا سکتی ہیں؟" میں نے کہا۔

"جی نہیں .... میں اس کا نام بتانے سے کسی وجہ سے قاصر ہوں۔ آپ کو کس لئے ان نیگیٹوز کی تلاش ہے۔"

"میں مختصر طور پر بتا دوں کہ میں ایک کرائم رپورٹر ہوں۔ مرحوم نے مجھے ٹیلی فون کرکے اس کوٹھی پر بلایا تھا کہ وہ ایک امانت مجھے دینا چاہتے ہیں۔ میں جلد پہنچوں .... جب میں پہنچا تو قاتل انہیں موت کی نیند سلا چکا تھا۔ مجھے کوئی امانت نہیں ملی۔ اس لئے کہ وہ ختم ہو چکے تھے۔ سنہری مچھلی کا خیال تھا کہ میرے پاس وہ نیگیٹوز ہیں۔ اس نے مجھے اغوا کیا۔ مجھے دھمکی دی کہ میں نے تین دن کے اندر نیگیٹوز نہیں پہنچائے تو وہ مجھے بلیک میل کرے گا اور قانون کے حوالے کر دے گا۔ نیگیٹوز دینے کی صورت میں مجھے وہ نیگیٹوز دے دے گا جس سے میری عزت خطرے میں پڑ سکتی ہے اور پندرہ لاکھ کی رقم بھی دے گا۔ میں اس کی تلاش میں آیا ہوں۔"

"اوہ .... یہ بات ہے۔" اس کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نیگیٹوز کسی کے ہاتھ نہیں لگے ہیں۔"

"اصل بات یہی ہے .... ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ نیگیٹوز اس کوٹھی میں موجود ہیں۔"

"بالفرض محال وہ نیگیٹوز آپ کو مل جائیں تو آپ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔" اس نے کہا۔

"آپ اسے خریدنا چاہتی ہیں ....لیکن میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ سنہری مچھلی اس کے پندرہ لاکھ روپے کی آفر دے چکا ہے۔"

"آپ مجھ سے اٹھارہ لاکھ روپے لے لیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن مجھے ایک دن پہلے مطلع کرنا ہوگا۔"

"مجھے سوچنے کی مہلت دیں۔" میں نے کہا۔ "یہ میں شاید آپ کو پندرہ لاکھ روپے

میں بھی دے دوں لیکن ایک مسئلہ درپیش ہے۔ اس کے پاس میرے کچھ ایسے نیگیٹوز ہیں جو میری عزت برباد کر سکتے ہیں۔ پولیس مجھے اندر کر سکتی ہے۔ میرے خلاف حدود آرڈیننس کیس بن سکتا ہے۔ سنہری مچھلی نے مجھے اور ایک لڑکی کو اپنے جال میں پھانسا ہے۔ وہ بھی پریشان ہے۔"

"سنہری مچھلی ایسے کاموں میں بہت ماہر ہے۔ اس ذلیل شخص نے بہت سے مرد اور عورتوں کو اس طرح تنگ اور ہراساں کیا ہوا ہے .... آپ پولیس کو ایک لاکھ روپے دے دیں۔ پھر آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور نہ اس لڑکی پر........."

"مجھے سوچنے کی مہلت دیں۔" میں نے کہا۔ "آپ اپنا نام پتا بتائیں تاکہ میں آپ کو آگاہ کر سکوں۔"

"میرا نام تبسم ہے۔" اس نے اپنا پتا اور ٹیلی فون نمبر بتایا تو میں نے اسے نوٹ کر لیا۔ "لیکن مجھ سے ملنے اور ٹیلی فون کرنے میں احتیاط برتیں۔ کیونکہ سنہری مچھلی کے آدمی شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

"کیوں نہ ہم دونوں مل کر نیگیٹوز تلاش کریں۔" میں نے تجویز پیش کی۔ "جیسے وہ مل گئے وہ اس کی ملکیت ہوں گے۔"

"میں انہیں کوئی دو گھنٹے سے تلاش کر رہی ہوں لیکن مجھے وہ نہیں ملے۔ آپ کہتے ہیں تو تھوڑی دیر تک اور تلاش کئے لیتی ہوں۔"

میں نے اس کے سامنے یہ تجویز اس لئے رکھی تھی کہ وہ بہت حسین تھی۔ نازک اندام بھی تھی۔ اس وقت وہ رات کی رانی کی طرح مہک رہی تھی۔ اس کے قرب اور حسن و شباب نے مجھ پر جیسے جادو کر دیا تھا۔ میں کچھ دیر اس کی رفاقت میں وقت گزارنا چاہتا تھا۔

پھر ہم دونوں مقتول کے بیڈ روم میں آ گئے۔ کیونکہ اس بیڈ روم میں نیگیٹوز ملنے کے امکانات تھے۔ مقتول نے چونکہ اس کوٹھی کو اپنا عشرت کدہ بنایا ہوا تھا اس لئے اس بیڈ روم کو خصوصی انداز سے آراستہ و پیراستہ کیا ہوا تھا۔ چھت اور دیواروں پر بھی آئینے نصب تھے۔ اس کمرے میں جو الماری تھی ہم نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں جو ڈائریاں اور فائلیں میں نے دیکھی تھیں وہ موجود نہیں تھیں۔ پولیس شاید انہیں تفتیش کے لئے لے گئی تھی یا پھر سنہری مچھلی کے کسی آدمی نے انہیں نکال لیا تھا۔

جس وقت وہ ایک الماری کی درازیں دیکھ رہی تھی تب میری نگاہ پلنگ کے سرہانے اور میز کے پائے کے درمیان پڑی۔ مجھے ایک گلابی رنگ کا لفافہ نظر آیا۔ میں نے اس لفافے کو اٹھالیا۔ اس لفافے میں تین عدد نیگیٹوز تھے۔ وہ اس لڑکی کے دکھائی دیتے تھے۔ وہ مقتول کے ساتھ کھڑی تھی۔ ایک نیگیٹو میں مقتول کا ہاتھ اس کی کمر پر تھا۔ دوسرے میں وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ تیسرے میں مقتول اس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ پس منظر میں ایک پارک کا گوشہ تھا۔

تبسم کی پشت میری جانب تھی۔ میں نے اسے آواز دی۔ "مس تبسم! سنئے .... مجھے نیگیٹوز مل گئے ہیں۔"

وہ ایک دم تیزی سے میری جانب گھومی۔ میں نے اسے لفافہ دکھایا اور جیب میں رکھ لیا۔ وہ میرے پاس آکر بولی۔ "مجھے دکھائیں........."

"یہ وہ نیگیٹوز نہیں ہیں جن کی سنہری مچھلی کو ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔ "اس میں صرف تین نیگیٹوز ہیں۔ مقتول کسی حسین لڑکی کے ساتھ کسی پارک کے گوشے میں جذباتی اور رومانی انداز میں موجود ہیں لیکن ذرا نامناسب سی تصویریں ہیں لیکن سطحی نہیں ہیں۔ محبت کرنے والے اس قدر رومانی ہو جاتے ہیں۔ لڑکی کون ہے واضح نہیں ہے۔ تصویریں ملنے کے بعد ہی پتا چل سکے گا۔"

"کیا آپ مجھے نیگیٹوز ایک نظر دکھا سکتے ہیں؟" اس نے کہا۔ "شاید میں بتا سکوں وہ لڑکی کون ہے؟"

"جی نہیں........" میں نے کہا۔ "میں ان نیگیٹوز کو دھلوا کر کل شام آپ کے دولت کدے پر لے آؤں گا۔"

"آپ صرف ایک نیگیٹو دکھا دیں۔" اس نے کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ کیا ان نیگیٹوز کی سنہری مچھلی کو ضرورت ہے؟"

میں نے لفافے میں سے ایک نیگیٹو نکال کر اس کی طرف بڑھایا جس میں مقتول اس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے یہ نیگیٹو ایک نظر دیکھ کر مجھے واپس کر دیا۔ جب میں نے اسے جیب میں رکھ لیا تو وہ کسی ہرنی کی طرح چونکی جیسے وہ خطرے کی بو پا کر سونگھتی ہے۔

میں نے اس کے متغیر چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ آپ اس قدر........"

اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ میرے پاس آکر مجھ سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ "آپ نے آہٹ سنی؟" اس نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

"نہیں تو........" میں نے اس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سر ہلایا۔ "آپ کو وہم ہو رہا ہے۔"

اس نے لپک کر دروازہ بند کیا۔ اندر سے اس کی چٹخنی لگائی۔ پھر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی۔ پھر اس نے روشنی گل کر دی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ چند لمحوں کے بعد وہ مجھ سے ٹکرا گئی۔ وہ مجھ سے چپکی خاموش کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر گزر گئی۔ کوئی آہٹ سنائی نہیں دی۔ چاروں طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "محترمہ! کوئی نہیں ہے۔ اب ہمیں چل دینا چاہئے۔"

"ابھی نہیں........" اس نے کہا۔ "کوئی شاید ہماری گھات میں چھپا بیٹھا ہے۔ کچھ دیر اور رک جائیں۔ پھر ہم اچھی طرح تسلی کر کے نکلتے ہیں .... شاید سنہری مچھلی کا کوئی آدمی ہو؟"

اس کے ساتھ میں کچھ دیر کیا میں ساری رات کاٹنے کے لئے تیار تھا۔

پھر وہ رفتہ رفتہ مجھ پر آشکارا ہونے لگی تھی۔ ایک اندازہ تو ان نیگیٹوز سے اس کے بارے میں ہو گیا تھا۔ مقتول اور اس کی عمر میں بہت فرق تھا۔ اس کی جذباتی کیفیت میں شدت بڑھتی گئی۔ جس خوف سے وہ دوچار ہو گئی تھی وہ اس سے بے بہرہ ہو گئی تھی۔ جب میں حد سے تجاوز کرنے لگا تو وہ ایک دم تڑپ کر الگ ہو گئی۔ یکطرفہ ٹریفک تھا۔ پیش قدمی اور ساری کارروائی اس کی جانب سے ہوئی تھی۔ میں کوئی پارسا نہ تھا۔ اس سے پہلے غلاظت کی دلدل میں گر چکا تھا۔ اس لئے میں نے بھی جوابی طور پر پیش قدمی کی تھی لیکن اس نے میری پیش قدمی روک دی تھی۔

چند لمحوں کے بعد کمرہ روشنیوں میں نہا گیا۔ اس نے دو تین بتیاں جلا دی تھیں۔ وہ میری طرف رخ کئے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے غصہ اور نفرت جھانک رہی تھی۔ وہ مجھے قہرآلود

نظروں سے گھور رہی تھی۔

اس کی پیش قدمی اور جذباتی کیفیت اور والہانہ پن کا کھیل میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ ریوالور کے حصول کے لئے کیا تھا۔ اس نے اس صفائی سے میری جیب سے ریوالور نکالا تھا کہ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔

"وہ نیگیٹوز والا لفافہ مجھے دے دیں۔" اس نے سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔

میں نے اس کے چہرے سے اندازہ کر لیا کہ وہ ان نیگیٹوز کے لئے بے حد سنجیدہ ہے۔ وہ شاید صرف ان کی تلاش میں آئی تھی۔ گو یہ نیگیٹوز اس قدر خطرناک نہیں تھے جس کے لئے اس نے ان کے حصول اور تلاش کے لئے اتنی بہادری اور جرأت دکھائی تھی۔ کوٹھی میں اندر داخل ہوئی تھی۔ دراصل وہ مقتول کے ساتھ اپنا کوئی تعلق ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ پولیس قاتل کا سراغ لگانے میں ناکام ہو چکی تھی۔ یہ نیگیٹوز پولیس کے ہاتھ لگنے کی صورت میں اس پر کوئی افتاد نازل ہو سکتی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ لفافہ پولیس کی نظروں سے کیسے اوجھل ہو گیا تھا۔ میری اور سنہری مچھلی کے آدمیوں سے بھی' لیکن آج اتفاق سے اس پر میری نظر پڑ گئی تھی۔

ساری زندگی کراچی الیکٹرک سپلائی والوں کو ان کی غیر اعلانیہ اور بلاوجہ کی لوڈشیڈنگ پر کوستے اور شان میں قصیدے پڑھتے چلے آئے تھے۔ اچانک بجلی چلی گئی تو میں ایک طرف تیزی سے ہٹ گیا اور اس ادارے کو جتنا برا بھلا کہا تھا وہ سب واپس لے لیا۔ اس نے آج جی خوش کر دیا۔ بعض اوقات زحمت بھی رحمت بن جاتی ہے۔ میرے لئے اتنی مہلت کافی تھی۔

"سنو مسٹر!" وہ کسی زہریلی ناگن کی طرح پھنکاری۔ "تم مجھے دبوچنے اور میرے ہاتھ سے ریوالور چھیننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں بلا تامل تمہیں گولی مار دوں گی .... تم اپنی جگہ بجلی آنے تک کھڑے رہو۔ ہلنے کی کوشش نہیں کرنا۔ مجھے ...."

"محترمہ! آپ بہت اچھی طرح جانتی ہیں کہ بجلی بھی دراصل ایک معشوقہ کی طرح ہے۔ وہ کسی بات پر ناراض ہو کر جاتی ہے تو جلدی نہیں آتی ہے۔ اسے ٹیلی فون کریں منانے کے لئے تو وہ اول تو ٹیلی فون نہیں اٹھاتی ہے۔ ٹیلی فون اٹھا بھی لے تو طفل تسلیاں دینے لگتی ہے۔"

"شاید بجلی جلد آ جائے .... یہ علاقہ کروڑ پتی لوگوں کا ہے۔ یہاں بجلی نہیں جاتی

ہے۔" وہ زہرخند بولی۔

"ان لوگوں کے پاس اپنے اپنے جنریٹر ہیں .... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں اس اندھیرے میں دوستانہ ماحول پیدا کریں تاکہ یہ جو فاصلہ ہے کم ہو جائے .... آپ نے جو ابھی نوازش کی ہے اس کا پھر سے اعادہ ہو جائے۔"

"شٹ اپ۔" وہ غرائی۔ "اپنی اوقات میں رہو .... میں تمہارے قریب آنے والی نہیں ہوں۔"

پھر میں نے اندھیرے میں غیر محسوس انداز سے اور ایک اندازے سے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اس سے کہا۔ "آپ کے ساتھ جو لمحات گزرے وہ میرے لئے ناقابل فراموش ہیں۔ آپ واقعی بہت حسین اور ایک پرجوش لڑکی ہیں۔ مقتول آپ کے بڑے مداح اور قدردان رہے ہوں گے .... مجھے بھی آپ سے مل کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ ہاؤ سویٹ یو........."

اس نے شاید محسوس کر لیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے غیر محسوس انداز سے حرکت کر رہا ہوں۔ وہ شاید یہ سمجھی کہ میں اسے دبوچنے کے لئے اس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہوں۔ اس نے ہذیانی لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔ "تم میری طرف آ رہے ہو۔ رک جاؤ۔" پھر اس نے اگلے لمحے اندھیرے میں ایک فائر کر دیا۔ ایک بہت ہی ہلکی سی آواز گونج گئی۔

میں اس وقت تک دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ مجھے اپنی جان پیاری تھی' وہ پیاری نہ تھی کہ میں اس اندھیرے سے فائدہ اٹھاتا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر چٹخنی ہٹائی۔ اس کی آواز گونجتے ہی اس نے دوسرا فائر کر دیا جو کہ کھڑکی کے شیشے پر جا کر لگا۔ ایک زوردار چھناکا ہوا۔ میں اتنی دیر میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ پورا علاقہ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں تیزی سے گیٹ کی طرف لپک گیا۔

میں پھاٹک پر چڑھ کر باہر آسانی سے اتر گیا۔ معاً میری نظر کسی قدر فاصلے پر کھڑی بدمعاشوں کی گاڑی پر پڑی جو تاریکی کی آغوش میں تھی۔ وہ دونوں بدمعاش تمباکو نوشی نہیں کر رہے ہوتے تو مجھے ان کی موجودگی کا بالکل بھی پتا نہیں چلتا۔ وہ میرے انتظار میں تھے کہ میں باہر آؤں اور میرا تعاقب کر کے جا لیں اور میری تلاشی لے لیں۔ اگر میرے پاس تبسم کے نیگیٹوز نہ ہوتے تو مجھے ان بدمعاشوں کی فکر اور کوئی پرواہ نہیں تھی لیکن ان

نیگیٹوز کی وجہ سے ان دونوں بدمعاشوں کو چکمہ دینا ضروری تھا۔

میری موٹر سائیکل ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ میں اس کے پاس گیا۔ پھر اسے ڈھکیلتا ہوا دور تک لے گیا اور ایک گلی میں مڑ گیا۔ پھر وہاں سے کچھ دور اور جا کر رکا۔ اب یہ اطمینان تھا کہ موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے سے اس کی آواز انہیں سنائی نہیں دے گی۔ جب میں نے کک لگائی تب اس علاقے کی بجلی آ گئی۔ اسٹریٹ لائٹ سے یہ روشنی پھیل گئی۔

میں انتہائی برق رفتاری سے موٹر سائیکل چلاتا ہوا پندرہ منٹ میں گھر پہنچ گیا۔ میں نے اس لفافے کو ایک ایسی جگہ چھپا دیا کہ اسے کسی کے فرشتے بھی تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ پھر میں نے کپڑے تبدیل کئے۔ پھر میں سونے اور سوچنے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو میری نظروں میں تبسم کا چہرہ اور دلکش سراپا لہرانے لگا۔ جس نے میرے جسم میں خون کی گردش تیز کر دی تھی۔ ایسے وقت ایک مرد کو اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پیر پھسل پڑنے والی بات تھی۔ وہ زبردست اداکارہ تھی۔ اس نے اپنی خود سپردگی کی اداکاری سے اپنا ریوالور میری جیب سے نکال لیا تھا۔ میں یہ بات اس سے معلوم نہیں کر سکا تھا کہ وہ کس طرح اور کیسے اندر داخل ہوئی اور اب کس طرح سے واپس گئی ہو گی۔

اب اس بات میں شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ تبسم ہی وہ لڑکی ہے جس سے مقتول نے تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ وہ جرائم پیشہ بھی لگتی تھی یا پھر اس کا تعلق سنہری مچھلی کی تنظیم سے بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ کسی ماڈل گرل یا بدچلن عورت میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ رات کے وقت تنہا بے خوف اس کوٹھی میں داخل ہو جائے اور اس کے پاس عمدہ ساخت کا ایک ریوالور بھی تھا جس پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ ایسے ریوالور عام طور پر دستیاب نہیں تھے اور پھر یہ ایک سنگدل قسم کی عورت تھی۔ اس نے ان نیگیٹوز کے حصول کے لئے مجھے گولی مارنے میں تامل بھی نہیں کیا۔ چونکہ میری موت اس کے ہاتھوں نہیں لکھی تھی اس لئے میں بچ گیا تھا۔

بن بلائے مہمانوں کی آمد کا امکان بہت کم تھا۔ کیونکہ ان بدمعاشوں نے مجھے کوٹھی سے باہر آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ البتہ تبسم کا ان کے ہتھے چڑھ جانے کا امکان تھا لیکن وہ تبسم پر قابو نہیں پا سکتے تھے کیونکہ وہ مسلح تھی۔ ان کے ہتھے چڑھ جانے کی صورت میں

انہیں یہ بات بتانے سے رہی کہ میں اس کے نیگیٹوز لے گیا ہوں۔ اس بات کا امکان تھا کہ وہ مجھ سے رابطہ قائم کر کے ہر قیمت پر اپنے نیگیٹوز حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس کا کچے پھل کی طرح میری جھولی میں گر جانا ایک عام سی بات ہوتی۔

لیکن ایک اور بات جو سوچنے کی تھی وہ یہ کہ اس نے ان نیگیٹوز کے اٹھارہ لاکھ روپے کی پیشکش کی تھی جس کے سنہری مچھلی پندرہ لاکھ روپے دے رہا تھا۔ کیا وہ واقعی اٹھارہ لاکھ روپے دے سکتی ہے؟ آخر اس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟ لیکن میں ان چکروں میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میرے لئے پندرہ لاکھ کی رقم بہت تھی۔ تبسم کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ میں نے اس کے نیگیٹوز دھلوا کر دیکھنے کے بعد اسے بغیر کسی شرط کے دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں ان تصویروں سے اسے بلیک میل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

میں صبح اپنے دوست کے ہاں جا کر اسے نیگیٹوز دے آیا کہ ایک ایک کاپی اور ان کے پرنٹ بھی نکال کر رکھے۔ پھر میں نے سہ پہر کے وقت اس کے ہاں ان تصویروں کو دیکھا۔ یہ تصویریں کسی نے چھپ کر کھینچی تھیں۔ ایسے زبردست رومانی سین تھے کہ ان سے مقتول اور تبسم کو بھی بلیک میل کیا جا سکتا تھا۔ وہ تصویریں بھی شاید اسی فوٹوگرافر نے کھینچی تھیں جس نے یہ تین تصویریں کھینچی تھیں۔

لیکن وہ فوٹوگرافر کون تھا......... بقول سنہری مچھلی کے اس نے اس فوٹوگرافر کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا......... وہ جو بھی تھا غیر معمولی تھا۔ شاید وہ بلیک میلر ہی ہو۔ تبسم والی تصویریں بھی شاید اسی نے کھینچی ہوں؟

میرے دل کے کسی کونے میں تبسم کے خلاف نفرت کی لہر اٹھی اور میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ کیونکہ اس نے میری جان لینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ دو گولیاں چلائیں تھیں۔ میں نے دل میں تہیہ کر لیا کہ اس سے حسین اور رنگین انتقام لے کر رہوں گا۔ اسے کٹھ پتلی بناؤں گا۔ اسے اشاروں پر نچاتا رہوں گا۔

☆======☆======☆

تیسرے دن صبح سنہری مچھلی کا آدمی عجب خان ایک بریف کیس لے کر میرے گھر میں گھس آیا۔ اس نے بریف کیس میز پر رکھ کر اسے کھولا۔ اس میں ہزار ہزار روپے کے نوٹوں کی نئی گڈیاں تھیں۔ ان گڈیوں پر ایک امریکی ساخت کا ریوالور اور لفافہ رکھا تھا اس

میں شاید ان کے نیگیٹوز تھے۔ اس کے چہرے پر درندگی تھی۔

"اس بریف کیس میں تمہارے لئے زندگی اور موت ہے۔ تمہیں ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا اس لفافے میں رانی کے اور میرے نیگیٹوز ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "یا یہ صرف خالی لفافہ ہے؟"

"اس میں تم دونوں کی تصویروں کے نیگیٹوز موجود ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "تم چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔"

میں نے نیگیٹوز والا لفافہ اٹھا کر اس میں سے نیگیٹوز نکال کر ایک ایک کر کے دیکھے۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ میرے چہرے کے تاثرات جیسے پڑھ رہا تھا۔

"جس نے بھی یہ تصویریں اتاریں اس کی تعریف نہ کرنا بڑی بدذوقی ہو گی۔" میں نے کہا۔ "اس نے بڑی فنکارانہ مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ خفیہ طور پر اس طرح کی تصویریں اتارنا ہر کسی فوٹوگرافر کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"یہ تصویریں میں نے اتاری ہیں۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ "پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ۔"

"واقعی تم بہت بڑے فنکار ہو۔ میں تمہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "ایسا لگتا ہے کہ تمہیں بیس برس کا وسیع تجربہ ہے۔ کیا فوٹوگرافی تمہارا پیشہ ہے؟ یہ فن تم نے کس سے سیکھا ہے؟"

"میرا باس بھی بہت تعریف کرتا ہے۔" وہ کہنے لگا۔ "میں نہیں دس برس کا تجربہ ہے۔ فوٹوگرافی میں نے شوقیہ سیکھی ہے۔ میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں عموماً اس سطح کی تصویریں اتارتا ہوں۔ کیمرہ مین بھی ہوں۔ بلیو فلمیں جو لوگ بناتے ہیں وہ میری خدمات بھاری معاوضے کے عوض حاصل کرتے ہیں۔ باس نے مجھے اس قسم کی تصویریں اتارنے پر مامور کر رکھا ہے۔"

میں دراصل یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ کس خبیث کا کارنامہ ہے تاکہ اس کی ہڈی پسلیاں ایک کر دوں۔ یہ موقع نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "میں اپنی ایک بلیو فلم بنانا چاہتا ہوں۔ بولو کیا معاوضہ لو گے؟"

وہ ایک دم سے چونکا۔ اس کے چہرے پر حیرت سی چھا گئی۔ "پچاس ہزار روپے۔" اس نے جواب دیا۔ "تم کس لئے بلیو فلم بنانا چاہتے ہو؟ اس میں بڑے خطرات ہیں۔ تم قانون کی نظروں میں آ سکتے ہو۔"

"پیسے کمانے کے لئے۔" میں نے کہا۔ "مشرق میں بننے والی بلیو فلموں کی بڑی مانگ ہے۔ میں اسے ہندوستان یا کسی بھی غیر ممالک میں فروخت کروں گا۔ مجھے قانون اور خطرات کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں ہے۔"

"اس فلم میں تم ہیروئن کسے بناؤ گے؟ کیا تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"میری نظر میں دو بہت حسین اور نوجوان لڑکیاں ہیں۔ ان میں ایک رانی ہے۔ کیا اس فلم کے لئے لڑکیاں مل سکتی ہیں؟"

"بہت ساری اور ہر عمر کی لڑکیاں مل سکتی ہیں...... پیسہ خرچ کرو تو بڑی سے بڑی ہیروئن بھی تیار ہو سکتی ہے۔"

"سچ......؟" میں نے انجان بن کر حیرت سے کہا۔ "کیا ہمارے ملک میں بھی ایسی ہیروئنیں اور لڑکیاں ہیں؟"

"کیوں نہیں...... دنیا بہت آگے جا رہی ہے۔ ایک ڈھونڈو سینکڑوں مل جاتی ہیں۔ ایسی ہیروئنوں اور لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہیروئنیں تو دو تین لاکھ روپے لیتی ہیں۔ جب کہ یہ لڑکیاں پچیس سے ایک لاکھ روپے تک لیتی ہیں۔"

"تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ تم بڑے کام کے آدمی ہو...... تم سے کہاں رابطہ ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں تمہیں کسی دن آ کر اپنا پتا دے جاؤں گا۔" وہ ایک نمبر کا کائیاں نکلا۔ "کیا تم نے وہ نیگیٹوز تلاش کر لئے ہیں؟"

"جی ہاں......" میں نے کہا۔ "میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ ایک منٹ انتظار کرو۔"

جب میں نے نیگیٹوز والا لفافہ لا کر دیا تو اس نے پوچھا۔ "تمہیں یہ لفافہ کہاں سے ملا؟"

"کیاریوں میں پڑا ہوا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں کل رات کے بجائے دن میں

پانچ بجے کوٹھی میں آگیا تھا۔ کیاریوں کے پاس سے گزرتے ہوئے میری اس پر نظر پڑ گئی تھی اب تم اچھی طرح سے اپنا اطمینان اور تسلی کر لو کہ یہ وہی نیگیٹوز ہیں کہ نہیں؟"

اس نے لفافے میں سے نیگیٹوز نکال کر سرسری طور پر چیک کیے۔ پھر لفافے کو جیب میں رکھ لیا۔ "تم بڑے خوش نصیب ہو.......... تمہیں پندرہ لاکھ کی رقم مل گئی۔ اب امریکہ جا کر عیش کرو۔ زندگی کا لطف اٹھاؤ۔"

وہ بریف کیس چھوڑ گیا لیکن اپنا ریوالور لے گیا۔ وہ جیسے ہی باہر نکلا میں نے لپک کر دروازہ بند کیا۔ پھر میں نے ایک گڈی اٹھائی۔ اسے دیکھا۔ پھر تمام گڈیاں ایک ایک کر کے دیکھ لیں۔ ساری کرنسی جعلی تھی۔ میرے اندر نفرت اور غصے کی لہر اٹھی۔ میرے لئے یہ غیر متوقع نہیں تھا۔ کیونکہ سنہری مچھلی مافیا تھا۔ وہ پندرہ روپے دینے والوں میں سے تھا۔

میری چھٹی حس نے مجھے ایک انجانے خطرے سے آگاہ کیا تو میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ میں نے بریف کیس اٹھایا۔ نیگیٹوز کا لفافہ جیب میں رکھا۔ عقبی راستے سے باہر آیا۔ عمر خان صاحب ایک ماہ کے لئے اپنے خاندان کے ساتھ رشتہ داروں سے ملنے ہندوستان گئے ہوئے تھے۔ گھر کی چابی میرے پاس رکھوا کر گئے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے گھر میں بریف کیس اور بریف کیس میں وہ لفافہ رکھ کر اسے کوڈ نمبر سے مقفل کیا۔ پھر اپنے گھر میں آگیا۔

کوئی بیس منٹ کے بعد میرے گھر کے دروازے کو کسی نے بھونڈے اور بے ہنگم پن سے پیٹ ڈالا۔ ایسا لگا کہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔ میں نے دروازہ کھولا تو میری نظروں کے سامنے سب انسپکٹر سراج پانچ چھ سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ مجھے بہت اچھی طرح جانتا تھا اور میرا مکان نہ صرف دیکھ چکا بلکہ دو تین مرتبہ آ چکا تھا۔ کئی کیسوں میں ہم دونوں نے ایک دوسرے سے تعاون بھی کیا تھا۔ اس وقت وہ بالکل اجنبی بنا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں طوطے جیسی کیفیت تھی۔

"سکندر!" اس نے بڑے سرد سفاک لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے گھر کی تلاشی لینے آیا ہوں۔"

"وہ کس خوشی میں؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیا میں نے گھر میں ہیروئن چھپا رکھی ہے؟"

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم جعلی کرنسی کا کاروبار کرتے ہو' تم نے پندرہ لاکھ روپے

کے ہزار ہزار کے نوٹ گھر میں رکھے ہوئے ہیں تاکہ انہیں شہر میں پھیلا سکو.......... یہ رہا سرچ وارنٹ۔" اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھایا۔

"تم اس کے بغیر بھی میرے گھر کی تلاشی لے سکتے ہو؟ اپنا فرض ادا کر سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مل کر میرے گھر کی تلاشی لی۔ کونا کونا چھان مارا۔ جب وہ تلاشی لے چکا تو میں نے اس سے کہا۔ "تم نے اس اطلاع پر بھروسا کر لیا لیکن مجھ پر نہیں کیا.......... تم مجھے بارہ برس سے جانتے ہو۔"

"آج کل کسی پر کوئی بھروسا نہیں کیا جا سکتا ہے.......... کیونکہ ہر شخص راتوں رات دولت مند بننے کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔"

"یہ بات تم بھی جانتے ہو.......... میں بھی جانتا ہوں کہ آج کل مافیاؤں کا دور ہے۔ تمہیں اطلاع کس نے دی؟ کیا تم مجھے اس کا نام بتانا پسند کرو گے؟"

"ٹیلی فون پر کسی نے کہا تھا۔ میں نے اس لئے یقین کر لیا تھا کیونکہ ایک اطلاع کے مطابق پچاس لاکھ روپے کی جعلی کرنسی ہزار ہزار کے نوٹوں کی شکل میں لائی گئی ہے۔ ایک اور شخص ایک کروڑ روپے کی جعلی کرنسی علاقہ غیر سے لاتے ہوئے ریل گاڑی میں پکڑا گیا۔ اس نے بتایا تھا کہ دو دن پہلے پچاس لاکھ کی کرنسی کراچی شہر پہنچ چکی ہے۔ تم کچھ خیال مت کرنا۔ فرض ادا کرنا میری ذمے داری تھی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی بات کے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا۔ میں یوں بھی پولیس سے دوستی کا قائل نہ تھا۔ ان کی رگ رگ سے بخوبی واقف تھا۔ پولیس کے محکمے میں کالی بھیڑوں کی وجہ سے اس کا تقدس مجروح ہو چکا تھا۔ ان کے نزدیک اصل قانون پیسہ تھا۔ اس نے جو مستعدی اور کارکردگی دکھائی اور اپنا فرض ادا کیا میں اسے خوب اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ سنہری مچھلی نے اس کی مٹھی گرم کر دی ہو گی ورنہ اتنی سخت تلاشی نہ ہوتی۔ کرنسی نوٹوں کے ساتھ ان نیگیٹوز کی بھی تلاش تھی۔ جو عجب خان دے گیا تھا تاکہ مجھے حدود آرڈیننس کے مقدمے میں پھنسایا جائے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوا تھا کہ میری جامہ تلاشی بھی لی گئی تھی۔ میرا بٹوہ بھی دیکھا گیا تھا۔ الماری کی ایک ایک دراز اور خفیہ خانے کی ایک ایک چیز بھی دیکھی گئی۔ میں خاموشی سے ان کی تلاشی دیکھتا رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں ہنستا بھی رہا تھا کہ ان کے فرشتوں کو بھی نیگیٹوز نہیں مل سکتے ہیں۔ رانی کے

نگیٹوز تو بریف کیس میں تھے۔ تبسم کے نگیٹوز تو میں نے گھر میں ایک ایسی جگہ چھپائے ہوئے تھے کہ ان کے باپ کو بھی نہیں مل سکتے تھے۔

پولیس کے جانے کے بعد میں نے تمام بکھرا اور بے ترتیب سامان اٹھا کر اس کی جگہ رکھا پھر پورے گھر کی صفائی کی۔ اب میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے عجب خان کی خبر لوں۔ پھر اس کے بعد سنہری مچھلی .... تبسم سے ملنا چاہتا تھا تاکہ اس سے سنہری مچھلی کا سراغ لگا سکوں۔ میرے پاس اس کی تصویریں جو تھیں میں اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

میں کوئی ایک گھنٹے کے بعد تبسم کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ میں نے جاتے ہوئے یہ دیکھ لیا تھا کہ کہیں میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا ہے لیکن اب میرے تعاقب کی ضرورت اس لئے بھی نہیں رہی تھی کہ سنہری مچھلی کو نگیٹوز مل چکے تھے۔ اب اسے میری ذات سے کوئی خوف و خطرہ نہیں رہا تھا لیکن اس کی یہ بھول تھی۔ میرے پاس ترپ کا ایک ایسا پتا تھا کہ جس سے میں اس کی ذات کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ میں نے اسے اصلی نگیٹوز نہیں دیئے تھے بلکہ ان کے پرنٹ دیئے تھے۔

تبسم نے مجھے جو پتا لکھوایا تھا وہ غلط تھا۔ اس مکان میں تبسم نہیں رہتی تھی۔ جس لڑکی نے دروازہ کھولا اور مجھ سے بات کی تھی اس نے بتایا کہ تبسم ایک برس قبل اس مکان میں کرائے پر تھی۔ وہ اپنی ایک ملازمہ اور ماں کے ساتھ رہتی تھی۔ اب ماں بیٹی کہاں چلی گئیں' اسے بتا کر نہیں گئی تھیں۔ البتہ اس نے شاید تبسم کی ماں سے سنا تھا کہ وہ لوگ کلفٹن شفٹ ہو رہے ہیں۔ میں تبسم کو کلفٹن میں تلاش کرنا حماقت سمجھتا تھا کیونکہ کلفٹن بہت بڑا علاقہ تھا۔ ہزاروں فلیٹ اور بنگلے اور کوٹھیاں بھی تھیں۔ تبسم کون ہے ابھی تک میرے علم میں یہ بات نہیں آ سکی تھی لیکن اتنا اندازہ ضرور تھا کہ اس کا تعلق شوبزنس سے ہے۔ کیونکہ شوبزنس کی عورت ہی ایک دولت مند سے تعلق استوار کر سکتی تھی لیکن وہ ایک خطرناک ترین عورت بھی تھی۔ شوبزنس چھوڑ کر شاید وہ کسی تنظیم میں شامل ہو چکی تھی۔ وہ ایک معمہ ہی تھی۔ یہ میرا قیاس تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے بارے میں میرے ذہن میں متضاد خیالات تھے۔

رات میں گہری نیند میں غرق تھا کہ کسی نے میرا شانہ پکڑ کر بڑے زور سے ہلایا۔ میں نیند سے بیدار ہوا تو اچھل پڑا۔ تبسم میری نظروں کے سامنے ریوالور تانے کھڑی ہوئی

تھی۔ مجھے شعلہ بار نظروں سے گھور رہی تھی۔

"اب تم خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقی دنیا میں آ جاؤ۔" تبسم نے کہا۔

میں نے حقیقی دنیا میں آتے ہوئے کہا۔ "آپ نے میرے غریب خانے پر قدم رنجہ فرما کر مجھے جو اعزاز بخشا ہے وہ میں شاید ہی کبھی فراموش کر سکوں .... کبھی ہم آپ کو اور کبھی اپنے غریب خانے کو دیکھتے ہیں۔ زہے نصیب.........."

"تمہیں یقین نہیں آ رہا ہو گا کہ میں آ بھی سکتی ہوں۔" وہ ترش روی سے بولی۔

"اب تو یقین ہو چلا ہے کہ کنواں بھی پیاسے کے پاس آ سکتا ہے؟" میں نے شوق سے کہا۔

"میں کنواں نہیں ہوں بلکہ تمہارے خون کی پیاسی ہوں۔" وہ تپتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تمہاری پیاسی جوانی تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔ میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تم تشریف تو رکھو۔"

"تم بستر سے نکلو اور جلدی سے میرے نگیٹوز میرے حوالے کر دو۔" وہ تحکمانہ لہجے میں بولی۔

"اگر میں نگیٹوز کے بجائے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دوں تو؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"پھر میں تمہیں موت کے حوالے کر دوں گی اگر تم نے مجھے میرے نگیٹوز نہیں دیئے۔" وہ پھنکاری۔

"تم نگیٹوز کی بات کرتی ہو .... میں تو تمہیں اپنی جان اور محبت دینے پر تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے نہ تمہاری جان کی ضرورت ہے اور نہ تمہاری محبت کی .... مجھے صرف نگیٹوز کی ضرورت ہے۔" وہ خشونت سے بولی۔ "اگر تم نے مجھے نگیٹوز نہیں دیئے تو میں تمہیں بلا تامل گولی مار دوں گی۔ اس رات تم اندھیرے کی وجہ سے بچ نکلے۔ مگر آج نہیں بچ سکتے۔ میرا ریوالور لوڈ ہے۔ میں چھ کی چھ گولیاں تمہارے دل میں اتار دوں گی۔"

"کاش! ان گولیوں کے بجائے تم اپنی محبت میرے دل میں کیوں نہیں اتار دیتی ..." میں نے ایک عاشق کے انداز میں کہا۔

اس نے ریوالور کی نال کا رخ میرے سینے کی طرف کیا۔ لبلبی پر انگلی رکھ دی۔ پھر اس نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "تم میری ہنسی اڑا رہے ہو میری بات نہیں مان رہے ہو۔ میں دس تک گنتی ہوں اگر تم نے نیگیٹوز نہیں دیئے تو............"

"تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ میرے مرنے کے بعد کیا ہو گا............ تم جیل کی ہوا کھاؤ گی اور............"

"ہاں............ میں جانتی ہوں۔ تمہاری فاتحہ ہو گی لوگ پلاؤ کھائیں گے۔ میرا بال تک بیکا نہیں ہو گا۔ میں کبھی گرفتار نہیں ہوں گی۔ کیوں کہ میں اپنا یہاں کوئی نام و نشان نہیں چھوڑ جاؤں گی۔ میں پوری تیاری کر کے آئی ہوں۔"

"لیکن تم یہ بات بھول رہی ہو کہ قانون کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ میں نے بھی پیش بندی کی ہوئی ہے۔ وہ نیگیٹوز میرے ایک دوست کے پاس ہیں۔ میں نے تصویریں دھلوائی ہیں۔ کیا زبردست تصویریں ہیں۔ ایسے رومانی اور جذباتی مناظر میں نے کبھی رومانی فلموں میں نہیں دیکھے ہیں۔ میں نے ان تصویروں کو دیکھا تو عش عش کر اٹھا کہ فوٹوگرافر نے کیا کمال دکھایا ہے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا ہے کہ اگر مجھے قتل کر دیا گیا تو یہ نیگیٹوز اور تصویریں پولیس کے حوالے کر دینا............ پھر پولیس تمہیں داؤد سلیمان کے قتل کے کیس میں ملوث کر دے گی کہ تم نے ہی اسے قتل کیا ہے۔ کیوں اور کس لئے یہ پولیس بتائے گی۔ اب تم خود ہی فیصلہ کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟ مجھے قتل کرنے سے تمہیں نیگیٹوز نہیں ملیں گے۔ میں اتنا بے وقوف نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ آدمی تھوڑا بہت سب دیکھ تو ہوتا ہے۔ تم یہ بھول رہی ہو کہ میں ایک کرائم رپورٹر ہوں۔ لہٰذا میں نیگیٹوز گھر میں رکھنے کی حماقت کیسے کر سکتا ہوں۔"

ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ پھر وہ سنبھل کر مردہ لہجے میں بولی۔ "آخر تمہیں میرے نیگیٹوز سے کیا فائدہ حاصل ہو گا؟"

"ایک نہیں بہت سارے فائدے ہیں۔" میں کہنے لگا۔ "پہلا فائدہ یہ کہ مجھے تمہاری محبت اور قرب حاصل ہو جائے گا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ میں تم سے مقتول اور تمہارے تعلقات کے بارے میں معلوم کر کے سنہری مچھلی کا سراغ لگا سکوں گا۔ تم اس پر روشنی ڈال سکو گی کہ داؤد سلیمان کو کیوں اور کس لئے قتل کیا گیا............ سنہری مچھلی کے آدمی مجھ سے جو نیگیٹوز لے گئے ان میں جو عورت ہے اسے زیادتی کا نشانہ بنا کر قتل کس

لئے کیا گیا ہے۔ سنہری مچھلی کون ہے؟ تم مجھے بتا سکتی ہو۔"

"میں ان نیگیٹوز کے بدلے صرف محبت اور قرب کا فائدہ پہنچا سکتی ہوں............" اس نے آہستگی سے کہا۔ "باقی باتیں میں نہیں بتا سکتی............ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اس معاملے میں دلچسپی مت لو۔ ورنہ تم ایک ایسے شکنجے میں پھنس جاؤ گے کہ ساری زندگی نکلنا چاہو تو نکل نہ سکو گے............ شکنجے میں نہیں پھنس سکے تو پھر موت سے بچ نہیں سکو گے۔"

"تم یہ ریوالور اپنے پرس میں رکھ لو اور میرے پاس آؤ اور بیٹھ جاؤ۔" میں نے کہا۔ "یہ سمجھو کہ ہم دونوں کی یہ پہلی ملاقات ہے۔ ہم محبت بھری باتیں کریں گے۔ تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو۔ تم مجھے جو کچھ بھی بتاؤ گی وہ میرے سینے میں ایک راز کی طرح رہے گا۔ کبھی کہیں اور کسی بھی موقع پر تمہارا نام نہیں آئے گا............ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اس کیس میں اتنی دلچسپی لے چکا ہوں کہ وہ ایک دم ختم نہیں ہو سکتی یا یہ سمجھو لو کہ میں اتنی دور جا چکا ہوں کہ واپسی مشکل ہے۔ تم مجھے سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ سنہری مچھلی ان نیگیٹوز کے لئے بہت پریشان کیوں اور کس لئے تھا؟ تم نے مجھے سچ سچ بتا دیا تو میں تمہارے نیگیٹوز تمہاری خدمت میں اس طرح پیش کر دوں گا جس طرح نذرانہ دل پیش کیا جاتا ہے۔"

تبسم کو میرے پاس آ کر بیٹھنے میں کچھ تذبذب سا ہوا۔ میں نے بستر میں اس کے لئے جگہ بنائی کہ وہ آرام سے بیٹھ سکے۔ میرا ڈبل بیڈ اتنا لمبا چوڑا تھا کہ اس میں بیک وقت تین آدمی بڑے سکون و اطمینان سے لیٹ سکتے تھے۔

"تبسم!" میں نے اس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ "بہتر ہے کہ تم خول سے باہر نکل آؤ۔ تم میرے ساتھ ایک رومانی اور بے حد جذباتی سین کر چکی ہو۔ میری جیب سے اپنا ریوالور نکالنے کے لئے............ اب تمہیں کوئی جھجک اور حجاب نہیں ہونا چاہئے۔ کسی مرد پر مہربان ہو جانا اور اس کے ساتھ فیاضی سے پیش آنا تمہارے نزدیک کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ جس طرح جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہے............ اس وقت بھی جائز ہے۔ ایک حقیقت پسند عورت بن جاؤ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس دوستانہ پیشکش کو قبول کرو۔ اس رات کی رنگینی میں اضافہ کرو۔ خوشگوار ماحول بناؤ۔ تمہاری مشکل اس وقت دور ہو سکتی ہے کہ اس ہاتھ لو اور

اس ہاتھ دو......... تم بالکل اس بات سے بے فکر رہو کہ میں تمہارے ساتھ فریب اور دغابازی کروں گا۔ محض ایک بھنورا ثابت ہوں گا۔ میں ایک سچا اور کھرا آدمی ہوں۔"

"نہ جانے کیوں مجھے مردوں پر کوئی بھروسا نہیں رہا۔" اس نے کہا۔ "تم میری بات کا بُرا نہیں ماننا......... میں اس لئے........."

جب میں نے محسوس کیا کہ وہ اس لمحے چوکنا اور مستعد نہیں ہے تو میں نے ایک دم سے اس پر چھلانگ لگا دی۔ ہم دونوں فرش پر گر پڑے۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ میں اس پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ میں نے اسے ایک پہلوان کی طرح چت کر کے بے بس کر دیا۔ وہ پوری طرح میرے قابو میں آ چکی تھی۔ اس کے ہاتھ سے میں نے ریوالور چھین لیا۔ وہ بڑی کسمسائی۔ میری گرفت سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جب اس کی ہر جدوجہد ناکام ہو گئی' دم توڑ گئی تو اس نے اپنے آپ کو میرے رحم و کرم پر اس طرح چھوڑ دیا جیسے ایک ہارا ہوا ملاح اپنی کشتی کو سمندر کی لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے سوا اس کے لئے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"میں نے دانستہ یہ حرکت اس لئے کی کہ تمہیں اعتماد میں لوں۔" میں نے اس کے پاس جا کر ریوالور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "میں چاہتا تو تم سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اپنا ریوالور اپنے پاس رکھو اور میری دوست بن جاؤ۔"

وہ حیران سی رہ گئی۔ اس نے مجھے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر اس ریوالور کو میز پر رکھ دیا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے بستر پر بٹھا لیا۔ "اب غصہ تھوک دو......... میری اس حرکت کا بُرا نہیں ماننا۔" اس کی نفرت اور غصہ ایک دم سرد پڑ گیا اور وہ کہنے لگی۔

"یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ وہ مقتول کی زندگی میں ان نیگیٹوز کے لئے بہت پریشان تھا۔ سنہری مچھلی کے علم میں یہ بات بہت دیر میں آئی کہ ان نیگیٹوز کو مقتول نے خرید لیا ہے۔ قتل سے دو تین دن پہلے کی یہ بات تھی۔ میں وہ نیگیٹوز دیکھے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتی ہوں کہ وہ کیوں اور کس لئے پریشان تھا۔ مجھے کسی وجہ سے وہ نیگیٹوز دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔"

"ایک منٹ۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس تصویریں ہیں۔ میں نے وہ نیگیٹوز اپنے ایک دوست کی دکان سے دھلوا کر ان کی تصویریں بنوا لیں تھیں۔

انہیں ابھی دکھاتا ہوں۔" میں نے اسے یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ اصل نیگیٹوز میرے پاس موجود ہیں۔ میں نے سنہری مچھلی کو' جو نیگیٹوز سے نیگیٹوز بنائے تھے' وہ دیئے ہیں۔

"تم نے تصویریں کس لئے دھلوا لیں؟" تبسم نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"ایسے ہی........." میں نے جواب دیا۔ "سنہری مچھلی نے میرے ساتھ زبردست فراڈ کیا۔ مجھے دھوکا دیا۔"

"اس نے کیا فراڈ کیا.........؟" وہ متعجب لہجے میں بولی۔

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ان تصویروں کے عوض پندرہ لاکھ روپے دے گا۔" میں نے کہا۔

"تو کیا اس نے پندرہ لاکھ روپے نہیں دیئے اور نیگیٹوز ہڑپ کر لئے؟" تبسم نے ساکت پلکوں سے دیکھا۔

"دیئے......... لیکن وہ......... جعلی کرنسی تھی۔ پھر کوئی بیس منٹ کے بعد اس نے پولیس کو میرے ہاں چھاپہ مارنے کے لئے بھیج دیا تاکہ مجھے جعلی کرنسی رکھنے اور فروخت کرنے کے الزام میں جیل کی ہوا کھلا دے۔" میں نے بتایا۔

"پھر کیا ہوا؟ پولیس نے تمہیں گرفتار کر لیا۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"ان نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ جعلی ہیں۔ لہٰذا میں نے انہیں لے جا کر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر ڈال کر آگ لگا دی۔ جب میں گھر واپس آیا تو تھوڑی دیر کے بعد پولیس آ گئی تھی۔ میں فوراً ہی عقلمندی سے کام نہ لیتا تو میری شامت آ جاتی......... سنہری مچھلی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

"آپ واقعی بڑے خوش قسمت ہیں۔" اس نے کہا۔ "ذرا مجھے وہ تصویریں تو دکھائیں۔"

میں نے دوسرے کمرے سے تصویروں والا لفافہ لا کر اس کی گود میں ڈال دیا۔ پہلی تصویر وہ تھی جس میں ایک بدمعاش عورت کا گلا دبا رہا تھا۔ یہ تصویر کچھ ایسے زاویئے سے کھینچی گئی تھی کہ قاتل اور مقتولہ کے چہرے واضح تھے۔

"کیا تم اس بدمعاش اور مقتولہ کے بارے میں جانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "یہ قاتل جو ہے یہی تو سنہری مچھلی ہے۔ مقتولہ کا نام صاعقہ بیگم ہے۔"

"یہ سنہری مچھلی ہے.........!" میں اچھل پڑا۔ "لیکن اس روز اس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس میں اور اس میں فرق ہے۔"

"وہ بہروپ بھرتا رہتا ہے .... یہ اس کی اصل تصویر اور روپ ہے۔" اس نے کہا۔

"جب تم نے اس کے بارے میں اتنا کچھ بتا دیا ہے تو اس کا نام بھی بتا دو۔" میں نے کہا۔

"حیرت کی بات ہے .... تم نے اس تصویر سے اسے نہیں پہچانا؟" تبسم نے متعجب نظروں سے دیکھا۔

میں نے تصویر کو بڑے غور سے دیکھا۔ اگلے لمحے اچھل پڑا۔ "دلاور شاہ؟"

"جی ہاں .... دلاور شاہ۔" وہ بولی۔ "وہی دلاور شاہ جو اس وقت صرف شہر کراچی کی ہی نہیں پورے ملک کی ہر دلعزیز' انسان دوست' سخی' نیک دل اور غریبوں کی ہمدرد شخصیت ہے۔ جو یتیموں' بیواؤں اور بیماروں کی ہر طرح سے مدد کرتا ہے۔ دولت مند بھی ہے۔ جس کی لوگ بڑی عزت کرتے ہیں۔"

"لیکن دلاور شاہ کو دوسری طرف مافیا بننے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جس طرح تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں اسی طرح بڑے لوگوں اور اعلیٰ شخصیات کے بھی دو روپ ہوتے ہیں۔"

"یہ بدنصیب مقتولہ کون ہے؟" میں نے کہا۔ "اس غریب کو کس جرم کی پاداش میں اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا؟"

"اس عورت کا نام صاعقہ ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "یہ ایک امیر ترین خاتون تھی۔ وہ اس کی دوست اور محبوبہ تھی۔ دلاور شاہ کے علم میں یہ بات تھی کہ صاعقہ کو ورثہ میں کتنی دولت ملی ہوئی ہے۔ اس نے شادی سے پہلے صاعقہ کو پیشکش کی تھی کہ وہ اپنی ساری دولت اس کے نام منتقل کر دے تاکہ ہیروئن اسمگلنگ اعلیٰ پیمانے پر شروع کی جا سکے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ذریعے منشیات اسمگل کی جائے۔ ایک نیٹ ورک قائم کیا جائے۔ صاعقہ نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس نے منگنی بھی توڑ دی۔ دلاور شاہ نے صاعقہ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر صاعقہ کو اغوا کر کے اس کی کوٹھی پر لے جایا گیا۔

پہلے تو دلاور شاہ نے اس کی سنگدلانہ طریقے سے بے حرمتی کی۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو موقع دیا۔ کوئی دس بدمعاشوں نے اس کے ساتھ درندگی کی .... پھر کسی بات پر صاعقہ نے اس سے کہا کہ .... تمہاری ماں طوائف تھی۔ تمہارا باپ کون ہے یہ تمہاری ماں بھی نہیں بتا سکتی۔ اس پر دلاور شاہ مشتعل ہو گیا۔ پھر اس نے صاعقہ کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر وہ مر گئی۔ اس کی لاش دوسرے دن سپرہائی وے پر پڑی پائی گئی۔"

"یہ تصویریں کس نے اتاری تھیں' کیا تم اس کا نام جانتی ہو' اس سے واقف ہو' کیا وہ زندہ ہے؟"

"شہریار نے .... وہ ایک فوٹوگرافر تھا۔" تبسم نے جواب دیا۔ "وہ ایک کمرشل فوٹوگرافر تھا۔ اس کا بڑے گھرانوں سے تعلق تھا اور اس کی آمدورفت بھی رہتی تھی۔ وہ ایک بہترین اور ذہین اور منفرد قسم کا فوٹوگرافر تھا۔ ان گھروں میں جب بھی شادی بیاہ' مہندی اور سالگرہ وغیرہ کی تقریبات منعقد ہوتی تھیں تو اسے بلایا جاتا تھا۔ اس کی صاعقہ کے ہاں بھی آمدورفت تھی۔ صاعقہ نا صرف اس کی دوست بلکہ کالج میں ہم جماعت بھی رہ چکی تھی۔ شہریار' صاعقہ سے محبت بھی کرتا تھا لیکن اس نے کبھی اپنی اس محبت کا اظہار نہیں کیا تھا .... اس کے علاوہ شہریار ایک نیک قسم کا بلیک میلر بھی تھا۔ اس کے پاس جدید قسم کے بہت ہی قیمتی کیمرے اور زوم لینس بھی تھے۔ وہ دو برس امریکہ میں رہ کر فوٹوگرافی کی اعلیٰ تربیت حاصل کر کے آیا تھا۔ وہ نامناسب قسم کی تصویریں اتارنے سے نہیں چوکتا تھا۔ وہ ان تصویروں کی مدد سے بگڑے ہوئے مرد اور عورتوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا تھا۔ یہی اس کا معاوضہ ہوتا تھا۔ اس نے میری بھی تصویریں اتاریں .... ان تصویروں میں ایک ماڈل گرل کی تصویر مقتول کے ساتھ ہے۔ اس کا نام فوزیہ ہے.........

یہ محض اتفاق تھا کہ اس کے علم میں یہ بات کسی نہ کسی طرح آ گئی تھی کہ صاعقہ کو اغوا کیا جانے والا ہے۔ صاعقہ کو خبردار کرنے سے پہلے ہی اسے اغوا کر لیا گیا تھا......... وہ دلاور شاہ کی کوٹھی پہنچ گیا۔ وہ صاعقہ کو اس لئے بچا نہیں سکا کہ وہاں تمام مسلح بدمعاش موجود تھے اور پھر پولیس کو اطلاع دینے کا وقت بھی نہیں تھا۔ پھر اس نے تصویریں اتار لیں۔ اس نے ایک روز داؤد حلیمان کو اعتماد میں لے کر یہ تصویریں اس کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر دلاور شاہ کے خلاف کوئی کارروائی کر سکے۔

اس بات کی خبر کبھی نہ کسی طرح دلاور شاہ کو ہو گئی۔ شہریار نے داؤد سلیمان کی کچھ تصویریں بھی اتاری ہوئی تھیں۔ اس نے داؤد سلیمان سے کہا ہوا تھا کہ وہ راہِ راست پر آ جائے۔ اس نے میری تصویروں کا نیگیٹو بھی اسے دے دیا تھا جو تمہارے پاس موجود ہے۔ اس نے صاعقہ کی تصویریں تمہیں دینے کے لئے اس لئے بلایا تھا کہ دلاور شاہ نے اسے قتل کرنے کی دھمکی دی ہوئی تھی۔ دلاور شاہ نے کوئی دو دن قبل شہریار کو اس بات پر قتل کر دیا تھا کہ اس نے صاعقہ کی زیادتی اور قتل کی تصویریں اتار کر داؤد سلیمان کو دے دیں۔ دلاور شاہ کی کبھی داؤد سلیمان سے بنی نہیں تھی۔ ہمیشہ سے اس کی عداوت رہی تھی۔ اس لئے بھی کہ داؤد سلیمان نے مجھے رانی اور فوزیہ کو اس سے ہتھیا لیا تھا۔ ہم تینوں دلاور شاہ کی دل بستگی کے لئے جاتی رہتی تھیں۔ رانی صرف ایک دو مرتبہ گئی تھی۔ مقتول داؤد سلیمان ایک طرح سے راجہ اِندر بنا ہوا تھا۔ رنگین تتلیاں اس کی بہت بڑی کمزوری تھیں۔"

وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ "اچھا تو مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اپنے بارے میں میں تمہیں بتا چکی ہوں .... اور کیا بتاؤں؟ میں کبھی ماڈل رہی تھی۔ میرے دو تین کمرشل آئے لیکن مجھے وہ شہرت اور پیسہ نہیں ملا جس کی میں خواہش مند تھی۔ دلاور شاہ سے ایک نجی تقریب میں ملاقات ہوئی۔ پھر اس نے مجھے اپنی تنظیم میں شامل کر لیا۔ میں دو مرتبہ ہیروئن لے کر یورپ جا چکی ہوں۔ دلاور شاہ نے مجھے اسلحہ چلانے کی تربیت دی۔ میں نے دو تین ماہ تک جوڈو کراٹے بھی سیکھا۔ ایک بار اس کے آدمیوں کے ساتھ جا کر ایک کوٹھی پر ڈاکہ بھی مارا تھا .... پھر میں اس کام سے اُکتا گئی۔ داؤد سلیمان نے مجھے ایک کمرشل میں دیکھ رکھا تھا۔ طارق روڈ پر اس نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا۔ اس نے مجھے ایسی پیشکش کی کہ میں انکار نہ کر سکی۔ جب میں نے دلاور شاہ کے کہنے پر اس سے علیحدگی اختیار کرنا چاہی تو داؤد سلیمان نے مجھے ان تصویروں سے بلیک میل کیا۔ جب میں نے داؤد سلیمان کے قتل کی خبر سنی تو میں گھبرا گئی۔ میں نے اخبار میں چھپنے والی رپورٹیں پڑھیں۔ اس میں ان تصویروں کا اور میرا ذکر نہیں آیا تو میری جان میں جان آئی لیکن دوسری طرف یہ خوف اور تشویش سی پیدا ہوئی کہ کسی دن پولیس کے ہاتھ میری تصویریں لگ گئیں تو میری گردن اس قتل کیس میں پھنس جائے گی۔ میرا خیال تھا کہ وہ نیگیٹوز اس کوٹھی میں ہوں گے۔ ان نیگیٹوز کی جو کاپیاں تھیں وہ تو میں مقتول کے

ہاتھ سے لے کر پھاڑ کر پھینک چکی تھی۔ مقتول نے مجھے ان تصویروں کے نیگیٹوز نہیں دکھائے تھے اور نہ بتایا تھا کہ کہاں رکھے ہوئے ہیں۔ ورنہ میں اسے ضائع کر دیتی۔ اگر وہ قتل نہ ہوا ہوتا تو میں نیگیٹوز اس سے حاصل کر چکی ہوتی۔"

"دلاور شاہ نے اپنا ٹھکانہ کہاں بنا رکھا ہے..........؟ میرا مطلب سنہری مچھلی کے اڈے سے ہے۔" میں نے کہا۔

"ڈیفنس سوسائٹی میں اس کی جو کوٹھی ہے اس میں اس کا اڈا ہے۔ وہاں اس کے آدمی جوا کھیلتے ہیں۔ شراب نوشی کرتے ہیں۔ لڑکیاں بھی لائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ منشیات اور اسلحہ بھی رکھا جاتا ہے۔ شہر میں جتنے شرپسند ہیں اور جرائم پیشہ ہیں ان کے ہاتھوں اسلحہ بیچا جاتا ہے لیکن وہاں اس قدر سخت پہرہ ہے کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی ہے۔" پھر اس نے کوٹھی کا نمبر اور محل وقوع بھی بتایا۔

"کوئی بات نہیں .... لیکن میں اپنے پیروں پر وہاں جاؤں گا تاکہ سنہری مچھلی سے دو دو ہاتھ کر سکوں۔" میں نے کہا۔ "میں کوئی پرندہ نہیں ہوں' آدمی ہوں۔ اس کی کوٹھی میں داخل ہونا میرے لئے قطعی مشکل نہ ہو گا۔"

"میرا مخلصانہ مشورہ تو یہ ہے کہ تم اس اڈے پر جانے کی حماقت نہ کرو۔ کیونکہ اس کے آدمی جو ہیں وہ بڑے خطرناک اور پیشہ ور قاتل ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی لہو پانی سے بھی ارزاں ہے۔ سنہری مچھلی کا حکم ہے کہ کوئی اجنبی اندر گھس آئے تو اسے بلا تامل گولی مار دی جائے۔ اب تک کوئی تین جانیں تلف ہو چکی ہیں۔"

"میں خیال رکھوں گا .... تمہارا بہت بہت شکریہ۔" میں نے کہا۔ "کیا تم عجب خاں کے بارے میں جانتی ہو؟"

"بہت اچھی طرح سے .... وہ سنہری مچھلی کا دستِ راست ہے۔" تبسم نے جواب دیا۔

"وہ کیسا آدمی ہے؟ مستقل طور پر وہ کہاں رہتا ہے؟ اڈے پر یا گھر میں؟"

"وہ سنہری مچھلی کے گروہ میں سب سے خبیث' ظالم' سنگ دل اور کمینہ شخص ہے لیکن اس میں بڑی صلاحیتیں ہیں۔ بہت قابل بھی ہے۔ وہ شہریار کی طرح فوٹوگرافر بھی ہے۔ سنہری مچھلی اس لئے اسے بہت مانتا ہے۔ گو کہ اس کا بیشتر وقت اڈے پر گزرتا ہے لیکن اس کی رہائش لیاری کے علاقے میں ہے۔ اسے وہاں بھی لوگ عجب خان کے نام

سے جانتے ہیں۔"

"بہت ساری کام کی باتیں ہوگئیں .... میرا خیال ہے کہ اب میں تمہارے لئے چائے وغیرہ بنالوں۔" میں نے کہا۔

وہ صبح دس بجے تک میری مہمان رہی۔ بڑی فیاضی اور محبت سے پیش آتی رہی۔ جب وہ جانے لگی تو میں نے اس کی طرف ایک لفافہ بڑھایا۔ اس نے حیرت سے لفافے کی طرف دیکھا۔ "کیا اس میں رقم ہے؟"

"رقم نہیں ہے بلکہ تمہاری دھلی ہوئی وہ تصویریں اور ان کے نیگیٹوز ہیں جن کے لئے تم بہت پریشان ہو؟"

"سچ!" اسے جیسے یقین نہیں آیا۔ اس نے میرے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔ "لیکن تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔"

"میں نے جھوٹ بولا تھا تاکہ تم ساری رات میری مہمان رہو .... اگر میں اس وقت یہ لفافہ دے دیتا تو تم چلی جاتیں۔"

"تم بہت بڑے بد معاش ہو؟" اس نے کہا۔ "تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تمہیں جب کبھی میری ضرورت محسوس ہو تو میرے ہاں آ جانا۔"

پھر وہ اپنا پتا لکھوا کر چلی گئی۔

☆======☆======☆

سنہری مچھلی نے مجھے جو پندرہ لاکھ روپے کی ڈز دی تھی اس نے میرے دل میں نفرت اور انتقام کی آگ بھر دی تھی۔ میں اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ میرے پاس ابھی بھی ٹرمپ کارڈ تھا جس کی مدد سے میں اس سے پندرہ لاکھ کیا تیس لاکھ روپے بھی وصول کر سکتا تھا۔ میرے پاس اس کی جو تصویریں اور نیگیٹوز تھے اس سے وہ پھانسی کے پھندے پر لٹک سکتا تھا لیکن میں منظرِ عام پر آنا نہیں چاہتا تھا اور نہ سہرا اپنے سر باندھنا چاہتا تھا۔ دلاور شاہ کی شخصیت ایسی مشہور و معروف اور بااثر تھی کہ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ تھا۔ وہ اپنے بچاؤ کی بہت ساری تدبیریں کر سکتا تھا لیکن یہ اس کے خلاف ایک ایسا ٹھوس ثبوت تھا جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا لیکن میں اسے قانون کے شکنجے میں کسنے سے پہلے اس سے پندرہ لاکھ روپے معہ سود کے وصول کرنا چاہتا تھا جو کہ اتنا آسان بھی نہ تھا لیکن کوشش کر کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

میں نے عجب خان سے پہلے نمٹنے اور اسے عبرتناک سبق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ وہ ایک شقی القلب شخص تھا۔ ایک پیشہ ور قاتل تھا۔ اس نے میری شرمناک تصویریں رانی کے ساتھ کھینچی تھیں تاکہ مجھے بلیک میل کیا جا سکے۔ اس نے مجھے نہ صرف بلیک میل کیا تھا بلکہ جب وہ نیگیٹوز کے سلسلے میں مجھ سے بات کرنے آیا تو قتل کر دینے کی دھمکی دے کر گیا تھا۔ آخری مرتبہ وہ مجھے قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ اگر میں اسے مطلوبہ نیگیٹوز نہیں دیتا تو وہ مجھے قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ رقم کے ساتھ ریوالور بھی لایا تھا۔ مطلوبہ نیگیٹوز لے کر چلا گیا اور جعلی کرنسی دے گیا۔ مجھے بڑی چالاکی سے بے وقوف بنایا گیا تھا۔

میں دوسرے دن سہ پہر کے وقت اپنے فوٹوگرافر دوست کے اسٹوڈیو پہنچا۔ اس وقت وہ فرصت سے تھا۔ میں نے اس کے ہاتھوں سے اپنا بہروپ بدلا۔ وہ سات برس پہلے لاہور کے ایک فلم اسٹوڈیو میں میک اپ مین رہ چکا تھا۔ اس کی ایک مشہور و معروف اداکارہ سے کسی بات پر تلخی ہو گئی تو اس نے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ پھر اس نے ایک فوٹوگرافر کے پاس ملازمت کر لی۔ وہ لاہور سے تین برس پہلے کراچی آیا اور اپنا اسٹوڈیو کھول لیا۔ اس کا کام چل نکلا۔

اس نے میرا ایسا بہروپ بدلا کہ میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو اپنے آپ کو پہچان نہیں سکا۔ پھر میں نے لیاری کا رخ کیا۔ لیاری کراچی کا سب سے قدیم اور گندا علاقہ ہے۔ یہاں جرائم پیشہ اور منشیات فروشوں کی بہتات ہے۔ جوئے کے اڈے بھی ہیں شراب کشید کرنے والی بھٹیاں بھی ہیں۔ یہ سب کچھ پولیس کی سرپرستی میں ہو رہا تھا۔

عجب خان کا گھر تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کیونکہ وہ لیاری کے علاقے میں شیطان کی طرح مشہور تھا۔ لوگ اسے شیطان ہی کہتے تھے۔ اس کے گھر پر ایک تالا پڑا ہوا تھا۔ اس کے پڑوسی نے بتایا کہ وہ اکیلا رہتا ہے۔ نہ تو اس کے ماں باپ ہیں اور نہ بھائی بہن .... بیوی ہے نہ بچے .... وہ رات نو بجے گھر آتا ہے اور رات گیارہ بجے چلا جاتا ہے۔ پھر صبح دس بجے آتا ہے تو گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان چلا جاتا ہے۔ یہ اس کا برسوں سے معمول ہے۔ وقت کا بڑا پابند ہے۔

میں رات دس بج کر چالیس منٹ پر لیاری پہنچا۔ میں نے اپنی موٹر سائیکل ایک ہوٹل کے سامنے روک دی۔ ہوٹل میں بڑا رش تھا۔ کیونکہ ٹیلی ویژن پر انڈین فلم دکھائی

جا رہی تھی۔ انڈین چینل تھا۔ فلم بڑی ہیجان خیز تھی اور نیم عریاں رقاصاؤں نے قیامت برپا کی ہوئی تھی۔ رقص کی آڑ میں جسم کی نمائش ہو رہی تھی اور جذبات بھڑکائے جا رہے تھے۔

یہاں سے عجب خان کا گھر زیادہ دور نہ تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس گلی کی طرف بڑھا جس میں اس کا گھر تھا۔ گلی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بجلی کے کھمبے تو تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کھمبے پر بھی بلب لگا ہوا نہیں تھا۔ اس علاقے میں غریبوں کی بہت بڑی آبادی تھی لیکن انہیں کوئی سہولت حاصل نہ تھی۔ دو تین مرتبہ عوامی حکومت برسراقتدار آئی تھی۔ اس نے بہت وعدے کئے۔ سبز باغ دکھائے۔ ووٹ لے کر طوطا چشم بن گئے۔ ان کے لئے نہ تو کوئی سڑک بنائی گئی اور نہ صفائی کا انتظام کیا گیا۔ گلیوں میں تعفن اٹھتا تھا۔

عجب خان کے گھر پر تالا نہیں تھا۔ اندر سے روشنی دروازے کے نیچے سے جھانک رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عجب خان اندر موجود تھا۔ دروازے پر دستک دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو دروازہ بھڑا ہوا سا لگا۔ میں نے اسے آہستہ سے دھکا دیا تو وہ کھل گیا اس کمرے میں کوئی نہ تھا۔ وہ خالی پڑا تھا۔ اس کمرے میں ایک چارپائی اور دو تین کرسیاں پڑی تھیں۔

میں بلاخوف و خطر اندر داخل ہو گیا۔ میری جیب میں ایک بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔ اس پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ یہ تبسم کا ریوالور تھا جو وہ بھول گئی تھی۔ میں نے اس کے زور زور سے گانے کی آواز سنی جو صحن سے سنائی دے رہی تھی۔ وہ شاید نہا رہا تھا۔ جب میں دوسرے کمرے سے ہوتا ہوا صحن میں آیا تو میرا قیاس درست ثابت ہوا۔ وہ غسل خانے میں برہنہ کھڑا ہوا نہا رہا تھا۔ شاور کے عین نیچے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ اور بالوں میں صابن لگا ہوا تھا۔ معاً میری نگاہ ایک ڈنڈے پر پڑی جو باورچی خانے کے باہر پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھالیا۔ اس نے آہٹ سن لی تھی۔ پھر اس نے بلند آواز میں پوچھا۔ "شیخو! کیا ہوا؟ لونڈیا آ رہی ہے کہ نہیں..........؟"

اس نے اپنا جملہ پورا ادا نہ کیا تھا کہ میں نے اپنی پوری قوت سے اس کی کھوپڑی پر ڈنڈے سے ایک زوردار ضرب لگائی۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکلی۔ وہ تیورا کر منہ کے بل گرا' وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ پھر میں نے ڈنڈے کی ضربوں سے اس کے ہاتھ پیروں

کی ہڈیاں اور پسلیاں توڑ ڈالیں۔ پھر میں وہاں رکا نہیں کیونکہ اس کا کوئی آدمی جو شیخو نام کا تھا وہ کسی لڑکی کو لے کر آنے والا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس سے مڈبھیڑ ہو۔ مجھے اس کی بھی مزاج پرسی نہ کرنا پڑے۔ مجھے شیخو سے کوئی حساب کتاب نہیں کرنا تھا۔ میرا دشمن عجب خان تھا۔ میں نے اس سے عجب طریقے سے انتقام لے لیا تھا۔ میں ایک فاتح کی حیثیت سے گھر پہنچا تو اس وقت بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ اس وقت میں ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ میں نے سنہری مچھلی کے دستِ راست کا حشر نشر کر دیا تھا۔ اسے برسوں کے لئے ناکارہ بنا دیا تھا۔ اب وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ کسی کو قتل کرے' تصویریں اتارے' بلیک میل کرے۔ ایک لحاظ سے میں نے سنہری مچھلی کا بازو الگ کر دیا تھا۔

میں بستر پر دراز ہو کر سوچنے لگا کہ اب میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے' سنہری مچھلی سے کس طرح پندرہ لاکھ کی رقم وصول کروں؟ اس کی ایک ہی صورت تھی کہ میں اسے بلیک میل کروں۔ اپنی طرف اور اپنے نام سے نہیں بلکہ کسی گمنام شخص کی طرف سے..........
میں سوچ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف تبسم تھی۔ وہ دہشت زدہ لہجے میں بولی۔

"سکندر صاحب! میں سنہری مچھلی کی قید میں ہوں.......... مجھے اغوا کر کے تھوڑی دیر پہلے یہاں لایا گیا ہے۔ اسے کسی طرح پتا چل گیا کہ میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے.......... اس کے دو تین آدمی آپ کی طرف آ رہے ہیں تاکہ آپ کو مار ڈالیں.......... آپ.......... پلیز.......... کہیں فرار ہو جائیں.........."

پھر اس نے اچانک گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب یہاں میرا رکنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں فوراً ہی گھر بند کر کے نکلا۔ اس وقت میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں؟ کیا اپنے صحافی دوست اجمل کے ہاں چلا جاؤں؟ لیکن میں نے دوسرے لمحے تبسم کی مدد کرنے اور اسے رہائی دلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ٹیلی فون کر کے میری جان بچائی تھی۔ شاید اس کے پاس موبائل تھا جس سے اس نے رابطہ کیا تھا۔ میں یہ سوچتا ہوا گلی کے نکڑ پر پہنچا تھا کہ ایک گاڑی تیزی سے گلی میں داخل ہو کر میرے مکان کے سامنے رکی۔ اس میں سے تین بدمعاش ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اترے اور دروازے پر دستک دینے لگے۔ ان کی نظر تالے پر نہیں پڑی تھی۔ ان بدمعاشوں نے

قریب سے گزرتے ہوئے مجھے اس لئے بھی نہیں پہچانا تھا کہ میں نے بہروپ بھرا ہوا تھا۔

پھر میں برق رفتاری سے سنہری مچھلی کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی کوٹھی پر پہنچنے میں مجھے اس لئے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ تبسم نے نہ صرف اس کا محل وقوع بتایا تھا بلکہ اس کا نمبر اور رنگ بھی۔ میں نے کوٹھی سے قدرے فاصلے پر ایک دوسری کوٹھی کے گیٹ پر موٹر سائیکل کھڑی کر دی۔ پھر میں چاروں طرف کا جائزہ لیتا ہوا کوٹھی کی طرف بڑھا۔

تبسم نے مجھے مدد کے لئے نہیں کہا تھا بلکہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی جان بچاؤں۔ فرار ہو جاؤں لیکن میں ایک انسانی جذبے کے ناتے اس کی مدد کرنے کے لئے آیا تھا جو آسان نہیں تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ سنہری مچھلی تبسم کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ اسے کیا سزا دیتا ہے۔ اس بات کا امکان تھا کہ اسے ایذائیں دے کر شاید ہلاک کر دیا جائے۔

اس کوٹھی میں، میں عقبی راستے سے ہی داخل ہو سکتا تھا۔ چونکہ اس کی دیواریں زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ اس لئے میں اس پر چڑھ کر آسانی سے اندر اتر گیا۔ نیچے اوپر کے دو ایک کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ اندر کیسے داخل ہوا جائے' میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مجھے یہ بھی تو نہیں معلوم تھا کہ تبسم کس کمرے میں قید ہے۔ میں تو منہ اٹھائے چلا آیا تھا۔ میں اس کوٹھی میں دوسری مرتبہ آیا تھا۔ جب مجھے پہلی بار لایا گیا تھا تو بے ہوشی کی حالت میں .... میں کچھ سوچ رہا تھا کہ مجھے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں آواز کی سمت بڑھا اور ٹھٹک کے رک گیا۔ لان میں کرسیاں پڑی تھیں۔ ایک کرسی پر سنہری مچھلی براجمان تھا۔ اس کے سامنے تبسم کھڑی تھی۔ تبسم کے پیچھے تین چار قدم پر دو مسلح بدمعاش کھڑے ہوئے تھے۔ سنہری مچھلی تبسم سے کچھ سوالات کر رہا تھا۔ تبسم کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ کھڑی کانپ رہی تھی۔ کیونکہ فاصلہ خاصا تھا اس لئے مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا کہ سنہری مچھلی اس سے کیا پوچھ رہا ہے' کیا کہہ رہا ہے۔

اسی لمحے گیٹ کھلا۔ ایک گاڑی اندر داخل ہو کر رک گئی۔ اس میں سے دو بدمعاش اترے اور لان کی طرف لپکے۔ یہ وہ گاڑی اور بدمعاش نہیں تھے جو میرے گھر کے سامنے رکی تھی اور اس میں سے اترے تھے۔ میں دو قدم آگے بڑھا۔ میں ابھی بھی اندھیرے میں تھا۔ ان میں سے ایک بدمعاش کہنے لگا۔ "باس! معلوم نہیں کس نے عجب خان کا

عجب حال کر دیا .... اس کے ہاتھ پیروں اور جسم کی ہڈیاں توڑ دی گئی ہیں۔ ہم اسے ہسپتال میں داخل کر کے آئے ہیں۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے اس کے سر میں اندرونی چوٹیں آئی ہیں۔ وہ تین دن سے پہلے شاید ہی ہوش میں آ سکے۔ اس کے پاس شرافت کو چھوڑ کر آئے ہیں۔"

"کل تم میں سے کوئی اس کے محلے میں جا کر پتا لگاؤ کہ کس نے اس کے ساتھ بدمعاشی کی ہے؟ اس کا پتا چل جائے تو پھر اسے زندہ نہیں چھوڑنا اگر عجب خان کو کچھ ہو گیا تو یہ بہت بڑا .... نقصان ہو گا۔" سنہری مچھلی نے کہا۔

"اس کے محلے میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو اس کا دشمن ہو۔" دوسرے بدمعاش نے کہا "کیونکہ اس سے محلے کے لوگ بہت ڈرتے تھے۔ وہ دس برس سے وہاں رہ رہا ہے۔ آج تک کسی نے اس کے منہ لگنے اور اس سے الجھنے کی کوشش نہیں کی۔"

"باس! میرا خیال ہے کہ پولیس کے کسی آدمی نے اس کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ کیونکہ وہ اس علاقے کے بھتہ خوروں کو گھاس نہیں ڈالتا تھا اور انہیں کبھی بھتہ نہیں دیا۔ اسے دو ایک مرتبہ بدکاری کے الزام میں پولیس نے گرفتار کیا تو آپ نے اسے رہائی دلوائی تھی۔ اس لئے پولیس اس سے خار کھاتی آ رہی ہے اور یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی پشت پر کوئی ہے۔"

"جو کوئی بھی ہو اور جس نے بھی عجب خان کا یہ حشر کیا ہے اس کا حشر اس سے بھی بدتر ہونا چاہئے۔ کوشش اس بات کی کرنا کہ اسے زندہ یہاں لے آنا تاکہ اسے فرائی کیا جا سکے۔ بہت دنوں سے بھٹی سرد پڑی ہوئی ہے۔" وہ سفاک لہجے میں بولا۔

"ہم صرف دو دن میں اس حرام زادے کو تلاش کر لیں گے باس! اسے یہیں لے کر آ جائیں گے۔"

"اور ہاں سنو!" سنہری مچھلی نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "میں نے کالو' لنگڑے اور موٹے کو سکندر کے گھر بھیجا ہے جو کرائم رپورٹر ہے تاکہ اسے موت کی نیند سلا دیں۔ وہ ہمارے لئے بے حد خطرناک بن گیا ہے۔ کیونکہ اس کمینی تبسم نے اسے ہمارے بارے میں' اس ٹھکانے کے بارے میں بتا دیا ہے۔ کل رات بٹ نے تبسم کو پُراسرار انداز سے سکندر کے مکان کی طرف جاتے ہوئے اتفاق سے دیکھ لیا تھا۔ اس نے ساری رات سکندر کے ساتھ گزاری اور ہمارے بارے میں بہت کچھ اُگل دیا۔ بٹ نے اپنے کانوں سے سنا۔

اس بے وقوف کو چاہئے تھا ان دونوں کو اسی وقت ختم کر دیتا جب دونوں دنیا و مافیہا سے بے نیاز تھے۔ ایسے وقت میں معلوم نہیں کیوں عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔ میں سکندر کی موت کی خبر سننے کے لئے جاگ رہا ہوں۔ ایسا کرو تم دونوں بھی وہاں چلے جاؤ۔ اسے زندہ لا سکتے ہو تو لے آؤ .... تاکہ اسے بھی فرائی کیا جا سکے۔ اس کا کڑاہی گوشت بنا کر کتوں کو کھلایا جائے۔"

وہ دونوں اسی گاڑی میں واپس چلے گئے۔ گیٹ پر دو مسلح پہرے دار موجود تھے۔ وہ کسی قبائلی علاقے کے لگ رہے تھے۔ ان کے قد ساڑھے چھ فٹ سے کم نہیں تھے۔ وہ دور سے دیو کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ بہت مستعد تھے۔

"اس کمینی کو تہہ خانے میں لے کر چلو .... میں ایک ضروری ٹیلی فون کر کے آتا ہوں۔" سنہری مچھلی نے مسلح بدمعاشوں سے کہا۔

"نہیں .... نہیں........." تبسم دہشت زدہ ہو گئی۔ پھر وہ سنہری مچھلی کے پیروں پر گر پڑی۔ "خدا کے لئے مجھے اتنی بڑی سزا نہ دو .... میں نے اسے آپ کے بارے میں اس لئے بتایا کہ اس کے پاس میری تصویریں اور نیگیٹوز تھے۔"

"تم نے ہمیں بتایا ہوتا تاکہ ہم اس سے تمہاری تصویریں وصول کر کے دیتے۔" سنہری مچھلی نے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ ہم اپنے دشمن کو نہ تو معاف کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی رعایت کرتے ہیں۔ جب کہ یہ جرم بہت سنگین اور ناقابلِ معافی ہے۔ وہ کئی اخباروں کا نمائندہ ہے۔ کرائم رپورٹر ہے۔ پولیس کے افسران سے اس کے تعلقات ہیں۔ گو کہ وہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن میری ذات پر کیچڑ اچھال سکتا ہے۔ مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے۔"

"مجھے معاف کر دیں۔" وہ اس کے پیر پکڑ کر گڑگڑانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ "میں نے آپ کی بہت خدمت کی ہے۔ میں نے ہر بات آپ کی مانی ہے۔ آپ کے کسی کام سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ مجھ پر رحم کریں۔"

"رحم.........!" سنہری مچھلی نے استہزائی انداز میں کہا۔ "صرف دلاور شاہ کے دل میں دنیا داروں کو دکھانے کے لئے ہوتا ہے۔ سنہری مچھلی کے دل میں نہیں .... اس وقت میں سنہری مچھلی ہوں۔ تم یہ بات جانتی ہو کہ میرا رحم کیسا عجیب اور کس قدر دردناک ہوتا ہے۔"

"یہ میں نے پہلی غلطی کی ہے .... آپ مجھے معاف کر دیں۔ میرے لئے ایسی سزا نہ تجویز کیجئے۔ خدا کے لئے رحم کریں۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔

"تمہارے لئے کوئی اور سزا تجویز کرتے ہیں۔" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں سوچنے دو۔"

سنہری مچھلی سگریٹ کے کش لیتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ پھر میں بھی سوچنے لگا۔ میری جیب میں ایک بھرا ہوا ریوالور تھا۔ یہ تو ٹھیک تھا کہ میں زیرِ زمین دنیا کا کبھی باسی رہ چکا تھا لیکن جیمز بانڈ نہ تھا۔ یہ حقیقی دنیا تھی۔ اس وقت جیمز بانڈ کی طرح اس حسینہ کو یہاں سے نکال کر لے جا نہیں سکتا تھا۔ اسے لے جانا ایسا مشکل اور ناممکن بھی نہ تھا۔ صرف تدبیر کی بلکہ جرأت اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ قسمت کا بھی ساتھ دینا بہت ضروری تھا۔ ایک تو دو بدمعاش کلاشنکوفوں سے مسلح تھے۔ گیٹ پر بھی دو مسلح بدمعاش موجود تھے۔ سنہری مچھلی کی پشت میری جانب تھی۔ وہ مجھ سے دس بارہ قدم پر تھا۔ اگر میں سنہری مچھلی کو قابو میں کرنے کے لئے برق رفتاری سے بھی لپکتا تو وہ بدمعاش مجھے بھون دیتے۔ لہٰذا میں اپنی جان خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ میں موقع کی تلاش میں تھا کہ سنہری مچھلی کو قابو میں کر کے تبسم کو یہاں سے نکال لے جاؤں۔

سنہری مچھلی نے سگریٹ کے دو تین لمبے کش لینے کے بعد تبسم کے بالوں کو پکڑ کر بے رحمی سے جھکا ہوا سر اپنے پیروں پر سے اٹھایا۔ پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی پر رحم نہیں کھایا اور نہ کوئی رعایت کی ہے۔ میں تم پر صرف اور صرف اس لئے رحم کھا رہا ہوں کہ تم بہت حسین اور نوجوان ہو۔ تمہارے پُرشباب جسم میں بڑا گداز ہے۔ تم نے واقعی مجھے بہت خوش کیا اور فائدہ پہنچایا۔ میں نے اس کے صلے میں تم پر کوئی احسان نہیں کیا .... آج میں تم پر احسان کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم سکندر کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو۔ میں تمہیں صرف دو دن کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر تم نے اسے قتل نہیں کیا تو پھر مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" تبسم نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں کوشش کروں گی کہ اسے ایک ہی دن میں ختم کر دوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" سنہری مچھلی نے خوش ہو کر کہا۔ "لیکن تم اسے شوٹ نہیں کرو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ اتنی آسان موت مرے۔"

"پھر میں اسے کس طرح سے قتل کروں؟" تبسم نے اس کی طرف متعجب نظروں سے دیکھا۔ "کیا اسے کسی چلتی گاڑی کے آگے دھکا دے دوں؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے جسم کو خنجر کے وار سے چھلنی کر دو۔ اس میں اتنے شگاف ڈال دو کہ ان کا شمار نہ ہو سکے۔" سنہری مچھلی نے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا جیسا آپ چاہتے ہیں۔ مجھے ایک خنجر اور اس کے علاوہ بے ہوشی کی دوا بھی فراہم کی جائے۔" تبسم بولی۔

"بے ہوشی کی دوا کس لئے؟" سنہری مچھلی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس لئے کہ اس کی چائے میں بے ہوشی کی دوا ملا دوں۔ جب وہ بے ہوش ہو جائے تو پھر خنجر سے اس کے جسم کے ٹکڑے کر دوں۔"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ جب وہ پوری طرح ہوش میں ہو تو اسے تم قتل کرو............ میں تمہیں ایک خاص قسم کے زہر میں بجھا ہوا خنجر دوں گا۔ اس کی خراش ہی موت بن جاتی ہے۔ اس سے مرنے میں بمشکل ایک منٹ بھی نہیں لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو تمہارے خوبصورت ہاتھوں سے مرتا ہوا دیکھے............ اگر تم نے اسے دو دن میں قتل کر دیا تو پھر تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔" سنہری مچھلی نے کہا۔

"آپ کے آدمی تو اسے قتل کرنے گئے ہوئے ہیں............ شاید وہ اسے اب تک قتل کر چکے ہوں۔" تبسم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"میں ابھی معلوم کرتا ہوں............" سنہری مچھلی نے جیب سے موبائل فون نکالتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے ابھی تک اسے ٹھکانے نہیں لگایا ہے ورنہ اطلاع آ جاتی............ شاید وہ اب تک گھر نہیں پہنچا ہو گا۔ کہیں رپورٹنگ کرنے گیا ہو گا۔"

سنہری مچھلی نے موبائل پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا۔ ادھر سے اسے بتایا گیا کہ میں نہیں پہنچا ہوں۔ اس نے انہیں واپسی کا حکم دیا۔

"ہاں............ وہ اب تک گھر نہیں پہنچا ہے۔" سنہری مچھلی اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو اندر چلو' آج جشن مناتے ہیں۔ بہت دن ہوئے تمہارے قرب کو۔"

اسی لمحے گیٹ کے باہر ایک گاڑی آ کر رکی۔ اس نے ہارن دیا۔ پہریدار نے گیٹ کی کھڑکی میں سے جھانکا۔ پھر اس نے گیٹ کھول دیا ایک مرسڈیز گاڑی اندر آئی۔ اس میں سے ایک خوش پوش اور دراز قد شخص اترا۔ اس کی فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ اس نے

چشمہ پہنا ہوا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ وہ بریف کیس لے کر لان کی طرف بڑھا۔ اس نے سنہری مچھلی اور تبسم سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ بریف کیس سنہری مچھلی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بیس لاکھ روپے ہیں۔ اسلحے کی فہرست بھی ہے۔ کل شام تک ڈلیوری ہو جانا چاہئے۔"

"کل جس وقت چاہے آ کر مال لے جاؤ............" سنہری مچھلی نے جواب دیا۔ قریب کھڑے ہوئے مسلح بدمعاش کو بلایا۔ "اسے لے جا کر نشست گاہ میں میز پر رکھ دو۔" پھر اس نے اپنے مہمان سے کہا۔ "اندر چلو............ کچھ پی لو............ ادھر ساقی بھی موجود ہے۔"

"اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں۔ کیونکہ ایک میٹنگ ہو رہی ہے۔ میری شرکت ضروری ہے۔" اس نے جواب دیا۔

جب وہ چلا گیا تو سنہری مچھلی نے تبسم کی مرمریں کمر کو بازو کے حلقے میں لیا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں مسلح بدمعاش سرونٹ کوارٹر کی طرف چلے گئے۔ گیٹ کے پاس جو پہریدار تھے وہ دیوار اور گیٹ کے پاس بنی ہوئی کوٹھری میں گھس گئے۔ اب اس طرف کوئی نہ تھا۔ میں برآمدے کی طرف جا سکتا تھا لیکن اب عمارت کے اندر جانے کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ تبسم نے سنہری مچھلی سے رحم کی جو بھیک مانگی تھی وہ اسے مل گئی تھی۔ اب وہ میری جانی دشمن بن چکی تھی۔ اس نے میرے قتل کا منصوبہ بھی بنا لیا تھا۔

میرے دل کے کسی کونے میں ایک آوارہ سا خیال آیا کہ............ کاش! یہ بیس لاکھ کی رقم مجھے مل جائے تاکہ میں ملک سے باہر نکل جاؤں۔ وہاں ایک لمبا عرصہ سکون و اطمینان سے گزاروں لیکن بیس لاکھ کی یہ رقم ایک ایسا خواب تھا جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے سوچا کہ اب مجھے یہاں سے فوراً نکل کر گھر پہنچنا چاہئے تاکہ تبسم کے ہاتھوں سے بچنے کی تدبیر کر سکوں۔ اب یہاں ایک منٹ رکنا بھی فضول تھا۔ میں واپس جانے کے لئے مڑا۔ چند قدم چلا تھا کہ ٹھٹک کے رک گیا۔ وہ نشست گاہ کی کھڑکی تھی۔ پردوں کے درمیان ایک جھری سی تھی جس میں سے میز دکھائی دے رہی تھی۔ میز پر وہی بریف کیس رکھا ہوا تھا جس میں بیس لاکھ کی رقم رکھی ہوئی تھی۔ میرے دل میں لالچ آ گیا۔ پھر میں نے اس بریف کیس کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس لئے بھی

کہ سنہری مچھلی کو یہ دوسری چوٹ دوں۔ کیونکہ اس نے بھی مجھے پندرہ لاکھ کی چوٹ دی تھی۔ بیس لاکھ کی رقم ملنے کا مطلب یہ تھا کہ مجھے میرے پندرہ لاکھ معہ سود وصول ہو گئے۔

میں نے کھڑکی کے پٹ کھولنے کی کوشش کی تو وہ کھل گئے۔ اندر سے اس کی چٹخنی لگی ہوئی نہیں تھی۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا .... اس میں گرل بھی نہیں لگی ہوئی تھی۔ کھڑکی میں سے دو آدمی بیک وقت اندر آ جا سکتے تھے۔ میں نے اندر جھانکا۔ اندر میدان صاف تھا۔ نشست گاہ خالی پڑی تھی۔ ایک کونے میں شاید بیڈ روم تھا اس میں سے تبسم کے چہکنے اور ہنسنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ایک پل بھی ضائع نہیں کیا۔ نشست گاہ میں اتر گیا۔ چند لمحوں کے بعد دھڑکتے دل سے بریف کیس لئے کھڑکی سے باہر آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں برق رفتاری سے گھر کی جانب چل پڑا۔ گلی سے جیسے ہی داخل ہوا' دو گاڑیاں جو میرے غریب خانے پر میرے درشن کے لئے گئی تھیں وہ میرے پاس سے گزر گئیں۔ میں جس تیز رفتاری سے جا رہا تھا اس سے کہیں تیزی سے میرا ذہن سوچ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مجھے شیخ چلی کے خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ مجھے اس بات کا یقین نہیں آیا کہ میں بیس لاکھ روپے کا مالک بن چکا ہوں۔ میں چشم تصور میں اس طوفان کو دیکھ رہا تھا جو صبح بریف کیس نہ پا کر آنے والا تھا۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ سنہری مچھلی اپنے آدمیوں کا کیا حشر کرتا ہے۔ وہ بریف کیس وہاں سے گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

گھر پہنچ کر میں نے بریف کیس کچن میں لے جا کر سامان کے پیچھے چھپا دیا۔ پھر میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں سنہری مچھلی کی تصویریں لے کر اعلیٰ احکام سے ملوں۔ ان سے ملنا جوئے شیر لانے سے مشکل تھا۔ کیونکہ یہ لوگ عام قسم کے لوگوں سے ملتے نہیں ہیں۔ پولیس افسران سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ ان میں بھی کالی بھیڑیں تھیں۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ .... اگر دلاور شاہ کے خلاف کوئی ایکشن فوری طور پر نہیں لیا گیا تو میرا کیا انجام ہو گا؟ مجھے کوئی تحفظ ملنے کا امکان نہیں تھا۔ تحفظ ملنے کی صورت میں بھی میرا تیا پانچہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ میں مخبری کا خطرہ مول نہ لوں۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ملک سے باہر چلا جاؤں۔ ہندوستان' بنگلہ دیش' سنگاپور' سری لنکا اور بنکاک میں سے کسی ایک ملک کا انتخاب کرنا تھا۔ پھر میں نے ہندوستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ میں ہندوستان متعدد بار جا چکا تھا۔ ممبئی' دہلی اور کچھ شہروں میں میرے ہندو دوست بھی تھے۔ ہندوستان ایک سستا ملک تھا۔ میں وہاں سکون و اطمینان اور پُرتعیش زندگی گزار سکتا تھا۔ میں وہاں کی فضا اور ماحول سے مانوس تھا۔ وہاں جو صحافی دوست تھے وہ تیزی سے میرے ویزا میں بھی توسیع کروا سکتے تھے۔

میں نے الماری کے اوپر سے اپنا سفری سوٹ کیس اتارا۔ اس میں چند جوڑے کپڑے اور زیر جامے اور شیونگ کٹ رکھ لی اور پاسپورٹ وغیرہ بھی رکھ لیا۔ میں نے اب تک بریف کیس کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ بریف کیس کھولا۔ اس میں ہزار ہزار کے نوٹوں کی کل بیس گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے نوٹ چیک کئے۔ وہ اصلی ہی تھے۔ اس میں ایک فہرست اسلحے کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ اسلحہ تخریبی کارروائی کے لئے خریدا جا رہا تھا۔ اس فہرست میں چار ٹائم بم بھی تھے۔

میں اسی وقت جا کر اس گھر سے وہ بریف کیس لے آیا جس میں جعلی کرنسی اور نیگیٹوز والا لفافہ تھا۔ میں نے اسی وقت جعلی کرنسی باورچی خانے میں جا کر لوہے کی بالٹی میں ڈال کر نذر آتش کر دی۔ پھر اس کی راکھ نالی میں بہا دی۔ پھر میں نے رانی کے نیگیٹوز اور سنہری مچھلی کے نیگیٹوز اپنی جیب میں رکھ لئے۔ نشست گاہ میں صوفے پر بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنے لگا۔

صبح ہوتے ہی میں نے اس مکان کی چابی جو میرے پاس امانت تھی' اس کے مکان کے پڑوسی کو دے دی۔ اس سے کہا کہ میں ایک دو ماہ کے لئے پنجاب جا رہا ہوں۔ پھر میں وہاں سے سیدھے کریم بھائی دانہ والا کے ہاں دس لاکھ کی رقم لے کر پہنچا جو ہنڈی کا کام کرتے تھے۔ پھر میں نے بینک پہنچ کر لاکر میں دس لاکھ کی رقم' رانی کے اور سنہری مچھلی کے نیگیٹوز رکھ دیئے۔ پھر گھر آ کر میں نے رانی کو ٹیلی فون کر کے بتایا کہ اس کی میری تصویریں اور نیگیٹوز مل گئے ہیں۔ وہ میں نے لاکرز میں رکھ دیئے ہیں۔ پنجاب سے واپس آ کر دے دوں گا۔ میں نے بینک اکاؤنٹ سے دس ہزار کی رقم نکال لی۔ پھر میں نے اپنا گھر مقفل کیا۔ سیدھا پی آئی اے آفس پہنچا۔ میں نے ٹیلی فون کر کے راشد سے بات کر لی تھی۔ اس نے اسلام آباد کا ٹکٹ میرے نام سے بک کر لیا تھا۔ تبسم کا جو ریوالور تھا وہ میں نے

گٹر میں پھینک دیا تھا۔

میں نے دوسرے دن انڈین ویزا آفس پہنچ کر قطار میں لگ کر ویزا حاصل کر لیا۔ میرا یہ پاسپورٹ صحافی والا نہ تھا۔ میں کسی وجہ سے ہندوستان اس پاسپورٹ پر سفر نہیں کرتا تھا۔ پھر میں ویزا لے کر لاہور آیا۔ میں دوسری شام کے وقت دہلی کے ہوٹل میں آرام کر رہا تھا۔ پھر میں دوسرے دن راج دھانی ایکسپریس سے ممبئی روانہ ہو گیا۔ ممبئی میرا دوست ہری کرشن رہتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہو گیا۔ بڑے والہانہ اور پُرجوش انداز سے مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ ایک روزنامے میں سب ایڈیٹر تھا۔ اس کی بیوی اور دو بچے تھے۔ اس کی بیوی کا نام رتنا دیوی تھا۔

وہ دوسری منزل پر رہتا تھا۔ تیسری منزل پر اس کے ایک دوست کا فلیٹ تھا جو امریکہ گیا ہوا تھا۔ وہ خالی تھا اور اس کی چابی ہری کرشن کے پاس تھی۔ چونکہ اس کی واپسی میں چھ سات ماہ کا عرصہ باقی تھا اس لئے اس نے مجھے اس وقت تک کے لئے دے دیا۔

☆======☆======☆

دو ماہ کا عرصہ بڑے سکون و اطمینان سے گزر گیا۔ میں اپنا وقت سیر و تفریح، فلم دیکھنے اور ہوٹل بازی میں گزارتا تھا۔ ہری کرشن کی بیوی اور بچوں اور ہری کرشن کو تفریحات اور فلموں کے شوز اور ہوٹلوں میں بھی لے جاتا تھا۔ فلموں کے جو پریمیئر شوز، فلمی اور غیر فلمی تقریبات میں جو شرکت کرتا تھا اس کے دعوت نامے ہری کرشن مجھے لا کر دیتا تھا۔ دوستوں کا حلقہ بھی وسیع ہو گیا تھا۔ لڑکیوں اور عورتوں سے بھی دوستی ہو گئی تھی جو فیشن ایبل، ماڈرن اور آزاد اور روشن خیال قسم کی تھیں۔ ان میں سے کچھ سے میری دوستی، دوستی کی حد سے تجاوز کر گئی جس سے میری راتیں اور دن کی گھڑیاں بھی رنگین اور پُرکیف گزرتی تھیں۔ یوں میرا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ میں نے یہاں محسوس کیا تھا ہندوستانی عورتیں امریکی عورتوں سے آزاد خیالی اور فیاضی میں کم نہیں ہیں۔ اس معاشرے نے مغربی تہذیب کا گہرا اثر قبول کیا ہوا تھا۔ ایک طرح سے ہندوستان کے بڑے بڑے شہر مغرب زدہ ہو گئے تھے۔ نئی نسل اتنی آگے جا چکی تھی کہ اس کا تصور کہیں اور سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نائٹ کلب بھی تھے۔ نیوڈ کلب اور سیکس پارٹیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ بلیو فلمیں بھی بن رہی تھیں۔ ان کی خلیج کے ممالک میں بڑی مانگ بھی تھی۔ اب ہندوستان پر کسی یورپی ملک کا دھوکا ہونے لگا تھا۔

حسین ساحرہ سریتا سے میری ملاقات بڑے عجیب و غریب حالات میں ہوئی تھی۔

میں شام کے وقت سندھی مارکیٹ سے رتنا بھابی اور بچوں کے لئے ملبوسات خریدنے آیا تھا۔ ہری کرشن گو کہ اسسٹنٹ ایڈیٹر تھا لیکن اس کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ وہ آسانی سے گزارہ کر سکے۔ مہنگائی نے کمر توڑ رکھی تھی۔ میں ہر ماہ ہزار روپے کھانے کے لئے دے رہا تھا۔ اس میں صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا شامل تھا۔ رات کا کھانا میں عموماً باہر ہی کھاتا تھا۔ لڑکیاں اور مرد دوست میرے ساتھ ہوتے تھے۔ میں نے رقص بھی سیکھ لیا تھا کیونکہ لڑکیاں اور عورتیں رقص کی دلدادہ تھیں۔ شراب نوشی کی عادی تھیں۔ میں نے

شراب کو ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا۔ صرف بیڑی پی لیتا تھا۔ ایک مرتبہ وسکی بھی چکھ لی تھی۔ میں نائٹ کلب بھی چلا جاتا تھا۔ نیوڈ کلب کا ممبر بھی بن گیا تھا۔ اس نیوڈ کلب کے ایک ممبر نے بتایا کہ "کپل" کلب بھی ہے۔ اس کی شرط یہ تھی کہ عورت ساتھ ہو۔ چاہے وہ بیوی ہو یا گرل فرینڈ .... اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اکثر لوگ اپنی بہنوں کے ساتھ بھی آتے تھے۔ یہ رقم میں جو خرچ کر رہا تھا سنہری مچھلی کی تھی لیکن اسے پانی کی طرح بہا نہیں رہا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر خرچ کر رہا تھا۔ لڑکیوں کی دوستی اور تعلقات جیب سے مشروط تھے۔ چونکہ مجھے ہندوستان میں سال ڈیڑھ سال رہنا تھا اس لئے رقم کو بہانا نہیں تھا۔ دس لاکھ کی رقم خطیر تھی لیکن آج کے دور میں قارون کا خزانہ بھی چند دنوں میں اڑایا جا سکتا تھا۔ میں ایک سٹور کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک غیر ملکی سیاح عورت کو دیکھ رہا تھا جس کے نامناسب لباس نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ سامنے سے آتی ہوئی ایک عورت سے میں ٹکرا گیا۔ اس عورت کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ہاتھوں میں پکڑے ہوئے پیکٹ اور ناک کی نوک پر ٹکا ہوا بڑے شیشوں والا دھوپ کا چشمہ نیچے گر گیا۔ چشمے کے شیشے نیچے گرتے ہی چکنا چور ہو گئے تھے اور اس کی کرچیاں فٹ پاتھ پر بکھر گئی تھیں۔

اس تصادم میں غلطی کس کی تھی اس کا فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ چونکہ وہ عورت ذات تھی اس لئے اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ ویسے سراسر یہ میری ہی غلطی تھی۔ لو بیٹا سکندر! اب تمہاری خیر نہیں .... اب یہ عورت تمہیں آڑے ہاتھوں لے گی۔ اس کا چشمہ بہت قیمتی معلوم ہوتا ہے اس کی قیمت بھی ادا کرنا ہو گی۔ پیکٹ بھی زمین پر گرے تھے۔ شاید ان میں بھی کوئی چیز ٹوٹ پھوٹ گئی ہو۔

عورت غصے کا اظہار کرنے کی بجائے مجھ سے معذرت کرنے لگی کہ اس ٹکراؤ میں اس کی اپنی غلطی ہے۔ جب میں نے اس عورت کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر میں نے محسوس کیا کہ یہ عورت بہت حسین ہی نہیں بلکہ بڑی نرم خو سادہ طبیعت اور خوش مزاج سی لگی۔ اس کے خال و خد میں بڑا تیکھا پن' دلکشی اور جاذبیت بھی تھی۔ اس کا حسن شباب میرے دل پر بجلی بن کر گرا۔ اس کی بلند قامت اور سراپا نے مجھ پر قیامت ڈھا دی۔

میں اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اور میں صرف اس معذرت پر ٹلنے والا نہیں تھا۔ میں اس اتفاقیہ تصادم کو دوستی کی بنیاد بنانا چاہتا تھا۔ کیونکہ آج تک ایسی

عورت میری زندگی میں نہیں آئی تھی۔ میں نے اس کا سامان اٹھا کر اسے دیا تو اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں ممنونیت سی بھر گئی تھی۔

"میرے پاس گاڑی ہے۔" میں نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔ "آپ کہیں تو میں آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ .... میں یہاں سے خاصے فاصلے پر رہتی ہوں۔ آپ کو زحمت ہو گی۔" اس کی آواز بھی بہت خوبصورت تھی۔

"اگر آپ سو کلو میٹر پر رہتی ہیں تو بھی میں لے جا کر چھوڑ سکتا ہوں۔ کیونکہ مجھے بھی ڈرائیونگ کا جنون ہے۔"

وہ میری بات سن کر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "اب مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے' چلئے۔"

اس کا گھر وہاں سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا۔ لمبا سفر تھا اس لئے خاموش رہا نہیں جا سکتا تھا۔ اگر اس کا گھر قریب ہوتا تو میں اسے چائے پلانے کے بہانے کسی قریبی ریسٹورنٹ پر لے جاتا۔ میں نے سوچا کہ ہمیں ایک دوسرے سے متعارف ہونا چاہئے۔

اس نے سکوت کو توڑنے میں پہل کی۔ "کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"میرا نام سکندر اعظم ہے لیکن میں دنیا کو فتح کرنے نہیں نکلا ہوں۔ ویسے دنیا دیکھنے کی بڑی خواہش ہے۔"

"میرا نام سریتا پرکاش ہے........." وہ شگفتگی سے بولی۔ "مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔"

"خوشی تو مجھے بھی ہو رہی ہے .... اتنی خوشی شاید سکندر کو پوری دنیا فتح کرنے سے بھی نہیں ہوئی ہو گی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"اچھے دوستوں کا ہونا ایک طرح سے خوش قسمتی کی بات ہے۔ ایک اچھے دوست کا اضافہ ہوا۔"

"مجھے پوری امید ہے کہ ہم ایک اچھے دوست ثابت ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"آج کل اچھے دوست ملتے کہاں ہیں۔"

"جی ہاں۔" اس نے اپنا خوشنما سر ہلایا۔ "آپ کا کہنا بجا ہے۔ ریاکاری اور منافقت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ آج کل دوستی کی بنیاد خود غرضی اور مطلب پرستی پر رکھی جاتی

ہے۔ اس لئے دوست بہت سوچ سمجھ کر بنانا چاہئے۔"

"کیوں نہ اس دوستی کا آغاز کسی ریسٹورنٹ میں چل کر کچھ پی کر کیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"اس کا آغاز میرے فلیٹ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ میں آپ کو جو کہیں گے پلاؤں گی' میں چائے اور کافی لاجواب بناتی ہوں۔"

سریتا نے جب گاڑی شنگریلا اپارٹمنٹ کے سامنے روکنے کے لئے کہا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یقین نہیں آیا کیونکہ اس عمارت میں کروڑ پتی لوگ رہتے تھے۔ آج کے دور میں لکھ پتیوں کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں رہی تھی۔ ہزاروں' سینکڑوں نہیں بلکہ لاکھوں لکھ پتی لوگ موجود تھے۔ آج کا دور کروڑ پتی اور ارب پتیوں کا تھا۔ سریتا کے قیمتی لباس اور اس کی وضع قطع سے اتنا اندازہ ہوتا تھا کہ یہ آسودہ حال گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ کسی دفتر میں کسی اچھے عہدے پر فائز ہے۔ غیر شادی شدہ ہے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوتی تو میری لفٹ ہرگز قبول نہ کرتی اور نہ چائے پینے کی دعوت دیتی۔ شنگریلا اپارٹمنٹس کے بارے میں ممبئی کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ اس شہر میں کروڑ اور ارب پتیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس عمارت میں فلم سازوں' اداکاروں' اداکاراؤں اور صنعت کاروں کی رہائش تھی۔

جب میں اس کے ساتھ لفٹ کی طرف جا رہا تھا تب میں نے ایک لمحے کے لئے دل میں سوچا کہ اس کے پاس کیا گاڑی نہیں ہے جو اس نے میری لفٹ قبول کر لی؟ اس عمارت کے مکینوں کے پاس ایک نہیں کئی گاڑیاں ہوتی ہوں گی۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ اس کے پاس گاڑی نہ تھی۔ اس عمارت کے مکین کا ٹیکسی میں آنا اس کی ایک طرح سے توہین تھی۔ اس نے شاید میرے خیالات کو جیسے پڑھ لیا تھا۔ لفٹ میں سوار ہونے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔ "آج میری گاڑی اچانک خراب ہو گئی اس لئے مجھے مارکیٹ کی پارکنگ پر چھوڑنا پڑی۔ میں نے گیراج ٹیلی فون کر دیا تھا کہ وہ گاڑی آ کر لے جائے۔ اس لئے مجھے آپ کی لفٹ لینا پڑی۔"

"گاڑی کا خراب ہو جانا ہم دونوں کی خوش قسمتی کی دلیل ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔ "نہ گاڑی خراب ہوتی نہ ہم ملتے۔"

چھٹی منزل پر اس کا فلیٹ تھا۔ اس نے اپنے پرس سے چابی نکال کر دروازہ کھولا۔ اس نے اطلاعی گھنٹی نہیں بجائی تو میں نے یہ خیال کیا کہ وہ اپنے گھر کے فرد کو دروازہ

کھولنے کی زحمت دینا نہیں چاہتی ہے۔ جب میں نے اس کے اپارٹمنٹ کے اندر قدم رکھا تو سحرزدہ سا ہو گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں آرائش و زیبائش' راحت و آسائش کے ایسے قیمتی ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ فلیٹ' اپارٹمنٹ یا کسی رئیس زادے کا گھر نہیں دیکھا تھا۔ شاید عرب ریاستوں کے شہزادوں کے گھر ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔ میں چند ثانیوں تک مبہوت رہا اور بڑی محویت سے ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ اندر سے پورا گھر ایک عجیب سی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اسے آراستہ و پیراستہ کرنے میں پیسہ پانی کی طرح بہایا ہوا تھا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں کپڑے بدل آؤں۔" سریتا نے اپنا سامان میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اجازت ہی اجازت ہے۔" میں نے اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ "لیکن زیادہ دیر نہ لگائیں۔"

"صرف دس منٹ لوں گی۔" اس نے ٹی وی کا ریموٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ جب تک ٹی وی دیکھیں۔"

میں نے ریموٹ لے لیا لیکن ٹی وی آن نہیں کیا۔ اسے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا جو سامنے ہی تھا۔ اس کے متناسب اور چھریرے بدن کے انگ انگ سے مستی ابلی پڑ رہی تھی۔ اس کی مستانہ خرامی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

یک لخت مجھے احساس ہوا کہ گھر میں کوئی اور نہیں ہے؟ کوئی تھا تو وہ باہر گیا ہوا تھا۔ اتنے بڑے اپارٹمنٹ میں وہ اکیلی رہنے سے تو رہی۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے۔ نہ میں نے پوچھنا مناسب سمجھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک فراک میں ملبوس ایک نئی شادابی کے ساتھ طلوع ہوئی۔ اس سیاہ اور بغیر آستینوں کے فراک نے اس کی سفید و سرخ رنگت کی ایک قیامت بنا دی تھی۔ اس کا جسم اس طرح سے چھلک رہا تھا جیسے کانچ کی صراحی میں سے شراب چھلکتی ہے۔ میرے جسم پر ایک میٹھی اور لطیف سی سنسنی دوڑ گئی۔ اس فراک کا گلا خطرناک حد تک کھلا ہوا تھا۔ ایسی فراکیں عموماً یورپی عورتیں اور لڑکیاں پہن کر تقریبات میں جاتی تھیں۔ اس کی مرمریں بانہوں کے خنجر کھلے پڑے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے اور سینڈوچ بنا کر لے آئی اور میرے مقابل بیٹھی تو مجھے

ایسا لگا کہ آتش فشاں دہک رہا ہے۔ اس کے شانے مخملیں اور بڑے دلکش تھے۔ قدرت نے اسے بنانے میں بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ بہت کم عورتوں کا حسن و جمال اور جسم اس قدر بھرپور اور بے عیب ہوتا ہے۔ وہ مردوں کی ایک آئیڈیل عورت تھی' خواب تھی لیکن ایسی عورت خوابوں میں ہی مل سکتی تھی لیکن مجھے حقیقی دنیا میں مل گئی تھی مگر ابھی اس کے اور میرے درمیان بڑے فاصلے تھے۔

میں نے چند لمحوں کے بعد اس سے پوچھا۔ "آپ کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے؟ والدین اور بھائی بہن وغیرہ.........."

"میں صرف اکیلی رہتی ہوں۔" اس نے چائے پیتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے اکیلے رہنا پسند ہے۔"

"کیا اس دنیا میں آپ کا کوئی نہیں ہے؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"صرف میرے پاپا ہیں۔" اس نے کہا۔ "جب میں دس برس کی تھی میری ماتا جی سورگ باش ہو گئیں۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔ میرا کوئی بھائی ہے نہ بہن .... میرے پاپا نے صرف میری خاطر دوسری شادی نہیں کی۔"

"آپ نے کہا کہ میں اس دنیا میں اکیلی رہتی ہوں؟ آپ کے پاپا ہیں کہاں؟ وہ ساتھ کیوں نہیں رہتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میرے پاپا کا بنگلور شہر میں ٹی وی بنانے کا کارخانہ ہے۔ اس لئے ان کی مستقل رہائش بنگلور میں ہے۔ وہ اکثر دوسرے شہروں کے دورے کرتے رہتے ہیں۔ میں ممبئی میں ان کا کام دیکھتی ہوں۔ یہاں میرا کام صرف اس کی فروخت پر نظر رکھنا ہوتا ہے۔"

سریتا کروڑ پتی باپ کی بیٹی تھی۔ اس کے اور میرے درمیان ایک بہت بڑا طبقاتی فرق تھا۔ مذہب بھی الگ تھا۔ وہ ہندو تھی اور میں مسلمان .... لیکن اس وقت درمیان میں مذہب کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ ہم دوست تھے۔ صرف مرد اور عورت .... وہ جس لباس میں تھی وہ میرے جذبات کو تند کر رہا تھا۔ اس تنہائی نے جیسے جلتی پر تیل گرا دیا تھا۔

میں اس سے کچھ کہنے والا تھا اس نے شیریں آواز میں کہا۔ "مسٹر سکندر! آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"میں پاکستانی باشندہ ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے ہندوستان بہت پسند ہے۔ دو

ایک سال میں ایک مرتبہ یہاں کے پھیرے کرتا رہتا ہوں۔ دو تین مہینے گزار کر جاتا ہوں۔ اس مرتبہ مجھے یہاں آئے دو مہینے ہو چکے ہیں۔ مزید یہاں چھ سات ماہ رہنے کا ارادہ ہے۔ آپ سے ملنے کے بعد اب واپس جانے کو جی بالکل بھی نہیں چاہ رہا ہے۔ شاید ایک سال بھی رہ جاؤں۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک تبسم ابھر آیا۔ "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کی مصروفیت کیا ہے؟ پاکستان کے کس شہر سے آئے ہیں؟"

"میں کراچی سے آیا ہوں۔ میں کرائم رپورٹر ہوں۔ فری لانسنگ کرتا ہوں۔ میں یہاں سے بھی کچھ اخبارات کو کرائم نیوز اور آرٹیکل بھیجتا رہتا ہوں .... میرے بہت سارے دوست صحافی ہیں۔ اخبارات کے ایڈیٹروں سے بھی تعلقات ہیں۔"

"لیکن میرا خیال تو کچھ اور تھا؟" اس کے بھرے بھرے سرخ گداز ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آپ کا کیا خیال تھا؟" میں نے اس کی جھیل سی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ایک طرح فطری سا تھا۔" اس نے کہا۔ "میں یہ سمجھی کہ آپ فلمی ہیرو بننے کے لئے قسمت آزمائی کرنے آئے ہیں۔"

"یہ خیال آپ کو کیوں اور کس لئے آیا؟ اور کوئی خیال کیوں نہیں آیا؟" میں بھی جوابی طور پر مسکرایا۔

"اس لئے کہ آپ بہت خوبصورت' وجیہہ' اسمارٹ اور خوش پوش ہیں۔ ایک ہیرو کی طرح.........."

"بہت بہت شکریہ .... آداب.........." میں نے شاعروں کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آپ نے مجھے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔"

اس نے مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ "آپ اس لائق ہیں کہ تعریف کی جائے۔"

میں نے چائے پیتے اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے ایک خاص بات محسوس کی کہ وہ تنقیدی نظروں سے میرا جائزہ لے رہی ہے۔ میں نے آخری گھونٹ لے کر چائے ختم کی تو اس نے کہا۔ "اگر آپ کو چائے پسند آئی ہے تو ایک دور اور ہو جائے۔"

"ابھی نہیں .... کچھ دیر کے بعد۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ آدھے گھنٹے میں حاضر ہوتا ہوں۔"

"آپ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں گے آپ جتنی دیر میں آئیں گے میں کھانا تیار کرلوں گی۔"

میں نے قریبی بازار میں جا کر ایک بے حد قیمتی اور بہت ہی خوبصورت دھوپ کا چشمہ خریدا۔ اس دوستی کو مستحکم کرنے اور اس سے قریب ہونے میں تحفہ ایک کلیدی کردار ادا کر سکتا تھا۔ میں ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے فتح کرنا مجھے مشکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ میری خوبصورتی اور مردانہ وجاہت سے بے حد متاثر ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ مجھے اپنے گھر لے آئی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اکیلی رہتی ہے اور میں ایک اجنبی شخص ہوں۔

جب ایک بار پیر پھسلتا ہے تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک بار اس دلدل میں گرنے کے بعد جتنا نکلنے کی کوشش کرو اتنا ہی اس میں دھنستا جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ میں چونکہ ایک بار پھسل کر غلاظت کی دلدل میں گر چکا تھا اس لئے اس میں سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ عورت میری کمزوری بن گئی تھی۔ اس لئے بھی کہ رانی اور تبسم ایسی عورتیں جنہوں نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ میں بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے لگا تھا۔ مجھے یہ توقع بندھ گئی تھی کہ سریتا میری جھولی میں پکے آم کی طرح گر جائے گی۔

جب میں نے اس کے اپارٹمنٹ میں پہنچ کر اسے چشمہ پیش کیا تو وہ خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔

اس دوران ہری کرشن کی سب سے چھوٹی بہن کی شادی الہ آباد میں ہو رہی تھی۔ مجھے اس کے ہمراہ جانا پڑا۔ میں اس لئے بھی چلا گیا تھا کہ ہندوانہ شادی کے رسم و رواج دیکھوں۔ اس کے علاوہ مالی مدد کرنا بھی تھا۔ رتنا بھابی نے بتایا تھا کہ ہری کرشن اور اس کے گھر والے جہیز بہت اچھا نہ ہونے کے سبب بہت پریشان ہیں۔ کیونکہ اچھا اور مطلوبہ جہیز نہ لانے کی صورت میں سسرال میں بہو کی عزت نہیں رہتی ہے۔ ساس، نندیں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیتی ہیں۔ طعنے دے دے کر جینا حرام کر دیتی ہیں۔ کسی نہ کسی طرح مار دیتی ہیں یا کپڑوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دیتی ہیں۔ ہندوستان میں ایسے دردناک، بھیانک اور سوہان روح واقعات روز ہی پیش آتے تھے۔

جب میں نے ہری کرشن کے پتا جی کے ہاتھ پر ایک لاکھ کی رقم رکھی تو وہ سب لوگ شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر رو پڑے اور بہت خوش ہو گئے۔ اس کے علاوہ میں نے

تیس ہزار روپے کے زیورات کا ایک سیٹ بھی دیا۔ شادی بڑی دھوم دھام اور روایتی انداز سے ہوئی۔ مجھے وہاں ایک ہفتہ قیام کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی۔ ہر وقت میرے آگے بچھے رہے تھے۔

اس ایک ہفتے کے دوران میں ایک دن کے ایک لمحے کے لئے بھی سریتا کا خیال دل سے نکال نہ سکا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ الہ آباد سے واپس جا کر ایک ڈیڑھ ماہ کے لئے اسے کشمیر لے جاؤں گا۔ کشمیر کی حسین وادی میں ہم دونوں محبت کے لمحات کو یادگار بنا دیں گے لیکن جب میں ممبئی پہنچا تو اس نے یہ کہہ کر کشمیر جانے سے انکار کر دیا کہ وہاں کی صورتِ حال بڑی خراب ہے۔ مجاہدین گوریلا جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگر کسی طرح ان کے علم میں یہ بات آ گئی کہ ایک مسلمان اور ہندو لڑکی آپس میں رنگ رلیاں منا رہے ہیں تو شامت آ جائے گی۔ اس کا یہ ڈر اور خوف بے جا تھا۔ مگر میں اس کی مرضی اور خوشی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔

مجھے ممبئی شہر بہت زیادہ پسند نہیں تھا۔ مجھے بنگلور، میسور، دہرہ دون، الہ آباد اور دوسرے بہت سارے شہر پسند تھے اور میں ان کی سیر و سیاحت کرنا چاہتا تھا۔ سریتا نہیں چاہتی تھی کہ اس شہر سے باہر نکلا جائے کیونکہ اسے باپ کی کمپنی اور بزنس کو دیکھنا ہوتا تھا۔ میں سریتا کی خاطر رک گیا۔ سریتا کی رفاقت سے یہ شہر بھی مجھے بہت خوبصورت اور رنگین لگنے لگا تھا اور میرا جی بھی لگ گیا۔

عیش و عشرت کے اس دور میں جو خواب ناک رنگین اور مدہوش کن تھا مجھے سوچنے کی بالکل بھی فرصت نہ ملی کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟ میں ایک مسافر ہوں.......... یہ کئی روز بعد کی بات ہے جب میں بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا سریتا کے تصور میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک ایک طاقتور ہاتھ نے مجھے کھینچ کر فرش پر پھینک دیا۔ ابھی میں کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ میری پسلیوں پر زوردار ضربیں پڑنے لگیں۔ ٹھوکریں اس قدر زوردار تھیں کہ میں بے اختیار چیخ اٹھا۔ میں نے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک آدمی نے مجھے پشت سے پکڑا ہوا تھا اور دوسرا مجھ پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد دوسرا بھی میری مزاج پرسی کرنے لگا۔ جب چند لمحوں کے بعد مجھے صورتِ حال کا علم ہوا تو میں مزاحمت کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر پیٹ پر پڑنے والی ٹھوکر نے پھر مجھے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ میرے جسم کا ہر حصہ بری طرح دکھنے لگا۔

میرے منہ اور رخساروں سے خون بہہ رہا تھا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے مجھے اتنا یاد رہا کہ میں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی۔

☆=====☆=====☆

جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میری نظر بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے اس شخص کی طرف اٹھ گئی جس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے روسی ساخت کے آٹومیٹک ریوالور کا رخ میری طرف تھا۔ وہ تقریباً پچاس سالہ کرخت نقوش والا شخص تھا۔ ناک طوطے کی طرح خمیدہ اور جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ سیاہ بال پیچھے کی طرف سیدھے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ گہرے رنگ کا اور بہت ہی ڈھیلا ڈھالا تھا۔

"سریتا کہاں ہے؟" میں نے اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے سب سے پہلا سوال کیا۔

میں کرائم رپورٹر ہونے کی حیثیت سے بڑے بڑے خطرات سے دوچار ہو چکا تھا لیکن یہ معاملہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ سکا تھا اور نہ ہی سریتا کی عدم موجودگی کا کوئی جواز ذہن میں آ سکا۔ کچھ عجیب اور بے حد پُراسرار سا لگا۔

میں اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تو وہ اجنبی ریوالور سیدھا کرتے ہوئے غرایا۔ "بھاگنے کی کوشش مت کرنا' خیام! ورنہ تم یہ تو دیکھ ہی چکے ہو کہ ہم کس قسم کے آدمی ہیں۔" اس شخص کا لب و لہجہ ہندوستانی نہیں تھا۔

"کیا مطلب؟" میں نے اس طرح اجنبی کو دیکھا جیسے وہ مذاق کر رہا ہو لیکن یہ مذاق نہیں تھا۔ ریوالور کا رخ میرے سینے کی طرف تھا اور اس اجنبی کے چہرے پر سختی کے آثار تھے۔ اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔

"تم اٹھ کر بیٹھ سکتے ہو۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "مگر کوئی چالاکی دکھانے کی حماقت مت کرنا۔"

میں نے اس کے حکم کی پرواہ کئے بغیر اس سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"تمہیں ہم سے کسی قسم کا سوال پوچھنے کا حق نہیں خیام!" اس نے تیزی سے کہا۔

"خیام.........!" میں چونک گیا۔ میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ میں ہرلی کرشن کو ٹیلی فون کر کے پولیس کو طلب کر سکتا تھا لیکن وہ فون کے درمیان حائل تھا۔ میرے جسم کا ایک ایک حصہ دُکھ رہا تھا لیکن اب میں نے اپنے آپ کو قدرے ہلکا محسوس کیا اور میں اب کوئی سا بھی عملی قدم اٹھ سکتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ سب سے

پہلے اس کمرے سے نکلوں۔ میں نے محتاط انداز میں دروازے کی طرف قدم بڑھایا۔

"کوئی غلط قدم اٹھانے کی کوشش مت کرنا خیام! تمہارے متعلق جلد ہی کوئی فیصلہ کر دیا جائے گا۔" اجنبی غرایا۔

"تم مجھے بار بار خیام کے نام سے کیوں مخاطب کر رہے ہو؟ میرا نام سکندر ہے۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہاری غلط بیانی ہمیں صحیح راستے سے بھٹکا نہیں سکتی ہے۔" اجنبی نے یہ کہتے ہوئے کوٹ کی جیب سے ایک کاغذ نکال لیا اور بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ "تمہارا پورا نام ایس بی خیام ہے' عمر تیس برس ہے.........."

"میری عمر بتیس برس کی ہے۔" میں نے درمیان میں اس کی بات کاٹتے ہوئے ٹوکا۔

"تمہاری عمر تیس برس کی ہے۔ تم وادی کشمیر میں سوپور میں 22 جولائی 1964ء کو پیدا ہوئے۔ تم نے افغانستان میں روس کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ مجاہدین کے ساتھ مل کر تم نے جنگ کی تھی۔ مجاہدین کے کمانڈر نے تمہیں عمدہ کارکردگی کی بنا پر نہ صرف ترقی دی بلکہ ایک مخصوص خنجر بھی دیا گیا جو صرف بہترین افسروں اور جانبازوں کو دیا جاتا ہے۔ اس روز تمہاری بائیں بغل میں ستارے کا مخصوص نشان گودا گیا۔ تمہارے خون کا گروپ "اے" ہے۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "تمہارے پاگل ہونے میں کوئی شبہ نہیں......... میرا کبھی کوئی تعلق مجاہدین سے رہا ہے اور نہ میں کشمیر میں پیدا ہوا۔ میں نے اب تک نہ تو افغانستان دیکھا ہے اور نہ ہی کشمیر......... یہ جھوٹ کا پلندہ تم کہاں سے لائے ہو......... میں پاکستانی باشندہ ہوں جو ویزے پر آیا ہوا ہوں۔"

اجنبی نے مجھے خاموش کراتے ہوئے کہا۔ "تم نہ صرف پاکستانی مجاہدین میں شامل تھے بلکہ تم نے افغان مجاہدین کے اس دستے میں شامل ہونے کے لئے درخواست دی تھی جو امریکی کمانڈوز کے ماتحت تھا۔ اس افغان مجاہدین کے ڈویژن کا مخصوص نشان عقاب تھا۔ تم اپنی ٹوپی پر عقاب کا نشان لگا کر خوش ہوتے تھے۔ مجھے شاید یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ اس ڈویژن کا کام جنگی کیمپوں میں قیدیوں کی چھانٹی کرنا ہوتا تھا۔ تم تو راجورا کیمپ نمبر ایک میں اس کے ناظم کے نائب تھے۔ تم نے تین ہزار روسیوں کے قتل میں حصہ لیا۔ ان میں وہ روسی شامل نہیں ہیں جنہیں تم نے ذاتی عناد کی بنا پر موت کے گھاٹ

اتارا تھا۔ تم ایک بہترین افسر اس لئے تھے کہ امریکی کمانڈوز نے تمہاری خصوصی تربیت کی تھی۔ تم آخری افسر تھے جو تورا بورا کے کیمپ کی تباہی سے پہلے نکلے تھے۔"

اجنبی اس طرح بول رہا تھا جیسے عدالت میں سرکاری وکیل میرے جرائم کی تفصیلات بتا رہا ہو۔ اس کے لہجے کی سختی اور ان واقعات کی تفصیل ہرچند کہ غلط تھی لیکن میرا خون خشک کئے دے رہی تھی۔

"پھر تمہیں ایک عرب کمانڈر کی ماتحتی میں روس کی سرحد کے قریب ایک پہاڑی پر بھیج دیا گیا جو نمبر چار محاذ کہلاتا تھا جہاں تم ایک مہینے تک روسی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے تھے۔ پھر تم نے کسی کے ذریعے سے ایسی رپورٹ بھجوائی کہ ایک روسی بٹالین کے حملے میں تم مارے جا چکے ہو۔ اس رپورٹ کے بعد تمہیں مُردہ تصور کر لیا گیا۔ پھر تم آزاد کشمیر گئے۔ پھر وہاں سے اپنے مقام سوپور آ گئے۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے گہری سانس لی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ یہ روسی باشندہ تھا۔ شاید کے جی بی کا ایجنٹ۔ پھر میں نے رک رک کر کہا۔ "ایس بی خیام نام کا آدمی کوئی اور ہو گا۔ میں ہر طرح سے ثابت کر سکتا ہوں کہ میں خیام نہیں ہوں۔ میں کراچی کا باشندہ ہوں۔ کراچی میں پیدا ہوا۔ ویزے پر ہندوستان آیا ہوں۔ تم میرے فلیٹ پر چل کر میرا پاسپورٹ چیک کر سکتے ہو۔"

اجنبی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھر کر گوشوں میں اتر گئی۔ "میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم خیام ہو۔ تم بلا کے ذہین اور شاطر آدمی ہو۔ بہترین منصوبہ ساز ہو۔ تم نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے بہت اچھی آڑ لے رکھی ہے لیکن تمہیں یہ سب کچھ ثابت کرنے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا کہ تم ایس بی خیام نہیں ہو۔ میرے پاس ایسے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ جنہیں دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی۔"

میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ میں نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟"

"سب سے بڑا ثبوت تم خود ہو۔" اجنبی نے ریوالور کی نال سے اشارہ کیا۔ میری پشت پر پسینے کی ٹھنڈی دھاریں بہنے لگیں۔ میں اس وقت ایک انتہائی سنگین، پیچیدہ صورت حال سے دوچار تھا جو میری سمجھ سے بالاتر تھی۔

"قمیض اتار کر میرے ساتھ آؤ۔" اجنبی نے گھورتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

میں چونک کر اسے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ میرے پاس اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔

پھر اس نے تیز و تند لہجے میں دوسرا حکم صادر کیا۔ "غسل خانے میں جا کر لائٹ آن کر دو۔"

میں نے ملحقہ باتھ روم میں داخل ہو کر لائٹ آن کر دی۔ سریتا سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز بھی وہاں موجود نہیں تھی۔ مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ یہ سب کیا ہے۔ پھر میں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لینے لگا کہ آخر یہ سب کیا ہے۔ چہرے پر خون جما ہوا تھا۔ بائیں آنکھ سوجی ہوئی تھی۔ اس نے جو میری مزاج پرسی کی تھی یہ اس کے سبب تھا۔

پھر اجنبی کی ہدایت پر میں نے اپنا بازو اٹھا کر دیکھا تو مجھے اپنی سانس سینے میں رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ستارے کا نشان گودا ہوا تھا میں اور قریب ہو کر بغل کا جائزہ لینے لگا۔ اب دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں۔ وہ یہ کہ میں یا تو اپنا ماضی بھول چکا تھا یا پھر یہ نشان گزشتہ رات میرے جسم پر بنائے گئے تھے.......... مگر کس نے..........؟

رات کو سریتا کے علاوہ اس فلیٹ میں کوئی اور نہیں تھا.......... وہ گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو چکی تھی۔ میں نے اجنبی کی طرف گھوم کر کہا۔ "میں یہ نشان پہلی مرتبہ اپنے جسم پر دیکھ رہا ہوں۔ کل تک یہ نمبر میرے جسم پر نہیں تھا۔ میں قسم کھانے کو تیار ہوں؟"

"ہمارے پاس صرف یہی ایک ثبوت تمہارے خلاف نہیں ہے ایس بی خیام!" اجنبی کے ہونٹوں پر ایک خوفناک مسکراہٹ رینگنے لگی۔ "میرے ساتھ آؤ.......... میں تمہیں کچھ اور بھی دکھانا چاہتا ہوں۔"

میں نے قمیض پہنی۔ پھر اس کے ساتھ نشست گاہ میں آ گیا۔

"اسے کھول کر دیکھو.........." اجنبی نے ایک سیاہ بریف کیس میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اسے کھولا۔ بریف کیس میں سے کاغذات سے بھرا ہوا ایک فائل برآمد ہوا۔ اسے دیکھتے ہی میں بھونچکا سا ہو گیا۔ میری نبض کزور پڑنے لگی پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

اس میں ایک ایسی تصویر تھی جس نے میرے جسم میں خون کو سرد کر دیا تھا۔

پہلے تو میں نے یہ خیال کیا کہ یہ میری نظروں کا واہمہ ہے لیکن یہ واہمہ نہ تھا۔

میں نے بڑے غور سے اس تصویر کو دیکھا۔ میں ایک مجاہد کے لباس میں تھا۔ میں اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے ایک افغانی مجاہد لگ رہا تھا۔ سر پر مخصوص سیاہ پگڑی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا جس سے اس کی آنکھیں چھپ گئی تھیں۔ میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بندوق کا رخ ایک ایسے آدمی کی طرف تھا جو ایک خندق کے کنارے گھٹنوں کے بل گرا پڑا تھا۔ خندق میں کئی لاشیں نظر آ رہی تھیں اور کچھ مجاہدین مشین گنوں سے قیدیوں پر فائرنگ کر رہے تھے۔ اجنبی نے وہ تصویر نیچے رکھ دی۔

یہ تصویر بہت پرانی لگ رہی تھی لیکن اس میں میری کل کی عمر اور آج کی عمر میں زیادہ فرق نہیں لگ رہا تھا۔ جب کہ یہ سولہ برس پرانی تصویر تھی۔ اس وقت افغانستان میں مجاہدین روسیوں سے لڑ رہے تھے۔ گو کہ تصویر بہت پرانی اور گھٹیا سی تھی مگر میں اس میں صاف پہچانا جا رہا تھا۔ سر کے بال پگڑی میں چھپے ہوئے تھے مگر وہی قد ویسا ہی جسم اور چہرے کے نقوش دیکھ کر جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

اجنبی نے کہا۔ "یہ تصویر بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ میرے ایک دوست نے چھپ کر کھینچی تھی، لیکن اس نے بعد میں تصویر بھیج دی تھی تاکہ مجرموں کو پکڑا جا سکے .... انہیں سزا دی جا سکے۔"

"یہ تصویر جعلی ہے۔" میں نے بے خوفی سے کہا۔

"اس تصویر میں جو تم صاف پہچانے جا رہے ہو اس سے انکاری ہو رہے ہو تو کس بنا پر؟"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تصویر کو بڑی مہارت اور فنکارانہ چابک دستی سے تیار کیا گیا ہے؟"

"لیکن تمہاری اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم مجرم ہو۔" اجنبی نے کہا۔

"میں نے اس غارت گری میں کوئی حصہ نہیں لیا ہے اور نہ ہی کبھی میرا مجاہدین سے کوئی تعلق رہا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں کہہ چکا ہوں نہ میں نے کشمیر کی شکل دیکھی ہے اور نہ افغانستان........."

"لیکن یہ تصویر تمہاری ہی ہے اور تم اسے شناخت کر چکے ہو۔" اجنبی نے مجھے گہری نظروں سے گھورا۔

اس نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ تصویر مجھ سے اس قدر مشابہت رکھتی تھی کہ میں اسے جھٹلا نہیں سکا تھا۔ میں کیا میری ماں بھی ہوتی تو اسے جھٹلا نہیں سکتی تھی، لیکن مجھے جو کشمیری مجاہد کے بہروپ میں دکھایا گیا تھا وہ غلط تھا۔ میرے لئے یہ امر حیرت انگیز تھا اس بہروپ میں میری تصویر کیسے اور کیوں بنائی گئی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تصویر بڑی مہارت سے تیار کی گئی ہے لیکن میں اس تصویر کو اپنی تصویر ماننے سے انکار کرتا ہوں .... یہ ایک نمبر کی جعلسازی ہے۔" میں نے تکرار کی۔

"مسٹر ایس بی خیام!" اس کے لہجے میں طنز پوشیدہ تھا۔ "ذرا تم یہ دوسری دستاویزات بھی دیکھ لو .... اس طرح تم شاید اپنے دفاع کی احمقانہ اور فضول کوشش ترک کر دو اور ہم اطمینان سے معاملات طے کر سکیں۔"

پھر اس اجنبی نے دوسرے کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔

یہ دستاویزات انگریزی زبان میں تھیں۔ پہلی دستاویز پر ماسکو کے ایک جوہری اسکوفیلڈ کے دستخط کے تھے۔ اس نے اس تصویر کو شمالی افغانستان کے ایک کیمپ کے نائب کی حیثیت سے مجھے شناخت کرتے ہوئے میرے لئے سخت ترین سزا کی سفارش کی تھی۔ کیونکہ میں نے ہزاروں روسیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اسکوفیلڈ کے خاندان کے ستر افراد بھی ایک کیمپ میں جو غار میں بنایا ہوا تھا اذیت اٹھاتے ہوئے ہلاک ہو چکے تھے۔ میں نے چودہ برس سے لے کر چھتیس برس کی عمر کی لڑکیوں اور عورتوں کی آبروریزی کی تھی۔ ان پر اس قدر تشدد کیا کہ وہ سسک سسک کر مر گئیں۔

دوسری دستاویز پر اس شہر کے گورنر تالنکوف کے دستخط تھے۔ اس کا بیان تھا وہ کبھی ایس بی خیام کو بھول نہیں سکے گا جس نے رائفل کی سنگین سے لوگوں کو کچوکے لگا لگا کر ختم کیا۔ یہ اس قدر ظالم تھا کہ اس نے کسی کو مرنے سے پہلے ایک گھونٹ پانی تک پینے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اسے ایسی ہی اذیت ناک موت مارا جائے۔ تیسری دستاویز پر بھی ماسکو ہی کے برزنیف نامی ایک شخص کے دستخط تھے۔ ان تینوں نے مجھے ایس بی خیام کی حیثیت سے شناخت کرتے ہوئے سخت ترین سزا کا مطالبہ کیا تھا۔ ایسی بھیانک سزا کہ میں

مرنا چاہوں بھی تو مر نہ سکوں۔"

"میں وہ شخص نہیں ہوں۔ پھر ان باتوں میں کوئی صداقت معلوم نہیں ہوتی ہے؟" میں نے کہا۔

"یہ بات تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ تم مجاہد ہو؟"

"گو کہ میں نہ کشمیری مجاہد ہوں اور نہ ہی میں افغانی ہوں۔ مگر ایک بات آپ کو بتا دوں کہ مسلمان خصوصاً جو مجاہد ہوتے ہیں وہ میدانِ جنگ میں دشمن کے ساتھ سخت مقابلہ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں لیکن وہ عورتوں کی آبروریزی نہیں کرتے۔ وہ دشمن کی عورتوں کی بے حرمتی کو بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔" میں نے صفائی پیش کی۔

"یہ تینوں آدمی زندہ ہیں .... تم چاہو تو تصدیق کر سکتے ہو۔" اجنبی نے کہا۔

"مجھے کسی تصدیق یا تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"لیکن تمہاری پوزیشن کے کسی آدمی کے لئے روس کی حدود میں جانا انتہائی خطرناک ہو گا۔ یہ تینوں چالیس آدمیوں کے اس گروپ میں سے تھے جو افغانستان کے قیدیوں کے کیمپ سے کسی نہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ دنیا کی ہر عدالت میں تمہیں ایس بی خیام کی حیثیت سے شناخت کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

"میں ایس بی خیام نہیں ہوں۔" میں نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے کسی سازش میں پھنسوانے کا جو منصوبہ بنایا ہے وہ بہت عمدہ ہے لیکن میں آسانی سے ثابت کر سکتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میرا نام کیا ہے۔ میرا نہ تو کشمیری حریت پسندوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ افغان حریت پسندوں سے .... کہیں نہ کہیں اس ایس بی خیام کے فنگر پرنٹس بھی موجود ہوں گے۔ جو تمہارے اس پلان کو جھٹلا سکتے ہیں۔"

"تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں ہے کہ روسی فوجوں کی افغانستان سے واپسی کے وقت کے جی بی کا سارا ریکارڈ ضائع یا گم ہو چکا تھا۔ میں قیدیوں اور پناہ گزینوں کی عالمی انجمن سے بھی معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ یہ واحد تصویر ہے جو تمہاری حیثیت کو شناخت کرتی ہے لیکن تم مسلسل انکار کئے جا رہے ہو کہ میں ایس بی خیام نہیں ہوں۔" اجنبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میں الجھ کر رہ گیا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اب بھی تمہارے افغانستان کے مجاہدین سے ماضی جیسے تعلقات قائم

ہیں۔"

میں نے اس سے کچھ کہنا چاہا تو اس نے مجھے ٹوک دیا۔

"کیا یہ بھی غلط ہے کہ تم نے اپنے نئے نام سے فرسٹ نیشنل سٹی بینک کی چوپاٹی برانچ میں اپنا خفیہ اکاؤنٹ کھول رکھا ہے۔ تمہارے اکاؤنٹ کا نمبر 74386-000 ہے۔ ابھی حال ہی میں تمہارے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ کی رقم جمع کرائی گئی ہے۔ گو یہ رقم بہت بڑی نہیں ہے لیکن اس جگہ کی اہمیت ہے جہاں سے یہ رقم بھیجی گئی ہے۔" اجنبی نے کہا۔

"مجھے اتنی خطیر رقم کون بھیج سکتا ہے؟" میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ رقم کابل کی ایک تعمیراتی فرم عبداللہ بن قاسم لمیٹڈ نے بھیجی تھی۔ کے جی بی کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ ایک فرضی نام ہے اور کمپنی دراصل مجاہدین کے لئے کام کر رہی ہے۔ دراصل یہ کمپنی افغانستان اور کشمیر کے سابق مجاہدین کے لئے کام کر رہی ہے۔ اس رقم سے ان کی دیکھ بھال کا کام کیا جاتا ہے۔ تمہارے مجاہدین دوست تمہارے مفادات کی نگرانی بھی کرتے ہیں لیکن اس وقت تمہارا نام جنگی مجرموں میں سرفہرست ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے لئے راہِ فرار نہیں رہی ہے اور تم کسی بھی طرح بچ نہیں سکتے ہو۔" اجنبی نے کہا۔

اس میں شبہ نہیں کہ میرے خلاف یہ منصوبہ بڑی عمدگی سے ترتیب دیا گیا تھا لیکن مجھے حیرت تھی کہ وہ لوگ کون ہیں۔ کے جی بی سے تعلق ظاہر تو ہوتا تھا لیکن کے جی بی کے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ مجھے کسی سازش میں پھانسنے کی تیاری کیوں کر رہے تھے؟ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ شاید انہیں میرے بارے میں یہ علم ہے کہ میں کبھی زیرِ زمین دنیا کا باسی رہا ہوں اس لئے مجھے اپنا شکار بنا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ لوگ مجھے ایک سازش میں پھانسنے کی کوشش کیوں کر رہے تھے۔ یہ بات میرے لئے سمجھ سے بالاتر تھی۔

میں نے اس سے سردی کی شکایت کرتے ہوئے کہا۔ "کیا میں کوٹ پہن سکتا ہوں؟"

"ہاں تم کوٹ پہن سکتے ہو۔" اجنبی نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔ "موسم اس قدر سرد نہیں ہے مگر خوف نے تمہارے جسم میں سردی کی لہر دوڑا دی ہے۔" پھر اس نے

کوٹ کرسی سے اٹھا کر میری طرف اچھال دیا۔

جب میں کوٹ پہننے لگا تو اس نے کہا۔ "تم ہر ایجنٹ اور سراغ رسانوں کی طرح یہ سمجھے ہوئے تھے کہ فرضی نام اپنا کر ہر لحاظ سے محفوظ ہو گئے ہو۔ یہ خود فریبی ہے لیکن تم اس بات سے اچھی طرح واقف ہو گے کہ ایسے لوگوں کا کیا حشر ہوتا ہے اور ان کا حشر تمہارے علم میں ہو گا؟"

میں کوٹ پہنتے اور قمیض کا کالر درست کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اپنے صحافی دوست سے کہہ کر ہندوستان کی خفیہ پولیس کے ذریعے سے اس معاملے کی تحقیقات کروا سکتا ہوں۔ اس نے مجھے اپنی بہن کی شادی کے سے اپنے ایک دور کے رشتہ دار بھائی سے ملایا تھا جو سیکرٹ سروس میں انسپکٹر تھا۔ اس سیکرٹ سروس کا تعلق "را" سے تھا۔ یہ "را" کی ایک ذیلی تنظیم تھی۔ ہری کرشن کے کزن نے مجھ سے کہا تھا کہ .... گو آپ پاکستانی ہیں۔ ہمیں آپ لوگوں سے متعارف ہونے کی ممانعت ہے لیکن اس کے باوجود کسی وجہ سے کوئی مشکل پیش آئی تو میں ہری کرشن کے توسط سے رابطہ کروں لیکن یہ بات موقع ملنے پر تھی۔

مجھے اس وقت اس بات پر شدید حیرت تھی کہ سریتا اچانک اور پُراسرار طور پر کہاں غائب ہو گئی؟ کیا اس معاملے میں اس کا بھی کوئی ہاتھ ہے؟ میں نے کوٹ پہن کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا۔ پھر اجنبی کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے ابھی تک مجھ پر ریوالور تان رکھا تھا۔ مجھ سے غافل نہیں ہوا تھا اور چوکنا اور مستعد بھی تھا۔

دفعتاً مجھے ایک بات اور یاد آ گئی۔ میں جب سے سریتا سے ملا تھا تب سے میرے سر میں ہلکا ہلکا درد رہنے لگا تھا۔ کیا سریتا بھی اس منصوبے میں شامل ہے؟ کیا اس امکان اور اس بات کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے کہ وہ مجھے نشہ آور چیز کھلاتی رہی ہو؟ نشے کی حالت میں آدمی ہر سوال کا صحیح جواب دے دیتا ہے۔ اس سے اتنا کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے جو وہ عام اور نارمل حالت میں بھی بتانے سے قاصر ہوتا ہے۔

میں چند لمحوں تک ذہن میں ابھرتے ہوئے سوالات کی یلغار میں رہا۔ پھر میں نے اجنبی سے نظریں چار کرتے ہوئے اس سے کہا۔ "تم صاف صاف بتاؤ کہ کون ہو .... میرے خلاف یہ منصوبہ کیوں تیار کیا گیا ہے؟"

"تم ہماری طرف سے بالکل آزاد ہو ایس پی خیام!" اس نے جواب دیا۔

"لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ میں تم سے اس منصوبے کے بارے میں دریافت کر رہا ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"ہم اتنے ظالم نہیں ہیں۔" اس نے میرے سوال کا جواب پھر اس طرح سے گول کر دیا جیسے میں نے یہ سوال کیا ہی نہ ہو۔ وہ کہنے لگا۔

"یہ ہلکی سی سزا تمہیں محض اس لئے دی گئی ہے کہ تم اپنے آپ کو گفتگو کے لئے تیار کر سکو۔ بالفرضِ محال تم نے ہمارے ساتھ تعاون نہیں کیا تو پھر تم زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکو گے۔ تمہاری لاش کا بھی کبھی پتا چل نہیں سکے گا۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر کسی خنجر کی نوک کی طرح اتر گئی۔ کیونکہ اس کا آخری جملہ دھمکی آمیز تھا لیکن میں نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس لئے کہ میں ایک عام قسم کا بندہ نہیں تھا۔ میں حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر سکتا تھا۔

"تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟ آخر تم نے کس لئے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے؟" میں نے کہا۔

"تم میرے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تو سنو۔ میرا نام کیپٹن پاول اینڈرریوف ہے۔ میرا تعلق روسی فوج سے ہے اور میں تھرڈ بیورو سے وابستہ ہوں۔ میں افغانستان میں طالبان' مجاہدین اور امریکی فوج سے بھی لڑ چکا ہوں۔" اس نے معنی خیز لہجے میں مجھے بتایا۔

"میں نے اپنا تعارف کرا دیا۔ اب تمہیں کوئی شکایت تو نہیں؟"

میں سرد آہ بھر کر رہ گیا۔ کیونکہ ایک صحافی ہونے کے ناتے میں روس کی ریڈ آرمی کے جی آر یو اور کے جی بی کے شعبوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ افغانستان میں جب مجاہدین روسیوں کے خلاف برسرپیکار تھے اور ملک کے اخبارات اور عالمی میڈیا سے جو کچھ سواد حاصل ہوتا تھا وہ میں اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیتا تھا۔ میں یہ بھی بات پڑھ چکا تھا کہ ان کے ایجنٹ کبھی کسی معاملے میں ناکام نہیں رہے تھے۔ میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یہ ہندوستان میں روسی سفارت خانے کے اسٹاف یا تاس نیوز ایجنسی سے ہے یا وہ اخباری نمائندے کے بھیس میں ہندوستان آیا ہوا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیپٹن اینڈرریوف خواہ یہاں کسی بھی طرح آیا ہو لیکن جی آر یو کو اب جنگی مجرموں سے اتنی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اتنی لمبی چوڑی پلاننگ کرے۔

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے پوچھا۔ "کیپٹن

اینڈرریوف کیا تمہیں اس بات کا مکمل یقین ہے کہ میں ایس بی خیام ہوں......... کشمیری مجاہد ہوں؟"

"اس میں کوئی شبہ نہیں .... میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہیں کم سے کم موت کی سزا تو ہر قیمت پر ملنا چاہئے اور تم اس کے مستحق بھی ہو۔ کیونکہ تم نے افغانستان میں ہماری فوج کے جوانوں کو کتوں کی موت مارا ہے۔"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں موت کا حقدار ہوں تو تم نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا؟ آخر تمہیں کس بات کا انتظار ہے۔ تم میرے جسم میں اس ریوالور کی ساری گولیاں اتار کر آسانی سے یہاں سے نکل کر جاسکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"مجھے اس بات کی اجازت نہیں ملی کہ میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں۔ کیونکہ میرے افسران تمہیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں میری آمد اور موجودگی کا مقصد بھی یہی ہے۔ اگر تم ان سنگین الزامات سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی ایک صورت ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے تجسس سے دریافت کیا۔ "وہ کون سی صورت ہے؟"

"تم اس صورت میں اپنی زندگی اور اپنی جان عزیز بچاسکتے ہو کہ روس کے لئے کام کرو۔ میں یہاں اس لئے بھی آیا ہوں کہ تمہیں روسی حکومت کے لئے کام کرنے پر آمادہ کروں۔ ان حالات میں تمہارے لئے یہ ایک بہترین پیشکش ہے۔ ایک سنہرا موقع ہے۔ مجھے اس بات کی امید ہے کہ تم اسے ہاتھ سے جانے نہیں دوگے؟"

مجھ پر اصل صورت حال تیزی سے واضح ہونے لگی۔ روسیوں نے مجھ سے کام لینے کے لئے یہ جال تیار کیا تھا جس میں میں پوری طرح پھنس چکا تھا۔ میرے سامنے اب ایک ہی راستہ تھا کہ میں اس پیشکش کو قبول کرلوں۔ روسی حکومت مجھے اپنا مہرہ بنانا چاہتی تھی۔ اس شخص سے نجات پاتے ہی سیدھے دہلی جاکر امریکی سفارت خانے میں کسی اعلیٰ افسر سے ملاقات کر کے انہیں صورت حال سے آگاہ کروں۔ ان کے سفارت خانوں میں سی آئی اے کے ایجنٹ بحیثیت اسٹاف کے مامور ہوتے تھے۔ سی آئی اے صرف یہی نہیں کرتی تھی بلکہ وہ اخباری نمائندوں اور سیاحوں کے روپ میں اپنے ایجنٹوں کو دنیا کے تمام ممالک میں بھیجتی تھی۔ وہ کسی کو معاف کرتے تھے اور نہ اس بات کے قائل تھے۔ وہ دشمن کیا دوستوں اور اپنے حلیفوں پر بھروسا نہیں کرتے تھے۔ امریکہ ساری دنیا کو اپنا غلام بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ جیسے ساری دنیا اس کی جاگیر ہو۔ وہ اپنا قانون چلاتا تھا لیکن اس کے

لئے کوئی قانون نہیں تھا۔ دنیا میں اب لوگ امریکہ سے اس کی بے رحم اور خودساختہ پالیسیوں کی وجہ سے سخت نفرت کرتے تھے۔

لیکن میں یہ بات بھی جانتا تھا کہ روسیوں نے اس سلسلے میں ترپ کا کوئی پتا سنبھال کر رکھا ہوگا۔ پھر مجھے اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ امریکن آقا مجھ سے بازپرس کریں گے۔ کیونکہ افغانستانی اب امریکہ کے خلاف ہوتے جارہے تھے اور ان کی نفرت میں تیزی سے اضافہ بھی ہو رہا تھا۔ کیونکہ امریکہ اپنے احکامات صادر کرتا تھا اور افغانستان میں چرس' افیون اور ہیروئن کی جو کاشت ہو رہی تھی امریکہ اس کا سخت ترین مخالف اور دشمن تھا۔

میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں رہا......... تم یہ بات بھول رہے ہو کہ ہمارے ملک کی امریکہ سے گہری دوستی ہے اور ہم اس کے حلیف بنے ہوئے ہیں۔ ہم اس کی ہر بات مانتے ہیں۔ میں اپنے ملک کا ایک باشندہ ہونے کے ناتے امریکہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا اور........."

کیپٹن اینڈرریوف نے درمیان میں مجھے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ "مجھے پہلے اپنی بات ختم کرلینے دو ایس بی خیام! اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگ تمہیں کشمیر کے ایک دولت مند باپ کے بیٹے کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن تمہارا کیس ٹریبونل میں چلے گا۔ تم جانتے ہوگے کہ ایسے مقدمات کے فیصلے میں مہینوں لگ جاتے ہیں۔"

"تم لوگ میرے لئے اپنا وقت اور اپنی محنت بھی ضائع کر رہے ہو۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہم بے وقوف نہیں ہیں کہ وقت ضائع کرتے پھریں۔" اس نے بے پرواہی سے اپنے شانے جھٹکے۔ پھر اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا تم نے ناقابلِ فراموش لوگ نامی تنظیم کے بارے میں سنا ہے؟"

"نہیں........." میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"یہی تمہاری غلطی ہے۔" وہ سفاک لہجے میں کہنے لگا۔ "اس یہودی تنظیم کے تمام ممبروں کا تعلق برٹش آرمی کے یہودی بریگیڈیئر سے ہے جو فلسطین کے حریت پسندوں اور عرب جنگجوؤں سے لڑ چکا ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ قانونی مجرموں اور ان کے دشمنوں کو سزا دینے کے لئے نازی کارروائیوں کی رفتار انتہائی سست ہے۔ نازی مجرموں کو جلد از جلد

سزا دینے کے لئے انہوں نے یہ تنظیم قائم کی ہے۔ اسے ایک بہت بڑے خفیہ فنڈ اور اسرائیلی سیکرٹ سروس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان کی اطلاعات کے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ وہ تم جیسے اور نازی مجرموں کی تلاش میں ہیں۔ انہیں مسلمانوں خصوصاً فلسطینیوں سے سخت نفرت ہے اور پھر وہ ایسے لوگوں کے بدترین دشمن ہیں اور ان کی تلاش میں ہیں جو فرضی ناموں سے زندگی گزار رہے ہیں۔ ہربرٹ کوکر آخری آدمی تھا جو ان کے ہاتھ لگا۔ کیا تم اس کے عبرتناک انجام سے واقف ہو؟"

میں نے پھر ایک بار نفی میں سرہلا دیا۔ میں واقعی کچھ نہیں جانتا تھا۔

"میں بتاتا ہوں۔ اس کی لاش لائی ویڈر کے علاقے میں ایک کریٹ میں دریافت ہوئی تھی۔ اس کے جسم میں پانچ گولیاں پیوست تھیں۔ اس کے قاتلوں کا نہ کوئی سراغ مل سکا ہے اور نہ کبھی ملے گا۔ میں اس تنظیم کے ممبروں کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں ایس بی خیام! اگر تمہارے بارے میں انہیں اطلاع کر دی جائے تو وہ تم سے کوئی سوال کرنے کی زحمت بھی نہیں کریں گے۔ میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے جو بہت صاف اور واضح ہے۔ اس کے ممبران ہندوستان کے بڑے شہروں میں بھی موجود ہیں .... اگر تم ہمارے لئے کام کرنے پر آمادہ نہیں ہو تو تمہیں ان لوگوں سے دنیا کے کسی گوشے میں پناہ نہیں مل سکے گی۔"

وہ خاموش تو ہو گیا لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک خوفناک مسکراہٹ ابھر آئی۔

میں اس کا گہری نظروں سے جائزہ لینے لگا۔ وہ انگریزی زبان بڑے شستہ انداز میں بولتا تھا۔ وہ شاید جرمنی' ہندوستانی بھی جانتا ہو گا۔ سی آئی اے اور کے جی بی کے ایجنٹوں کو مختلف زبانیں سکھائی اور پڑھائی جاتی ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت کام آ سکیں۔ مجھے اس بات کی شدید حیرت تھی کہ میرے خلاف یہ منصوبہ بنانے' تیار کرنے میں انہیں کتنی محنت کرنی پڑی ہو گی اور اب یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اس سے چھٹکارا مشکل لگ رہا تھا۔

میں نے چند ثانیوں کے بعد بالآخر اس سے پوچھا۔ "آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمہارے اس فیصلے پر میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مجاہد اعظم ایس بی خیام!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارا یہ فیصلہ نہ صرف بروقت ہے بلکہ دانشمندی کی دلیل بھی ہے۔ تم روس کے لئے جو بھی کام کرو گے وہ دنیا میں امن و سلامتی کی خاطر

ہو گا۔ اس کے لئے تمہیں "آرڈر آف لینن" کا اعزاز بھی دیا جائے گا۔ کیا تم جانتے ہو اس اعزاز کے بارے میں .... اسے پانے والے کو کیا سہولت ملتی ہے؟"

"نہیں .... میں بالکل بھی نہیں جانتا ہوں۔" میں نے سرہلا دیا۔

"یہ اعزاز رکھنے والا ماسکو کی بسوں میں مفت سفر کر سکتا ہے۔"

میں نے اس کی طرف اس طرح سے دیکھا جیسے وہ اس اعزاز کا مذاق اڑا رہا ہو لیکن وہ سنجیدہ تھا۔

"میں اس مسئلے پر سکون اور یکسوئی سے سوچنا چاہتا ہوں .... لیکن ماسکو کی بسوں سے فائدہ اٹھانے سے پہلے مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے اپنا سابقہ سوال پھر سے دہرایا تھا۔

کیپٹن اینڈرروف نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے جیب سے ایک نقشہ نکال کر بستر پر پھیلا دیا۔ یہ روڈ میپ تھا جس میں افغانستان کے شمالی علاقے اس کا کچھ سرحدی علاقہ بھی تھا۔ اس نے ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"اب تم وہاں جا کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرو گے۔" وہ کہنے لگا۔ "وہاں تم ایک فارم خریدو گے؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ میری نگاہوں کی زبان کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولا۔ "ہاں' فارم جو سو ایکڑ سے بڑا نہیں ہو گا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ایران کی سرحد کے بالکل قریب ہو۔ اگر اس کا کچھ حصہ سرحد کے دوسری طرف بھی ہو تو زیادہ مناسب رہے گا۔"

میں اب معاملے کی نوعیت کو سمجھ رہا تھا۔ ایف بی آئی کے کمپیوٹرز کی وجہ سے جعلی کاغذات کے سہارے عام راستوں سے روسیوں کو افغانستان میں داخلے کے لئے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ میں قانونی طور پر افغانستان آنے والے روسیوں کی مشکلات سے آگاہ تھا۔ اگر انہیں کابل سے پچیس میل باہر بھی جانا پڑتا تو اڑتالیس گھنٹے پہلے سرکاری حکام کو اطلاع دینا پڑتی۔ انہیں اپنے طور پر کوئی گاڑی یا ٹیکسی کرائے پر لینے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ ایسی صورت میں افغانستان کی سرحد پر اس قسم کا فارم روسیوں کو افغانستان میں آمدورفت کے لئے بہترین راستے کا کام دے سکتا تھا۔ وہ تخریبی کارروائیوں اور انہیں ماضی میں جو ہزیمت اور ذلت اٹھانی پڑی تھی وہ اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

"ٹھیک ہے .... لیکن میرے پاس فارم خریدنے کے لئے رقم کہاں سے آئے

گی؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ تم کیوں بھول رہے ہو کہ تمہارے بینک اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ روپے جمع کرائے گئے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ سات لاکھ اٹھاسی ہزار کی رقم بھی موجود ہے۔" کیپٹن اینڈرریوف مسکرایا۔ جال کی رسی کھینچی جا چکی تھی۔ "افغان کرنسی کی حالت بہت خراب ہے۔ ہندوستانی کرنسی اس کے مقابلے میں بڑی مستحکم ہے۔ پاکستانی کرنسی، ہندوستانی کرنسی کے مقابلے میں کم قیمت کی ہے۔ تم ہندوستانی کرنسی کو پاکستانی کرنسی میں تبدیل کر کے لے جانا چاہتے ہو تو لے جا سکتے ہو۔ اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا لیکن تمہارا پاکستانی کرنسی لے جانا زیادہ بہتر ہو گا۔ کیونکہ موجودہ حکومت پاکستانی کرنسی کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔"

پھر اس نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔ "ان دنوں طالبان اور شمالی اتحاد آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ ہم شمالی اتحاد کو برسرِ اقتدار دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم بھی ہماری خواہش اور خواب کا خیال رکھو گے۔"

اس نے نہ جانے کس رو میں بہہ کر اس راز کو مجھ پر منکشف کر دیا تھا۔ جبکہ اس اظہار کی ضرورت نہ تھی۔ روسی حکومت خفیہ طور پر دوستم کی ہر طرح سے مدد کر رہی تھی۔ اس نے جس جگہ مجھے فارم خریدنے کی ہدایت کی تھی وہ طالبان کے زیرِ اثر تھا۔

"میں تمہاری ہدایت پر پوری طرح عمل کروں گا۔ تم مجھ پر بھروسا کر سکتے ہو لیکن میری ایک درخواست ہے۔"..........

"وہ کیا؟" اس نے چونک کر میری شکل حیرت سے دیکھی۔ "کس چیز کی درخواست؟"

"تم جانتے ہو کہ حسین لڑکیاں میری بہت بڑی کمزوری ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہندوستان میں کیا کمی ہے حسین لڑکیوں کی۔ تمہارے پاس اتنی رقم ہے کہ تم راجہ اندر بن سکتے ہو۔"

"لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں بشرطیکہ تم میری بات کا برا نہ مانو۔" میں نے کہا۔

"کہو ......کہو...... برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہو گی۔ تم نے ہمارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن ہم نے برا نہیں منایا۔ ہم روسی بڑے وسیع القلب ہوتے ہیں۔ تم بلا جھجک کہہ دو۔"

"اس شہر میں میں نے بہت ساری نوجوان اور حسین روسی لڑکیاں دیکھی ہیں۔ روسی لڑکیوں کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ بڑی گرم جوش ہوتی ہیں۔ ان میں اور واڈکا کی شراب میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ میں نے بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا ہے لیکن میرے دل میں بڑی حسرت ہے کہ روسی لڑکی میرے بستر کی زینت بنے .... واڈکا شراب ملے۔"

"روسی لڑکیاں اور عورتیں تمہاری اس لئے کمزوری ہیں کہ تم جنگ کے دوران بہت ساری لڑکیوں اور عورتوں کی آبروریزی کر چکے ہو۔ تمہارے منہ کو ایک درندے کی طرح خون لگ چکا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ بہت ہی حسین اور شعلہ مجسم اور واڈکا شراب بھی مل جائے گی۔ تمہیں کس عمر کی روسی لڑکی کی طلب ہے؟" کیپٹن اینڈرریوف نے پوچھا۔

"سولہ سترہ برس کی لڑکی ہو۔" میں نے کہا۔ "اس عمر کی نہیں تو پھر بیس بائیس کی سہی۔"

"تمہارا ذوق بھی بہت اعلیٰ قسم کا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ سولہ برس کی روسی لڑکی رات پہنچ جائے لیکن عیاشی میں زیادہ دن گزارنے اور وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جتنا جلد ہو سکے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو گے۔ میں تمہیں اپنا خفیہ نام بتا دوں۔ میرا نام ڈین مارٹن ہے۔ میں تم سے اس نام سے رابطہ قائم کرتا رہوں گا۔"

"کیا تم مجھے یہاں ٹیلی فون کرو گے؟" میں نے پوچھا۔ "کس دن اور کس وقت تمہارے فون کا انتظار کروں؟"

"میں یہاں نہیں بلکہ تمہاری اس رہائش گاہ پر فون کروں گا جو تمہارے دوست ہری کرشن نے تمہیں عارضی طور پر رہائش کے لئے دی ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔ "اور ہاں تم کوئی چالاکی یا ہوشیاری کی کوشش نہ کرنا بصورتِ دیگر تم کیپٹن اینڈرریوف کو اتنا نرم دل نہیں پاؤ گے۔"

اتنا کہہ کر اس نے مجھے مسکرا کر معنی خیز نظروں سے دیکھا اور دروازہ کھول کر نکل گیا۔

میں اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد تک خواب کی سی حالت میں بیٹھا رہا۔ میں اب اس فلیٹ میں بالکل اکیلا تھا۔ مجھے اس وقت کچھ پینے کی طلب شدت سے محسوس

ہونے لگی۔ میں کچن کی طرف بڑھا تاکہ ایک کپ چائے بنا کر پی لوں۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ ایک ایک چیز تک لے جائی گئی تھی۔ تمام کمرے خالی تھے۔ مجھے ایک تنکا تک ایسا نہیں مل سکا جس سے سریتا کا تعلق ظاہر ہو سکتا۔ فلیٹ اس طرح خالی تھا جیسے مدت سے کسی نے یہاں قدم نہ رکھا ہو لیکن بستر میں اس کے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ میرے خلاف سازش میں سریتا نے مرکزی کردار ادا کیا تھا اور مجھے افسوس اور پچھتاوا اس بات کا ہو رہا تھا کہ میرے پاس اس کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ نہ میں نے اس کی ضرورت سمجھی تھی۔

☆======☆======☆

نصف گھنٹے کی تلاش کے بعد بھی ایک ہیئرپن تک نہ مل سکی جس سے سریتا کا کوئی سراغ ملتا۔ اس کی صورت اور نام کے علاوہ میرے پاس اس کی کوئی یاد نہیں تھی۔ میں نے سوچا یقیناً اس کا نام بھی جعلی ہو گا۔ دو کروڑ کی آبادی والے اس شہر میں کسی خاص فرد کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ البتہ ایک ہلکی سی امید تھی کہ دوسرے روسی ایجنٹوں کی طرح سریتا بھی ہندوستان آئی تھی یا اسے روسی ایجنٹوں نے بلیک میل کر کے مہرہ بنایا تھا۔ وہ ہندوستانی ہی تھی۔ چونکہ ہندوستان اور روس میں گہرے تعلقات تھے۔ ان کے مفادات بھی ایک ہی تھے اس لئے روسی ایجنٹ یہاں بڑی آزادی سے کام کرتے تھے۔ سریتا سے دوبارہ ملنے کا امکان یوں بھی تھا کہ وہ ہندوستانی ہے۔ اس لمحے اس کی اور اس کے پُرشباب گداز بدن اور اس کی والہانہ باتیں بہت یاد آ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ جو وقت اور نشاط انگیز لمحات گزرے تھے وہ یادگار اور ناقابل فراموش تھے۔

جب میں فلیٹ سے باہر آیا تو میرے دل پر ایک گہری مایوسی طاری تھی۔ کیونکہ سریتا جیسی حسین لڑکی مجھے دھوکا دے گئی تھی۔ اب سریتا کا یہ بھرم بھی کھل چکا تھا کہ وہ ہندوستان کے ایک کروڑ پتی کی بیٹی تھی۔ اس کا منک کوٹ اور قیمتی ملبوسات روسیوں کی عنایت تھی۔ اس کے علاوہ اسے اس بات کی بھی شاید تاکید کی گئی تھی کہ وہ مجھ سے خودسپردگی، گرم جوشی، والہانہ پن اور وارفتگی سے پیش آئے۔ میں اس سے جس طرح سے بھی پیش آؤں وہ اُف نہ کرے۔ انہوں نے مجھے پھانسنے کے لئے پانی کی طرح پیسہ خرچ کیا تھا لیکن مجھ سے وہ جو کام لینا چاہتے تھے اس کے مقابلے میں یہ اخراجات روسیوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

میں لفٹ سے نیچے آ کر پُرفکر انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور مجھے ہر قیمت پر سریتا کا سراغ لگانا تھا۔ میں نے گراؤنڈ فلور پر رہنے والے ایک شخص سے دریافت کیا کہ اس بلڈنگ میں فلیٹ کرائے پر لینے کے لئے کس سے رابطہ قائم کرنا پڑے گا تو اس نے ماہم بردم اینڈ ڈیل نامی فرم کا پتا بتا دیا۔ میں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ماہم کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب میں نے اس معاملے میں امریکی سفارت خانے کی معرفت ایف بی آئی یا سی آئی اے سے مدد لینے کا خیال دل سے نکال دیا تھا کیونکہ میں اس طرح اور الجھ جاتا۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا وہ مجھے خود ہی کرنا تھا۔ وقت کم تھا اور مجھے ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھانا تھا۔

مجھے ماہم کے علاقے میں پہنچنے میں بیس منٹ لگے۔ مطلوبہ عمارت پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ صرف بردم اینڈ ڈیل کا مختصر سا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ دفتر تیسری منزل پر واقع تھا۔ پرکاش آنند نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔

”میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں جناب!“ اس نے مجھے ملاقاتی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”میں انسپکٹر ہوں اور ”را“ کی تنظیم میں ہوں۔“ میں نے اندھیرے میں تیر چلایا جو ٹھیک نشانے پر جا لگا۔ اس کی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ اس نے مجھے شناخت کرانے کے لئے نہیں کہا۔ وہ کارڈ مانگتا تو میرے لئے مسئلہ پیدا ہو جاتا۔

”میں ان لوگوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے سنگریلا فلیٹس میں نمبر سولہ ایف کرائے پر لیا تھا۔“

تب اسے کچھ خیال آیا اور احساس ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ”آپ اپنی شناخت کرائیں اور نام بتائیں۔“

میں چونکہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکا تھا اس لئے اس سے کہا۔ ”را تنظیم کے اصول کے خلاف ہے کہ نام اور شناخت کرائی جائے۔“

”میں کیسے تسلیم کر لوں کہ آپ کا تعلق اس تنظیم سے ہے؟“ وہ بھی ایک گھاگ قسم کا تھا۔

”میں صرف معلومات حاصل کرنے آیا ہوں کوئی بھتہ مانگنے یا حراست میں لینے نہیں آیا۔“ میں نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں

مانتے ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔ میرے آدمی آ کر آپ کو حراست میں لے لیں گے۔ اس الزام میں کہ آپ نے تعاون نہیں کیا۔ وہاں پہلے آپ کی مزاج پرسی کی جائے گی۔ پھر سوال کیا جائے گا۔"

اس کا چہرہ متغیر سا ہوگیا۔ وہ مردہ لہجے میں بولا۔ "پلیز! آپ تشریف رکھیں۔ ناراض نہ ہوں۔"

میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ کو اس الزام میں بھی گرفتار کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے روسی ایجنٹوں کو مکان کرائے پر دیا جبکہ کوئی بھی ایجنٹ ہو اسے حکومت کی اجازت کے بغیر مکان کرائے پر نہیں دیا جا سکتا ہے۔"

اس نے گڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "سر! آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں۔ روس اور ہندوستان کے مابین.........."

"آپ کی آرزو ہے کہ ہمارے دفتر میں جو قید خانہ ہے اس میں آپ پر تشدد کیا جائے 'کیوں؟" میں نے کہا۔

پھر وہ فوراً ہی الماری میں فائلیں تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے ایک فائل سے کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "وہ فلیٹ مسٹر برنارڈ ہیڈلے نے کرائے پر لیا تھا۔ کرائے کی رقم پیشگی دی تھی۔ معاہدے کے مطابق یہ مدت آج ختم ہو گئی ہے۔ انہوں نے کل ہی مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ فلیٹ کل سہ پہر تک خالی کر دیا جائے گا۔"

"کیا اس شخص سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں.......... وہ میرے دفتر میں صرف ایک مرتبہ آیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ممبئی میں کاروباری دیکھ بھال کے لئے عارضی طور پر ایک فلیٹ کی ضرورت ہے۔ وہ برلن سے آیا ہوا ہے۔ اس نے کرائے کی کوئی حد مقرر نہیں کی تھی۔ میں نے اس سے فلیٹ کا کرایہ پندرہ ہزار ماہانہ طلب کیا تھا۔ اس نے کوئی سوال جواب نہیں کیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ روسی ایجنٹ ہے۔"

میں نے اس سے ایگری منٹ لے کر دیکھا۔ اس پر ثبت دستخط ناقابلِ فہم تھے۔ پرکاش آنند کے کہنے کے مطابق وہ پستہ قد اور پُروقار شخصیت کا مالک تھا۔ فلیٹ لینے سے قبل وہ ہوٹل ڈی لکس میں مقیم تھا۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بھی کوئی روسی ایجنٹ تھا اس نے کرایہ نقد ادا

کیا تھا۔ پرکاش آنند کوئی خاص بات نوٹ نہ کر سکا تھا۔ چونکہ اسے کرائے سے مطلب تھا اس لئے اس نے زیادہ کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں اس کا شکریہ ادا کر کے باہر آیا تو تیز بارش شروع ہو چکی تھی۔ میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں سیدھا اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ ہری کرشن کے فلیٹ میں نہیں گیا۔ میں کچن میں چائے بنا رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے لاؤنج میں آ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ کسی کے سانس لینے کی آواز سنائی دی اور پھر دوسری طرف آہستگی سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

کھیل شروع ہو چکا تھا۔ میں چائے بنا کر بیڈروم میں لے آیا اور کرسی پر بیٹھ کر گھونٹ بھرتے ہوئے سوچنے لگا کہ کیا مجھے امریکی سفارت خانے سے رابطہ کرنا چاہئے۔ میں سی آئی اے کے کسی ایجنٹ سے رابطہ کروں لیکن ہر سی آئی اے ایجنٹ پر بھروسا بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چونکہ اب افغانستان کے مسئلے پر روس اور امریکہ کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں تھا۔ نہ کوئی بدمزگی اور تلخی تھی۔ جب سے روس میں ایک انقلاب آیا تھا اس نے امریکیوں اور روسیوں کے درمیان نفرت کی خلیج کو کم کر دیا تھا۔ اب روسی اور امریکی ایجنٹ دوستوں کی طرح ملتے تھے۔ اس بات کا امکان تھا کہ وہ امریکی ایجنٹ جس سے میں رابطہ کروں گا وہ میرے بارے میں روسی ایجنٹ کو بتا دے۔ میں کسی بھی طرح اپنا بے گناہی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ روسیوں نے منصوبے میں کوئی جھول نہیں چھوڑا تھا۔ میری بغل میں ستارے کا جو مخصوص نشان تھا اس کی موجودگی سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ نشان گودا ہوا تھا۔ میں نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور پھر صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ روسی ایجنٹوں اور اسرائیلی قاتلوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اس آدمی کو تلاش کیا جائے جس کی شخصیت میں مجھے پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اسے کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے؟

میں بستر پر کچھ دیر ستانے اور اس شخص کے بارے میں سکون اور یکسوئی سے سوچنے کے لئے لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ میں گہری نیند سو گیا تھا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے سنا کہ اطلاعی گھنٹی وقفے وقفے سے بج رہی ہے۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ میں نے بستر سے نکل کر سوئچ بورڈ کے پاس جا کر سوئچ آن کیا۔ دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ پھر میں تیزی

سے دروازے کی طرف لپکا۔

میرا خیال تھا کہ ہری کرشن' اس کی بیوی یا بچہ میری خبر لینے آیا ہو گا۔ کیونکہ تین دن سے انہیں میں نے اپنی شکل نہیں دکھائی تھی لیکن جب دروازہ کھولا تو میں یہ سمجھا کہ شاید نیند کا خمار ہے۔ کیونکہ بائیس برس کی ایک روسی لڑکی اپنے ہاتھ میں ایک دستی بیگ لئے کھڑی تھی۔ بلاشبہ وہ بہت حسین اور شعلہ مجسم تھی۔ دراز قد تھی جس سے اس کے بدن کی قیامتیں واضح اور بے پناہ پُرکشش ہو گئی تھیں۔ اس کی نکھری ہوئی اور صاف شفاف رنگت میں اجلا پن نمایاں تھا۔ اس کے چہرے کے خدوخال ہی تیکھے تیکھے نہیں تھے بلکہ اس کی بڑی بڑی حسین آنکھوں میں جادو بھرا ہوا تھا۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟" اس کی آواز گونجی جس میں بڑی مٹھاس بھری تھی۔ اس نے شستہ اردو زبان میں کہا تھا۔

میں سمجھ گیا کہ اسے کیپٹن اینڈررریوف نے بھیجا ہے۔ اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ آتش فشاں کو میرے پاس بھیج دیا ہے۔ میں نے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا تاکہ وہ اندر آ جائے۔ اس نے شکریہ کہا۔ پھر وہ میرے قریب سے مسکتی ہوئی گزری۔ جب میں دروازہ بند کر کے اس کے پاس آیا تو اس نے مترنم لہجے میں کہا۔

"میرا نام صوفیہ ہے۔"

"بہت خوبصورت نام ہے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے شوخی سے کہا۔

"خدمت آپ نہیں' میں کروں گی۔" اس کا لہجہ مجھ سے کہیں شوخ تھا۔ میں نے دیکھا اس کا لباس بھیگ کر بدن سے چپکا ہوا ہے۔ باہر موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ بارش ابھی تک تھمی نہیں تھی۔ گیلے لباس نے اسے جیسے بے لباس کر دیا تھا۔ "میں واڈکا بھی لائی ہوں .... چکن بروسٹ اور فرائی نمکین کاجو بھی۔" اس نے دستی بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بارش ہے رات کا حسن' آپ کی آمد سے ماحول رنگین اور رات سحرزدہ سی ہو گئی ہے۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ آپ کو میرے کس دوست نے مجھ پر مہربان ہونے کے لئے بھیجا ہے۔"

"ظاہر ہے کسی نے تو بھیجا ہی ہے۔" اس نے میرے قریب آ کر اپنی بانہیں میرے

گلے میں حمائل کر دیں۔ "میں جنت سے آئی ہوئی حور نہیں ہوں۔ آپ کو آم کھانے سے مطلب ہونا چاہئے پیڑ گننے سے نہیں۔ اچھے بچے اس قسم کے سوال لڑکیوں سے نہیں کرتے ہیں۔"

ایف بی آئی یا سی آئی اے کیوں نہ ہو .... کے جی بی بھی .... ایسی حسین لڑکیاں جن کا حُسن اور پُرشباب گداز بدن ایمان خراب کر دینے والا ہوتا ہے ان کے ادارے میں شامل ہوتی ہیں۔ جنہیں وہ بطور چارہ اور مہرہ استعمال کرتے ہیں۔

"را" نے بھی پاکستان میں جاسوسی کے لئے حسین ہندوستانی لڑکیوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ حسین نوجوان لڑکیاں جو ہری ہتھیار سے بھی کہیں خطرناک ہوتی تھیں۔ انہیں باقاعدہ اس بات کی تربیت دی جاتی تھی کہ مردوں کو کس طرح شیشے میں اتارا جائے اور ان سے راز اگلوایا جائے۔

میں روسی لڑکی صوفیہ کے لئے میں پہلا مرد نہیں تھا۔ اس کے ساتھ جو میں چل پڑا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ بہت سارے مردوں کے ساتھ سفر پر جا چکی ہے۔ اس کے لئے کوئی راستہ نیا یا اجنبی نہیں تھا۔

اس نے مجھ سے پوچھا۔ "تم کیا پینا پسند کرو گے؟"

"کافی۔" میں نے اس کے ریشمی سنہرے بالوں کو سہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"کافی .... لیکن کافی پینے سے تمہیں نیند نہیں آئے گی؟" وہ میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"اسی لئے میں کافی پینا چاہتا ہوں کیونکہ یہ رات جاگنے کی ہے۔ تم جیسی کافرہ ہو تو سو جانا بدذوقی ہے۔" میں نے کہا۔

وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز موجود ہے۔ میں اپنا شک دور کرنے کے لئے کچن کی طرف بڑھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ میرا شک درست نکلا۔ وہ کافی کے کپ میں کچھ ایک پڑیا گھول رہی تھی۔

میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ مسکراتی ہوئی کافی لے کر آئی۔ میں نے اس کے ہاتھ میں ایک پیالی دیکھ کر پوچھا۔ "کیا تم نہیں پیو گی؟ میرا ساتھ نہیں دو گی؟ یہ کیا بات ہوئی؟"

"مجھے کافی سخت ناپسند ہے .... میں واڈکا اس لئے لائی ہوں۔" اس نے جواب

دیا۔ "تم کافی پی لو۔ میں اتنی دیر میں باتھ روم سے ہو آتی ہوں۔ گرم پانی سے نہالوں تاکہ تھکن اور کسلمندی دور ہو جائے۔"

پھر وہ ملحقہ باتھ روم میں چلی گئی تو چند لمحوں کے بعد میں بستر سے نکلا۔ پھر میں نے بالکنی میں جا کر کافی باہر پھینک دی۔ پھر میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ پیالی میز پر رکھ دی۔ دس منٹ کے بعد وہ باتھ روم سے باہر آئی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر اپنا گیلا بدن پونچھتے ہوئے میری جانب دیکھنے لگی۔ میں غنودگی کی اداکاری کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تولیا باتھ روم میں کھونٹی سے لگا کر بستر پر میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے میرے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"تم سچ سچ بتاؤ .... تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارا وطن کون سا ہے؟"

"میں ایک انسان ہوں۔ میرا نام ایس بی خیام ہے۔ میرا تعلق کشمیر کے مقام سوپور سے ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم کشمیری مجاہد ہو .... تم نے افغانستان میں امریکیوں اور طالبان کے ساتھ مل کر روسیوں کے خلاف جنگ لڑی ہے۔ تم امریکیوں کے آلہ کار رہے ہو۔ تم نے سینکڑوں روسیوں کو چھاپہ مار جنگ میں قتل کیا ہے؟"

"ہاں میں کشمیری مجاہد ہوں۔ میں نے افغانستان کی جنگ میں سینکڑوں روسیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا ہے۔ میں امریکیوں اور طالبان کا آلہ کار رہا ہوں۔ اس لئے مجھے خصوصی تمغہ بہادری دیا گیا۔"

"یہ بھی سچ بات ہے کہ تم نے روسی عورتوں اور کم سن عمر کی لڑکیوں کی بے حرمتی کی۔"

"مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے جتنی عورتوں اور لڑکیوں کی بے حرمتی کی کسی اور نے نہیں کی۔"

"تم پر بہت سارے الزامات ہیں۔ تم ایک سفاک مجرم ہو۔ تمہیں کیا سزا دی جائے؟"

"مجھے اپنے تمام جرائم کا اعتراف ہے۔ میں اب ان کی تلافی کروں گا۔ اس کے لئے مجھے ایک موقع دیا جا رہا ہے؟"

"تم کس طرح سے ان تمام جرائم کی تلافی کرو گے؟ کیا یہ بات بتانا پسند کرو گے؟"

"میں طالبان اور امریکیوں کو موقع پا کر قتل کروں گا۔ افغانستان میں روسی سرحد کے قریب ایک فارم خریدوں گا۔ میں اب روسی حکومت اور روسیوں کی خدمت کروں گا۔ میں آج سے صرف اور صرف ایک روسی ہوں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ .... تم افغانستان جاؤ گے یا کشمیر؟"

"میں کشمیر نہیں جاؤں گا۔ میں چند دنوں میں افغانستان جا رہا ہوں تاکہ وہاں جلد سے جلد ایک فارم خرید سکوں۔"

"اچھا اب تم سو جاؤ .... تمہیں نیند اور آرام کی سخت ضرورت ہے۔"

"میں سو رہا ہوں .... لیکن مجھے جگانا نہیں .... صوفیہ کو جانے نہیں دینا۔ میں اسے پسند کرنے لگا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد صوفیہ بستر پر آ کر مجھ پر جھک گئی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔ اس نے ہر طرح سے اپنا اطمینان کر لیا تھا۔ میں بھی اس کا استاد تھا۔ اس کی کسی حرکت پر بیدار نہیں ہوا۔ وہ سچ مچ کا چیک کر کے دیکھ رہی تھی کہ مجھ پر غشی طاری ہے یا نہیں۔ جب اسے اطمینان ہو گیا تو وہ بستر سے اتری اور کمرے سے نکل گئی۔

نشست گاہ میں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ چند لمحوں کے بعد بولی۔ "سر! میں نے اسے بہت اچھی طرح چیک کر لیا۔ اس کی کافی میں بلائنڈ مائنڈ کا سفوف گھول دیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ایس بی خیام اور کشمیری مجاہد تسلیم کر لیا ہے۔ اس نے روسیوں کی ہر طرح مدد کرنے کا عزم کیا ہوا ہے .... وہ افغانستان کے مجاہدین کو اپنا دشمن تصور کر رہا ہے .... جی سر! یس سر! .... وہ کچھ دنوں میں افغانستان جانے والا ہے۔ شراب سے زیادہ شباب سے دلچسپی ہے .... میں نے اسے ہر طرح سے خوش کیا ہے سر! .... اس کی ہر جائز و ناجائز بات بھی مانی ہے .... وہ مجھ سے بہت خوش ہے .... اسرائیلیوں کے خلاف اس کے دل کے کسی کونے میں نفرت بالکل بھی نہیں رہی ہے .... او کے سر!"

میں نے اس کی یہ ساری گفتگو دروازے کے پاس کھڑے ہو کر سنی۔ جس وقت وہ ریسیور کریڈل پر رکھ رہی تھی میں بستر پر آ کر منہ کے بل لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ پھر بستر پر دراز ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد میں اٹھ بیٹھا اور میں نے

اپنا سر پکڑ لیا۔ صوفیہ نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ کیا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

"میرا سر گھوم رہا ہے .... ایک عجیب سا نشہ چھا رہا ہے۔ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟" میں نے سر جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔

"رات تم نے غلطی سے واڈکا پی لی تھی۔" صوفیہ نے کہا۔ "کچھ زیادہ ہی پی لی تھی۔ واڈکا اتنی زیادہ تھوڑی پی جاتی ہے؟"

"اچھا........." میں نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔ "میں کل سے اس بات کا خیال رکھوں گا۔"

☆------☆------☆

صبح صوفیہ نے ناشتہ تیار کیا۔ ناشتے کے بعد اس نے اپنے کپڑے دیکھے۔ وہ سوکھ چکے تھے۔ پھر وہ انہیں پہن کر چلی گئی۔ رخصت ہوتے تک وہ جس عالم میں میری نظروں کے سامنے رہی تھی وہ ناقابل یقین تھا۔ اس میں میرے لئے حیرت تھی۔ غیر ملکی جاسوسی اداروں میں جو لڑکیاں رکھی جاتی ہیں ان میں اور ایک کال گرل میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ یہ ماتا ہری ہوتی ہیں۔

صوفیہ کے جانے کے کوئی ایک گھنٹے کے بعد کیپٹن اینڈرریوف کا ٹیلی فون آیا۔

"رات کیسی گزری؟ صوفیہ نے خوش کیا؟ تم نے انجوائے کیا کہ نہیں؟ اس نے تمہیں شکایت کا موقع تو نہیں دیا۔ کسی خواہش کو رد تو نہیں کیا؟"

"یہ میری زندگی کی ایک ایسی حسین، رنگین اور یادگار رات رہی کہ میں اسے کبھی بھلا نہ سکوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے اندازہ نہ تھا کہ ایک نوجوان اور حسین روسی لڑکی اس قدر فیاض بھی ہو سکتی ہے۔ میں شاید پھر کبھی اس طرح سے انجوائے نہ کر سکوں۔ نہ تو اس نے کسی قسم کی شکایت کا موقع دیا اور نہ ہی میری کسی خواہش کو رد کیا۔ گو مجھے اس بات کا افسوس بھی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ کچھ جبر و زیادتی کر دی لیکن میں کیا کرتا۔ شراب آدمی کو جوان بنا دیتی ہے۔ وہ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ اسے کچھ ہوش نہیں رہتا ہے کہ وہ غلط سمت جا رہا ہے۔ اس پر شیطان سوار ہو جاتا ہے۔"

"آج کی رات پھر میں صوفیہ کو بھیج دوں؟" کیپٹن اینڈرریوف نے کہا۔ "تم ان باتوں کا کچھ خیال نہ کرو۔ جب آدمی شراب کے نشے میں ڈوب جاتا ہے پھر اسے فطری' اچھے برے کی کوئی تمیز نہیں رہتی ہے۔ چونکہ تم نے اپنی خدمات روسیوں کو پیش کر دی

ہیں لہٰذا جو بھی عورت آئے گی وہ تمہاری ہر خواہش کو پورا کرے گی۔"

کیپٹن اینڈرریوف مجھ سے کہہ رہا تھا تب اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کا کوندا بن کر لپکا' ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں مجھے یہ خیال آیا کہ ہندوستان اور اسرائیل میں گٹھ جوڑ ہے۔ اسرائیلی ایجنٹ جو موساد سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہندوستان میں موجود ہیں۔ ہندوستانی حکومت سے بھرپور تعاون کر رہے ہیں۔ کشمیر میں تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے رہنمائی کر رہے ہیں۔ "را" تنظیم کی بھی مدد کر رہے ہیں۔ ان کے ایجنٹوں کو خصوصی تربیت دے رہے ہیں بلکہ ہندوستانی ایجنٹوں کے ساتھ پاکستان میں بھی جا کر تخریبی کارروائیاں کرتے ہیں۔ یہودی لڑکیاں بھی موجود ہوں گی جب یہاں اسرائیلی تنظیمیں بھی موجود ہیں۔

"میں ذائقہ بدلنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "روسی ذائقہ قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ کیا کوئی یہودی لڑکی آج کی رات میری مہمان نہیں بن سکتی؟"

"کیوں نہیں .... لیکن میں عمر کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا .... وہ سولہ برس سے چالیس برس کے درمیان کی بھی ہو سکتی ہے۔"

کیپٹن اینڈرریوف نے مجھے کہنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے دوسری طرف ریسیور رکھ دیا جیسے میری فرمائش اسے ناگوار لگی ہو۔ پھر مجھے اچانک خیال آیا کہ کیپٹن نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ روپے جمع کئے گئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں بینک جا کر اس کی تصدیق کروں۔ اس خیال کے آتے ہی میں تھوڑی دیر کے بعد تیار ہو کر نکلا۔ پھر کچھ خیال آیا تو پھر میں واپس فلیٹ میں آیا۔ میں نے خواب گاہ کی کھڑکی کے پاس جا کر پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر جھانکا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ میں نے ایک مشکوک آدمی کو اخبار بغل میں دبائے سامنے جو ہوٹل تھا اس کے فٹ پاتھ پر ٹہلتے اور اس بلڈنگ کے بیرونی دروازے پر نظریں مرکوز کئے دیکھا تو میرے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔

ممبئی میں آج بھی ایسی بہت ساری کئی منزلہ عمارتیں موجود ہیں جو انگریزوں کی باقیات میں سے ہیں۔ ان عمارتوں کے عقب میں ایک ایمرجنسی گول سیڑھی ہوتی ہے۔ جو اس عمارت میں بھی تھی۔ میں اس عقبی گول سیڑھی سے نیچے اترنے لگا۔ ایک آدمی آسانی سے اتر سکتا تھا لیکن دو آدمی جو اتر اور چڑھ رہے ہوں ان کے لئے ذرا مشکل ہو

جاتی تھی۔ ایک پارسی نوجوان لڑکی اوپر جارہی تھی اور میں نیچے جارہا تھا۔ ہم دونوں پھنس پھنسا کر نکلے۔ اس نے کچھ خیال نہیں کیا۔ شاید اس لئے کہ وہ عادی تھی وہ مسکراتی ہوئی میرے جسم سے رگڑ کھاتی ہوئی اوپر چلی گئی تھی۔

میں ٹیکسی میں بینک جارہا تھا۔ گاڑی لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے پاس جو گاڑی تھی وہ رینٹ اے کار والوں سے ہری کرشن نے رعایتی نرخ پر دلائی تھی۔ میں بینک پہنچنے تک غیر محسوس انداز سے ٹیکسی کے عقبی آئینے میں اور مڑ کے دیکھتا رہا کہ کہیں تعاقب تو نہیں ہو رہا ہے؟ لیکن میں نے کوئی ٹیکسی یا گاڑی تعاقب میں نہیں پائی۔

میں نے اپنے بینک بیلنس کی تصدیق کی۔ واقعی میرے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ کی رقم جمع کرائی ہوئی تھی۔ میں نے کچھ سوچ کر تین لاکھ کی رقم نکلوائی۔ واپس اپنے فلیٹ پر پہنچا۔ پھر میں ہری کرشن کے فلیٹ میں گیا۔ وہ رات کی ڈیوٹی کر کے رات چار بجے آکر سو جاتا تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود اس کی پتنی نے اسے جگا دیا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر ناشتہ کیا۔

میں نے پچیس ہزار کی رقم اس کی بیوی رتنا دیوی کے ہاتھ پر رکھی تو وہ بری طرح چونکی۔ "یہ کیا بھیا.........! یہ کس لئے؟"

"میں اپنی خوشی سے اس لئے دے رہا ہوں کہ تعطیلات منانے کے لئے کسی پُرفضا مقام پر ہو آئیں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کے احسانات پہلے ہی کیا کم ہیں؟" رتنا دیوی جذباتی ہو کر بولی۔ "میں یہ رقم نہیں لوں گی؟"

"یار! تم ہمیں اور ذلیل تو نہ کرو۔" ہری کرشن نے کہا۔ "تم کیسے مسلمان ہو یار، ہم لوگوں سے محبت کرتے ہو؟"

"کیا ایک مسلمان ہونے کے ناتے مجھے ہندوؤں سے نفرت کرنا چاہئے؟" میں نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔ "ہاں......... ہم اس لائق ہیں کہ ہم سے نفرت اور دشمنی کی جائے۔"

"وہ کس لئے؟" میں ہنس پڑا۔

"اس لئے کہ ہم ہندو قوم کے لوگ مسلمانوں کے سخت ترین بلکہ بدترین دشمن ہیں۔" ہری کرشن کہنے لگا۔ "ہم نے بابری مسجد ڈھا دی۔ مسلم کش فسادات ہندوستان میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ ان ہندو مسلم فسادات نے ہماری گردنیں شرم سے جھکا دی ہیں۔ ہماری رامائن میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ مسلمانوں یا غیر ہندوؤں کو ظلم اور درندگی کا نشانہ بنایا جائے۔ ان کے خون سے ہولی کھیلی جائے۔ ہم نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ہر شہر میں مسلمانوں کو جس طرح قتل کیا گیا اور ان کی املاک کو آگ لگائی گئی۔ مرد اور عورتوں کو زندہ جلایا گیا' اس کی مثال نہیں ملتی......... 47ء میں بھی مسلمانوں کو اس ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ کشمیر میں ہماری فوج کشمیریوں پر جو ظلم ڈھا رہی ہے بربریت کر رہی ہے اس نے انسانیت کو شرمسار کر دیا ہے۔ میں کہاں تک اپنی قوم کے جرائم کو بیان کروں۔ مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافی اور ظلم و ستم روا رکھا گیا ہے اس کا سلسلہ ملک کی تقسیم سے ابھی تک جاری ہے۔ جب کہ پاکستان میں ہندو کش فسادات نہیں ہوتے ہیں۔ وہاں ہندو سکون سے زندگی گزار رہے ہیں۔"

"ہم کسی بھی قوم کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔" میں کہنے لگا۔ "میں پوری ہندو قوم کو دوش نہیں دیتا ہوں اور نہ وہ مہاسبھائی ذہنیت کی ہے۔ عام لوگوں کو اپنے اپنے مسائل اور الجھنوں سے فرصت نہیں ہے۔ وہ گوناگوں مسائل اور مہنگائی کی اذیت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ تو لیڈرشپ ہے۔ مفاد پرست خود غرض اور اقتدار کے بھوکے سیاست دانوں اور برسراقتدار حکومت اپنی کرسی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑاتی رہتی ہے۔ شرپسندوں اور غنڈوں کی مٹھی گرم کر دیتی ہے......... ہری کرشن لال! میں تمہارے ہاتھ میں چاقو دے کر کہوں کہ اسے قتل کر دو' یہ مسلمان ہے۔ کیا تم اسے قتل کر دو گے؟" ہری کرشن نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم مجھے بھرا ہوا پستول دے کر کہو گے کہ چھ سات آدمیوں کو شوٹ کر دو کیا میں کر دوں گا؟ ہرگز نہیں......... میں روسیوں اور امریکیوں کا بھی دشمن نہیں ہوں۔ وہاں کے عوام بھی دنیا کے کسی ملک کے عوام کے دشمن نہیں ہیں۔ میں ان کا دشمن ہوں جو اپنے مفادات کے لئے دوسرے ممالک کے عوام اور حکومتوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ اسی طرح اسرائیلیوں کو لے لو......... اس ملک کی فوج کشمیر کی طرح فلسطینیوں کو بھی دہشت گردی اور موت کا نشانہ بنا رہی ہے۔ اسرائیلی عوام کو بھی یہ بات سخت ناپسند ہے۔ امریکہ' روس' ہندوستان اور اسرائیل

کی حکومتیں فوج کے اشاروں پر ناچ رہی ہیں۔ فوج یہ بات جانتی ہے کہ ساری دنیا میں امن و امان قائم ہو گیا تو ان کا کیا ہو گا؟ سارا کھیل فوج کا ہے۔ فوج نہیں چاہتی ہے کہ امن قائم ہو جائے۔ اس طرح حکومتیں بھی نہیں چاہتی ہیں۔ وہ اپنا اقتدار ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ بال ٹھاکرے سے ہندوستان کے اسی فیصد عوام سخت نفرت کرتے ہیں۔ اسی طرح جتنی بھی مہاسبھائی، تنگ نظر اور متعصب ہندوؤں کی تنظیمیں ہیں انہیں اس ملک کے عوام پسند نہیں کرتے ہیں۔ انہیں نفرت اور حقارت سے دیکھتے ہیں۔ پاکستان کے عوام ہر ملک کے عوام سے انسانیت کے ناتے محبت کرتے ہیں۔ وہ بھی جنگ کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ پڑوسی ملک ہونے کے ناتے امن، محبت اور دوستی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں لیکن یہ بات ہندوستان کی فوج اور متعصب لیڈروں کو بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں بھیا!" رتنا دیوی نے کہا۔ "یہ رقم آپ واپس لے لیں۔ آپ کی بڑی دیا ہے۔ بھگوان آپ کو سدا خوش رکھے۔"

"یہ رقم نہ تو میں نے آپ کو دی ہے اور نہ ہی ہری کرشن کو......... یہ بچوں کی سیر و تفریح کے لئے........" پھر میں نے مزید دس ہزار کی رقم نکال کر دی۔ "میں دو ایک دنوں میں بنگلور یا پھر کشمیر کی سیاحت کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ بات کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں میرے بہت سارے دوست احباب اور رشتہ دار بھی ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ان سے مل کر آؤں۔ اس رقم میں سے بجلی، ٹیلی فون، گیس اور گاڑی کا کرایہ ادا کر دیں۔"

☆======☆======☆

رات دس بجے اطلاعی گھنٹی بجنے پر میں نے دروازہ کھولا۔ دروازے پر تیس برس کی ایک بہت ہی بھرپور اور طرح دار اور دراز قد عورت کھڑی تھی۔ وہ اسرائیلی عورت تھی۔ اس کے حسن کی کرشمہ سازیاں واضح تھیں۔ میں نے اسے اندر آنے کے لئے راستہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس یہودن عورت کو کیپٹن اینڈر ریوف نے میری رات رنگین کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

"میرا نام سوسن ہے۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنا سڈول اور خوبصورت ہاتھ میری طرف بڑھایا۔

میں نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ اس کی آنکھوں میں برقی قمقموں کی روشنی

بھری ہوئی تھی۔ اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک تیکھی نظروں سے دیکھا۔ پھر وہ رسیلی آواز میں بولی۔ "مسٹر ایس بی خیام! تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

وہ شکل و صورت سے ایک نفیس، شائستہ اور پُروقار اور بے حد خوش مزاج عورت لگ رہی تھی۔ اس کا جسم سڈول تھا اور اس کے اعضا اور خطوط میں بے پناہ کشش تھی۔ وہ تیس برس کی نہیں لگتی تھی۔ میں نے اس کی بردباری اور سنجیدگی سے اندازہ کیا تھا۔ اس کے بدن میں جو گداز تھا وہ تیس برس کی عمر کی عورت ہی میں دکھائی دیتا ہے۔

میں نے اس کا بیگ نما بڑا سا چرمی پرس دیکھا۔ اس میں سے اس نے شیمپین کی بوتل نکال کر میز پر رکھ دی تھی۔ اس کے پرس میں ڈرائیونگ لائسنس، لپ اسٹک، آئینہ، ہیئر برش، ایک نوٹ بک، چھ سات سو روپے اور ایک آٹومیٹک پستول بھی تھا۔ میں نے نوٹ بک نکال کر اس کی ورق گردانی کی۔ اس میں روسی اور ہندوستانی فوجی جرنیلوں، میجروں اور کچھ صنعت کاروں کے ٹیلی فون نمبر اور ان کے نام بھی درج تھے۔ میرے کسی کام کے نہیں تھے۔

میں بستر پر نیم دراز ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس عورت نے میرے جذبات میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔ میں نے یہودی عورتوں کے حسن و جوانی کی بہت تعریف سنی تھی۔ یوں تو ان کی تصویریں دیکھی تھیں۔ ہالی وڈ کی بہت ساری اداکارائیں یہودی تھیں۔ عرب ریاستوں کے شیخوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہودی مسلمان دشمن ہیں ان کی عورتوں سے شادیاں کی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے عربوں میں اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ان عورتوں نے شادیاں کر کے عرب شیخوں کے دلوں میں نااتفاقی اور نفرتوں کا زہر پھیلایا ہوا تھا۔

وہ غسل خانہ سے باہر آئی۔ ایک نئی شادابی سے طلوع ہوئی۔ اس کی سرخ دودھیا رنگت اور نکھر گئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو خوشبوؤں میں بسایا ہوا تھا۔ چاروں طرف خوشبو کے بھنور ناچ رہے تھے

"خیام!" سوسن خواب ناک نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے صرف میرا جسم ہی نہیں دل بھی فتح کر لیا ہے۔ تم پہلے مرد ہو جس سے مجھے نہ جانے کیوں ایک طرح کی ہمدردی اور محبت ہو گئی ہے۔"

"تم بھی میرے لئے پہلی عورت ہو جس نے مجھے اپنے طلسم میں قید کر لیا ہے۔"

میں نے کہا۔

"میں تمہیں ایک مخلصانہ مشورہ دینا چاہتی ہوں۔ کیا تم میرے مشورے پر عمل کرو گے؟" اس کے حسین چہرے پر محبت بھرے جذبات ابھر آئے تھے۔

"کیوں نہیں .... یہ میرے لئے خوش قسمتی کی بات ہے۔ کیا مشورہ دینا چاہتی ہو؟" میں نے اس کے بالوں کو سہلایا۔

"میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ہندوستان سے فرار ہو کر پاکستان یا کشمیر چلے جاؤ۔ افغانستان نہ جاؤ۔"

"وہ کس لئے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "ایں .... یہ مشورہ تم دے رہی ہو۔"

"اس لئے کہ یہ روسی تمہیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟"

"اس میں بے وقوف بنانے کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ "یہ ایک سیدھا سا معاملہ ہے؟"

"دراصل اس معاملے میں روسی حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ دراصل کچھ روسی فوجی جرنیل تمہاری معرفت افغانستان سے ہیروئن خرید کر غیر ممالک میں بیچنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے ساری پلاننگ کی ہے۔ انہوں نے تمہیں شکار کیا ہے۔ تمہاری ہر خواہش پوری کر رہے ہیں۔ انہوں نے میری حکومت کے جنرلوں سے سودے بازی کی ہے۔ انہیں بھی حصہ دار بنالیا ہے۔ مجھے بھی دس فیصد کی پیشکش کی گئی ہے۔"

"لیکن میں نے ان سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں اپنے جرائم کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ہاتھوں سے سینکڑوں روسی فوجی مارے گئے ہیں۔ آج اب مجھے اس جرم کا احساس کاٹ رہا ہے۔ وہ مجھ سے جو بھی کام لیں گے میں اسے اپنی خوشی سے انجام دوں گا۔ روسیوں کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو .... تم نے روسیوں کو قتل نہیں کیا ہے۔ میدان جنگ میں ان سے مقابلہ کیا تھا۔ وہ زندگی اور موت کا ایک کھیل ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کو موت کے منہ میں دھکیل دینا جرم نہیں کہلاتا ہے۔"

"میں ایک کشمیری مجاہد ہوں۔ میرا نام ایس پی خیام ہے۔ میں اپنے وعدے کا پاس

کرتا ہوں۔ میں اس وعدے اور عہد سے انحراف نہیں کر سکتا .... میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس موضوع سے ہٹ جانا چاہئے۔" میں نے کہا۔

"میں تمہارے جذبے اور وعدے کے پاس کی بڑی قدر کرتی ہوں۔ میں نے تمہیں اس لئے مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ تم ایک خوبصورت اور نوجوان مرد ہو۔ وہ عورتیں اور لڑکیاں بڑی خوش نصیب ہوتی ہیں جو تمہاری دوست بنتی ہیں۔ تم نے روسیوں سے کوئی وعدہ کیا ہے تو اسے ضرور نبھاؤ .... ہاں تو تم افغانستان کب جا رہے ہو؟"

"آج پیر کا دن ہے۔ میں بدھ کی شام افغانستان کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"تم عورتوں کے معاملے میں بڑے خوش نصیب واقع ہوئے ہو .... کیا یہ سچ ہے کہ تم نے متعدد روسی لڑکیوں اور عورتوں کی بے حرمتی کی ہے؟ آخر تم نے ایسا کیوں اور کس لئے کیا؟" سوسن میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"اس لئے کہ وہ ساری لڑکیاں اور عورتیں جوان، حسین اور پرکشش تھیں اور پھر میری جوانی کا آغاز ہوا تھا۔ ان کے حسن و شباب کو دیکھ کر میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا۔"

"یہودی عورت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہاری زندگی میں کتنی یہودی عورتیں آئیں۔"

"تم سے ملنے کے بعد میرا نیک خیال ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس دنیا میں یہودی عورت سے بڑھ کر کوئی عورت اچھی نہیں ہے۔ تم پہلی عورت ہو۔ میں سوچتا تھا کہ عرب یہودی عورتوں کے کس لئے شیدائی ہوتے ہیں۔ آج مجھ پر انکشاف ہوا کہ یہودی عورت سے بڑھ کر کوئی عورت ظالم نہیں ہے۔"

"ظالم سے تمہاری کیا مراد ہے؟" سوسن نے اپنی لانبی پلکیں جھپکائیں۔

"کیا تم ظالم نہیں ہو .... کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ تم نے میرے دل و دماغ کو ناکارہ بنا دیا ہے۔"

سوسن صبح سورج نکلنے سے پہلے چلی گئی۔ اس نے مجھے ٹٹولنے کی بارہا کوشش کی تھی۔ وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ کہیں میں اپنی بات اور دعوے سے منحرف تو نہیں ہو رہا ہوں۔ اس لئے مجھے روسیوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کہیں

میری نیت میں فتور تو نہیں آگیا ہے۔ اس نے میرا امتحان لیا تھا۔ میں اس میں کامیاب رہا تھا اور میں نے اسے بے وقوف بنا دیا تھا۔ اس نے میری بات کی سچائی کا یقین کر لیا تھا۔

اب چونکہ میں بہت عیش کر چکا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے نو دو گیارہ ہونا تھا۔ اس شخص کو تلاش کرنا تھا جو میرا ہم شکل تھا۔ جس کی شخصیت میں مجھے پیش کیا گیا تھا۔ میں نے بنگلور روانہ ہونے کا پروگرام بنا لیا۔ یہاں سے ٹیلی فون کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ میں عقبی راستے سے نیچے آیا۔ ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے ایئر انڈیا کے دفتر ٹیلی فون کیا۔ آخری فلائٹ ساڑھے دس بجے رات کی تھی۔ میں نے اپنی نشست فرضی نام چندر پال کے نام سے بک کرا لی۔

میں ایئرپورٹ جاتے ہوئے بڑا محتاط تھا۔ بے خوابی کی وجہ سے میری آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تھے۔ صبح تک سوسن اور میں جاگتے رہے تھے۔ میں سیٹ بک کرا کے پہنچا اور سونا چاہتا تھا کہ اچانک اور غیر متوقع صوفیہ آگئی۔ دراصل اسے میری کشش کھینچ لائی تھی یا پھر کیپٹن اینڈرریوف نے اسے بھیجا تھا۔ کیوں' میں یہ جان نہ سکا تھا؟

وہ دن ڈوبنے تک فلیٹ میں رہی تھی۔ میں اس کے جانے کے بعد سو جاتا تو پھر ایسا ہوتا کہ میری فلائٹ مس ہو جاتی۔ صوفیہ نے رات بھی رکنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ۔ اب میں گھوڑے بیچ کر دو دن تک سونا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے افغانستان بھی جانا ہے۔

میں نے روانگی سے پہلے غسل کیا تھا جس سے میری کسلمندی اور تھکن دور ہوئی تھی لیکن میں سفر کے دوران ایک لمحے کے لئے سو نہیں سکا تھا۔ سونے کی بجائے موجودہ حالات کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ کیپٹن اینڈرریوف نے ٹیلی فون کیا اور کسی لڑکی کو بھیجا مجھے نہ پاکر اس کا کیا ردعمل ہو گا؟ کیا وہ میری تلاش شروع کر دے گا۔ میں اس کے آدمی کو چکمہ دے کر آیا تھا جو بیرونی دروازے پر صبح سے رات تک منڈلاتا رہتا تھا۔ میں نے اس کمرے کی روشنی بجھائی نہیں تھی۔ جو سڑک سے نظر آتا تھا۔ پھر میں نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ بنگلور میں نہ صرف میں کسی بھی ہوٹل میں فرضی نام سے ٹھہروں گا بلکہ بہروپ بھی بھر لوں گا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے بہروپ کیوں نہیں بھر لیا۔

طیارے سے اتر کے ٹرمینل میں داخل ہونے کے بعد میں نے صاف و شفاف

شیشوں کے دوسری طرف دیکھا جہاں پارکنگ لاٹ تھا۔ میری متلاشی نظریں پھر اس شخص پر تھم گئیں جو میرے انتظار میں کھڑا تھا۔ یہ میرا ایک قابلِ اعتماد دوست انور پاشا تھا۔ وہ مرسڈیز گاڑی کے پاس کھڑا نظر آیا۔ ٹرمینل سے باہر آتے اور اپنے آس پاس کے لوگوں کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہا تھا۔ باہر چمکیلی دھوپ تھی۔ بنگلور کا موسم بڑا سہانا اور خوشگوار تھا۔ ہوا میں خنکی بھی تھی۔

میں جانتا تھا کہ روسی میرے تعاقب میں ہیں۔ کے جی بی کے ایجنٹوں کو دھوکا دینا اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا آسان نہ تھا۔ میں یوں بھی خود فریبی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ ٹرمینل سے باہر نکلتے ہی میری نظر ایک شخص پر پڑی جو سیاہ رنگ کی جیکٹ میں تھا۔ وہ اس لمحے فیاٹ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ مجھے اس کی نقل و حرکت کچھ مانوس سی لگی لیکن میں جب تک اس کے بارے میں کچھ سوچتا وہ گاڑی چلاتا ہوا پارکنگ لاٹ سے نکل گیا۔ مجھے اس کی صورت کچھ مانوس سی لگی تھی۔

انور پاشا مجھے دیکھتے ہی لپک کر میرے پاس آیا۔ وہ سفاری سوٹ میں بڑا مستعد نظر آ رہا تھا۔ ایک پُر وقار اور بارعب شخص لگ رہا تھا۔ اس حلیے میں دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ استنبول کا ایک خطرناک پیشہ ور قاتل ہے اور نہ ہی کوئی یہ شبہ کر سکتا تھا کہ کوٹ کے نیچے آسٹرا آٹومیٹک ریوالور اور آستین میں تیز دھار کا خنجر چھپا ہوا ہے۔ اس کے نام سے بنگلور کے ہی نہیں پورے میسور کے بدمعاش کانپ اٹھتے تھے۔

میں گاڑی میں جاتے ہوئے انور پاشا کو اس کھیل کے بارے میں بتاتا رہا جو روسیوں نے شروع کیا ہوا تھا۔ کے جی بی کے ایجنٹ نے مجھے پُراسرار شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ میں یہ بھی ساتھ ساتھ سوچ رہا تھا کہ اس کھیل سے مجھے کیوں کر اور کیسے نجات مل سکتی ہے۔ میں ابھی اپنے ملک واپس جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ میں سنہری مچھلی کے شکنجے سے نکل کر آیا تھا لیکن دوسرے شکنجے میں پھنس گیا۔ یعنی آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔

"تم فکرمند' ہراساں اور پریشان نہ ہو۔" انور پاشا نے مجھے دلاسا دیا اور ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک لی تاکہ ناشتہ کیا جا سکے۔

اس نے ایک کونے والی میز منتخب کی۔ اس وقت ریسٹورنٹ میں کچھ میزیں خالی تھیں۔ اس نے ویٹرس کو مسالہ دوسا کا آرڈر دیا۔ یہ جنوبی ہند والوں کا مرغوب ترین ناشتہ تھا۔ مجھے بھی بہت پسند تھا۔ یہ ماش کی دال اور چاول سے بنتا تھا۔ چپاتی سے پتلا ....

کاغذ کی مانند، اس میں آلو کی بھجیا رکھ کر اس کا رول بنایا جاتا جو ایک فٹ لمبا، براؤن رنگت کا اور بہت خستہ اور لذیذ ہوتا۔ لوہے کے توے اور پتھر کے سل پر تیار کیا جاتا تھا۔

جب ویٹرس چلی گئی تو میں نے اس سے کہا۔ "میں اپنے ہم شکل کی تلاش میں آیا ہوں۔ میں اسے کہاں تلاش کروں؟"

"دوست مایوس اور پریشان نہ ہو۔" انور پاشا نے کہا۔ "میں تمہیں ایک ایسے شخص کے پاس لے چلتا ہوں جو تمہاری مشکل حل کر سکتا ہے۔ تم نے اچھا کیا یہاں آ کر......... تمہارا ہم شکل ہمیں مل جائے گا۔"

"مجھے چاروں طرف گھپ اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ امید کی کرن بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔" میں نے افسردگی سے کہا۔ "روسی مجھ سے ہر قیمت پر کام لینا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے نوجوان روسی اور اسرائیلی لڑکی کی خواہش ظاہر کی وہ انہوں نے پوری کر دی۔ انہوں نے مجھے یہ بھی دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے انہیں دھوکا دیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں اپنے ملک جانا چاہوں تو چلا جاؤں لیکن وہاں جا کر بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکوں گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کھیل کا اختتام کر کے واپس جاؤں۔"

"میں جس شخص کے پاس تمہیں لے کر جاؤں گا اس کا نام سائمن ہے۔ وہ امریکی باشندہ ہے لیکن اس نے یہاں رہائش اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ بہت بوڑھا ہو چکا ہے لیکن اس کی صحت اور یادداشت بہت اچھی ہے۔ وہ نوجوانوں کی طرح چلتا پھرتا ہے۔ جنگِ عظیم دوم کے دوران وہ صحافی تھا۔ اس وقت اس کی عمر بہ مشکل اٹھارہ برس کی ہو گی۔ اس نے یہاں مستقل سکونت اس لئے اختیار کر لی کہ اسے ایک ہندوستانی جنرل کی بیٹی سے عشق ہو گیا تھا۔ اس عشق کی خاطر وہ ہندوستان آ کر بس گیا۔ اس نے اپنی زندگی کے بیس برس نازی جنگی مجرموں کی تلاش میں صرف کر دیئے ہیں۔ اس کی ذاتی فائل میں اٹھارہ ہزار نازیوں کے نام تھے۔ ایڈولف شمن اس کی کوششوں سے پکڑا گیا تھا۔ مارٹن بورمن کی گرفتاری میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔ اس کے علاوہ اب تک وہ بیسیوں نازی افسروں کو اسرائیلی ایجنٹوں کے حوالے کر چکا تھا لیکن آج تک کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اسے ختم کر دیا جائے۔"

"کیا یہ شخص میرے کسی کام آ سکے گا؟" میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم اس سے یہ کہنا کہ میں سی آئی اے کے ایک سرکاری مشن پر ہوں۔" انور پاشا نے جواب دیا۔

جب انور پاشا مجھے لے کر سائمن کے ہاں پہنچا تو اس نے انور پاشا کا اور میرا گرم جوشی سے استقبال کیا۔

میں نے انور پاشا کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ "میں سی آئی اے کے ایک سرکاری مشن پر ہوں۔ مجھے ایس بی خیام نامی شخص کی تلاش ہے جس نے افغانستان کی جنگ میں امریکہ اور مجاہدوں کے ساتھ مل کر حصہ لیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کشمیری مجاہد تھا۔ اس نے افغانستان میں روسیوں کو بڑی بے رحمی اور شقاوت سے قتل کیا تھا۔ بدقسمتی سے ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں تم ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"ایس بی خیام......... نام تو کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

پھر وہ اٹھ کر اندر چلا گیا۔ وہ برابر والے کمرے میں گیا تھا۔ شاید وہ اس کا ریکارڈ روم تھا۔ کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں گرے رنگ کی فائل تھی۔ اس نے فائل کھولی۔ پھر وہ کرسی پر بیٹھ کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

"ایس بی خیام کشمیر میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کا باپ اور ماں جرمن تھی۔ وہ دونوں جرمن ایجنٹوں کی حیثیت سے ہندوستان آئے تھے۔ ان دونوں نے کشمیر میں رہائش اختیار کی۔ انہوں نے اپنے نام مسلمانوں کے رکھ لئے تھے لیکن باطن میں مسلمان نہ تھے، لیکن انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت ایک کشمیری مسلمان کی طرح کی۔ اس کے ذہن میں امریکی، روسیوں اور یہودیوں کے خلاف نفرت کا زہر بھرتے رہے۔ وہ مجاہدوں کی تنظیم میں شامل ہو گیا۔ اس کی بغل میں ستارے کا نشان بنایا گیا تھا۔"

میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میری بغل میں ستارے کا نشان ہی گودا ہوا تھا۔

"ایس بی خیام ایک ظالم انسان تھا۔ اس نے ماں باپ کی موت کے بعد ان کے مشن کو جاری رکھا۔ اس نے یہودیوں کے قتل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مجموعی قتل و غارت کے علاوہ اس نے بیسیوں یہودیوں کو اپنے ہاتھ سے اذیتیں دے کر موت کی نیند سلا دیا۔ پھر اس نے افغانستان جنگ میں ایک مجاہد کے بہروپ میں روسیوں کے خلاف جنگ میں

حصہ لیا۔ اس نے روسیوں کو جس طرح قتل کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اتفاق سے روسی عورتوں کا ایک قافلہ جو سرحد کے پاس خیمہ زن تھا انہیں اغوا کر کے ایک غار میں اپنے دو ساتھیوں کی مدد سے لے گیا۔ اس نے ان عورتوں اور لڑکیوں کی بے حرمتی کی۔ وہ ڈیڑھ دو ماہ تک اس کی درندگی اور حیوانیت کا نشانہ بنتی رہی تھیں۔ اس کے دو ساتھیوں نے جو مسلمان مجاہدین تھے اسے باز رکھنے کی کوشش کی اس نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ مجاہدین قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔"

"کیا اس سفاک انسان کے اب تک زندہ ہونے کے امکانات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا .... البتہ کم سے کم چار ایسے گواہ اس دنیا میں موجود ہیں جو اس ظلم کی گواہی دیتے ہیں۔ ان میں ایک یونان میں اور باقی تین اسرائیل میں موجود ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"تم اس کے ستارہ کے نشان اور دیگر تفصیلات کے بارے میں کچھ یقین سے کہہ سکتے ہو؟" انور پاشا نے پوچھا۔

"ایس ایس کے ایک سابق رکن نے پانچ ہزار ڈالر کے عوض میرے ہاتھ ایک دستاویز فروخت کی تھی جس میں ایس ایس کے پندرہ ہزار افسروں کے نام مع عہدے اور دیگر ضروری تفصیلات درج تھیں۔ اس فہرست کی کل چالیس کاپیاں تھیں جو جنگ کے خاتمے پر خود ایس ایس نے ضائع کر دیں۔ ان میں سے ایک کاپی نہ جانے کس طرح بچ گئی تھی۔" سائمن نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بتایا کہ وہ اس فہرست کی نقلیں روسیوں، اسرائیلیوں اور پولینڈ کے محکمہ خاص اور مغربی جرمنی کو فراہم کر چکا ہے۔

میں سمجھ گیا تھا کہ میرے گرد یہ جال کس طرح بنایا گیا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اس کے لئے صرف میرا انتخاب کیوں اور کس لئے کیا گیا تھا؟ یہ بات میرے لئے معمہ سے کم نہ تھی۔

"کیا اس کے بارے میں تم اور تمہارا ریکارڈ کچھ بتاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "روسی فوج جب ہزیمت اٹھا کر پیچھے ہٹ رہی تھی تب وہ اتفاقی طور پر اس کے ہاتھ لگ گیا۔ پھر اسے روس بھیج دیا گیا تھا

جہاں سے وہ لوٹ کر نہیں آیا۔ وہ یا تو مر چکا ہے یا اسے مردہ تصور کر لیا گیا ہے۔ کچھ برس کے بعد اس کے گھر والوں کو سرکاری طور پر اس کی موت سے آگاہ کر دیا گیا تھا لیکن یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی مر چکا ہے یا نہیں .... کیونکہ بیشتر نازی اپنے آپ کو مردہ ظاہر کر کے فرضی ناموں سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

"کیا تمہارے پاس اس کی کوئی تصویر موجود ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" اس نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔

پھر اس نے ایس پی خیام کے خاندان کے بارے میں بھی بتایا کہ جنگ کے بعد اکثر نازی افسروں کے خاندانوں کے بارے میں دستاویزات ضائع کر دی گئی تھیں۔ پھر وہ فائل کا جائزہ لیتے ہوئے بتانے لگا کہ ایس پی خیام ایک دراز قامت اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ آنکھوں پر ہر وقت سیاہ شیشوں والا چشمہ لگائے رکھتا تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ کبھی کوئی دیکھ نہیں سکا اور نہ ہی کسی کو یہ علم ہو سکا کہ اس کی آنکھوں میں کوئی نقص تھا یا وہ شوقیہ طور پر چشمہ لگائے رکھتا تھا۔" پھر اس نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ آج زندہ ہوتا تو جسمانی اور شکل و صورت کے لحاظ سے بالکل اسی طرح کا ہوتا۔"

میں ایک پل کے لئے گھبرا سا گیا۔ میں نے فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے ایک بار پھر اس کے خاندان کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس کی ماں اور بہن جموں کے قریب ایک گاؤں میں رہتی تھیں۔ جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ ویسے یہ گھرانہ سوپور میں بس گیا تھا۔ ایس پی خیام کی ماں کبھی یہ اعتراف نہیں کرے گی کہ خیام اس کا بیٹا ہے۔ دوسری طرف ایک بڑدی عورت کی گواہی میں اتنا وزن نہیں ہو گا کہ اسے معتبر تسلیم کر لیا جائے۔ سائمن مجھے اس طرح سے دیکھ رہا تھا جیسے میرے نقوش ذہن نشین کر رہا ہو۔ وہ ایک گہرا شخص تھا۔

میرے پوچھنے پر اس نے ان چار گواہوں کے نام بتائے۔ یہ وہی نام تھے جو مجھے کیپٹن اینڈر ریوف نے بتایا تھا۔

دفعتاً میں نے کمرے کی فضا کچھ بدلی ہوئی سی محسوس کی۔ کیونکہ سائمن مجھے ایس پی خیام سمجھ کر گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا تو وہ مجھے بے بسی سے دیکھنے لگا۔

"ہاں مجھے یاد آیا۔" اچانک سائمن نے کہا۔ "ایک سابق روسی اسحاق کولکن جو گواہ ہے ان دنوں دہلی میں ہے۔ وہ روس میں اس لئے زیادہ عرصہ نہیں رہ سکا کہ وہاں کی منگائی اور بے روزگاری نے اسے فاقوں پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ نئی دہلی میں کناٹ پیلس میں ایک ریسٹورنٹ کے سامنے وائلن بجا کر اپنی روزی کماتا ہے۔ وہی ایک گواہ ہے۔ بہت ہی اہم گواہ .... تمہیں اس سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ تم اس سے ملو تو اس کی مالی اعانت کر دینا۔ اس غریب نے جنگ میں حصہ لے کر اپنی زندگی اور مستقبل تباہ کر لیا۔"

☆======☆======☆

انور پاشا میرے ساتھ دہلی چلنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ اس کی وہاں خاص ضرورت نہ تھی۔ دہلی میں بھی میرے دوست تھے۔ سائمن نے مجھے اسحاق کولکن کے گھر کا پتا بھی دیا تھا۔ چونکہ ہوٹل کے باہر مل کر اس سے بات کرنا مناسب نہیں تھا اس لئے میں دہلی میں اس کے گھر کا پتا تلاش کرنے لگا۔ پرانی دہلی کے ایک فلیٹ میں اس کی رہائش تھی۔

جس عمارت میں اس کا فلیٹ تھا اس کی تلاش میں مجھے کوئی ایک گھنٹے تک خوار ہونا پڑا۔ تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتا اس کا پتا معلوم کرتا ہوا آخر کار میں نے اس عمارت کو اس طرح معلوم کر لیا جس طرح کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔ یہ عمارت بہت قدیم تھی۔ انگریزوں کی باقیات میں سے .... اب بوسیدہ اور شکستہ سی ہو چکی تھی۔ یہ لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ میں اس کے گیٹ میں داخل ہوا۔ زینے کے پاس جو لیٹر بکس تھے میں ان کے نام پڑھنے لگا۔ ایک لیٹر بکس پر اسحاق کولکن کا نام اور فلیٹ نمبر لکھا ہوا تھا لیکن یہاں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پھر میں لکڑی کے چرچراتے ہوئے زینوں پر چڑھتا رہا۔ تیسری منزل پر اس کا فلیٹ واقع تھا۔ پوری منزل خالی تھی۔ اس کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔

پھر میں ٹیکسی کر کے سیدھا کناٹ پیلس پہنچ گیا۔ ہوٹل ڈریم لینڈ کے باہر فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے ایک شخص سے پوچھا۔ "کیا تم اسحاق کولکن کا بتا سکتے ہو کہ وہ اس وقت کہاں مل سکتا ہے؟ وہی جو وائلن نواز ہے۔"

"اس وقت لنچ کا وقفہ ہے .... وہ کسی نہ کسی ریسٹورنٹ میں وائلن بجا کر کھانے والوں کو محظوظ کر رہا ہو گا۔" اس نے کہا۔ "روسیوں کی حالت بہت خراب ہے۔ دہلی میں

کوئی تین ہزار روسی مرد اور عورتیں ہوں گی۔ وہ فقیروں سے بھی بدتر ہیں۔ آپ قریب کے دو تین ریسٹورنٹ میں جھانک لیں۔ وہ عموماً کناٹ پیلس ہی کے علاقے میں ہوتا ہے۔"

میں ڈریم لینڈ ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو وہاں بہت رش تھا۔ کیونکہ لنچ کا وقت تھا۔ میں جیسے ہی اندر گھسا مجھے دو تین ویٹرسوں نے نرغے میں لے لیا۔ وہ مجھے اپنی اپنی میز پر لے جانا چاہتی تھیں۔ بہترین کھانوں کی پیشکش کر رہی تھیں۔ شاید انہیں کمیشن ملتا ہو۔ میں دوبارہ آنے کا کہہ کر نکل آیا۔ کیونکہ موسیقی کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایک کونے میں جو اسٹیج بنا ہوا تھا وہ خالی پڑا ہوا تھا۔

میں نے دو ہوٹل اور دو ریسٹورنٹ میں جھانک کر دیکھ لیا۔ ایک چوتھے ریسٹورنٹ کے سامنے سے جب گزر رہا تھا تب مجھے موسیقی کی گونج سنائی دی۔ میں اس کے اندر گھس گیا۔ پھر مجھے مطلوبہ آدمی نظر آ گیا۔ وہ دبلا پتلا اور درمیانہ قد کا تھا۔ اس کے شانے جھکے ہوئے تھے۔ جسم پر پرانا کوٹ تھا۔ وہ دھن بجانے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی فلم کا گیت گا رہا تھا۔ وہ روسی باشندہ لگ رہا تھا۔ ایک مفلوک الحال شخص۔ وہ میزوں کے درمیان سے گاتا ہوا گزر رہا تھا۔

گیت ختم کر کے اس نے ایک میز سے خالی پلیٹ اٹھائی اور میزوں کے درمیان گھومنے لگا۔ جب کوئی اس کی پلیٹ میں سکہ یا ایک روپے کا بھی نوٹ ڈالتا تو وہ اس طرح جھک کر تعظیم دیتا جیسے اسے بہت بڑی دولت مل گئی ہو۔ وہ اپنا کام ختم کر کے جیسے ہی باہر نکلا میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو تم اسحاق کولکن ہو۔" میں نے اسے اردو زبان میں مخاطب کیا۔ کیونکہ وہ اردو جانتا تھا۔ وہ جو فلمی گیت گا رہا تھا وہ اردو زبان کا ہی تھا۔ لہجہ بھی قدرے صاف اور شستہ تھا۔ وہ قریب سے مجھے کچھ اور بھی چھوٹا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر اسٹیل کے فریم والے چشمے کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"ہاں .... یہ میرا ہی نام ہے۔" اسحاق کولکن نے اردو زبان ہی میں کہا۔ "تم کون ہو۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"سب سے پہلے تو ہم کھانا کھائیں گے تاکہ اس دوران ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں۔" میں نے اس کا دوستانہ انداز سے بازو تھامتے ہوئے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"کیا میں اپنے مہربان کا نام پوچھ سکتا ہوں؟" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہیں تمہیں غلط فہمی تو نہیں ہوئی ہے؟"

"کوئی غلط فہمی نہیں۔ میرا نام سکندر ہے۔ میں یہاں پاکستان سے سیر و سیاحت کے لئے آیا تو ایک دلچسپ، پُرتجسس، سنسنی خیز کہانی کا کردار بن گیا ہوں۔ تم بھی اس کہانی کا ایک کردار ہو۔"

پھر میں اسے اس ریسٹورنٹ میں لے آیا جہاں مجھے چار لڑکیوں نے نرغے میں لے کر بہترین کھانوں کی پیشکش کی تھی۔ ایک ویٹرس جو شاید ہیڈ تھی اس نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"سر! یہ ایک فور اسٹار ریسٹورنٹ ہے۔ یہاں بڑے بڑے صنعت کار، سرمایہ دار اور فلمی دنیا سے وابستہ افراد بھی آتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی مرکزی وزیر بھی آ جاتا ہے۔ لہٰذا ایک یہ ہائی کلاس ریسٹورنٹ ہے۔ اسحاق جیسے وائلن نواز بھکاری کو یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہاں صرف آپ لنچ کر سکتے ہیں۔"

"یہ میرا مہمان ہے۔" میں نے ترش روی سے کہا۔ "ہم دونوں یہاں مفت میں کھانا کھانے نہیں آئے ہیں۔ اگر ہوٹل کی انتظامیہ نے میرے مہمان کی تذلیل و توہین کی اور کھانے سرو نہیں کئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا........"

"آپ ایسا نہیں کیجئے جناب! ورنہ آئندہ یہ لوگ مجھے یہاں وائلن بجانے کی اجازت نہیں دیں گے۔" اس نے فوراً کہا۔ "بہتر ہے کہ ہم کسی اور ریسٹورنٹ میں چل کر لنچ کرتے ہیں۔"

میں نے اپنی دھمکی دہرائی تو میرے تیور دیکھ کر ہیڈ ویٹرس نے نہ صرف ایک کونے والی خالی میز مہیا کر دی بلکہ کھانا بھی خود سرو کیا۔ اسحاق کولکن نے برسوں بعد یا زندگی میں پہلی بار اتنا عمدہ اور پُرتکلف کھانا کھایا تھا۔

جب ہم کھانا کھا چکے تو میں نے اس سے کہا۔ "اسحاق کولکن! تم زندگی کا کچھ حصہ افغانستان میں مجاہدین کے کیمپ میں گزار چکے ہو، کیوں سچ ہے؟"

وہ یکلخت اس طرح سے اچھل پڑا جیسے وہ برقی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"ہاں .... لیکن اب میں اس موضوع پر کسی سے کوئی بات نہیں کرتا ہوں اور نہ کروں گا۔ کیونکہ میں ان انتہائی اذیت ناک واقعات کو بھول جانا چاہتا ہوں۔" اس نے

بڑے کرب ناک لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے درد اور احساس کو سمجھتا ہوں لیکن میں تم سے کچھ انتہائی اہم باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ لو۔" میں نے ایک ہزار کی رقم نکال کر اس کی جیب میں ٹھونس دی۔ "کیا تم افغانستان کے کیمپ نمبر ایک کے مجاہد افسر ایس پی خیام کو جانتے ہو؟"

"آپ یہ پوچھ رہے ہیں کہ میں اس آدمی کو جانتا ہوں یا نہیں جس نے اٹھارہ ماہ تک مجھے موت سے بھی بدتر اذیت میں مبتلا رکھا۔ جس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ میں انسان ہوں یا حیوان........" اسحاق نے جواب دیا۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ پھر چہرہ سفید پڑتا چلا گیا اور اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ چند لمحوں میں اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ نے کیا کیا جناب! میرے زخموں کو پھر سے ہرا کر دیا .... میرا سویا ہوا درد پھر سے جاگ اٹھا ہے۔"

"میں تم سے ایک عجیب اور انوکھا سوال پوچھ رہا ہوں۔ تم میری طرف غور سے دیکھ کر بتاؤ کہ کیا میں ایس پی خیام ہوں؟"

اسحاق کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے بٹھا دیا۔ ریسٹورنٹ ایئرکنڈیشنڈ تھا لیکن اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔

"میں ایس پی خیام نہیں ہوں۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "تم اس قدر خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو؟ یہ افغانستان بھی نہیں ہے۔ یہ ہندوستان ہے۔ یہاں تم ہر طرح سے محفوظ ہو۔ ہندوستان میں روسیوں کو بڑا تحفظ حاصل ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری شکل و صورت اس سے ملتی جلتی ہے یا نہیں؟"

اسحاق حیرت اور خوف کی ملی جلی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے مرتعش لہجے میں بولا۔ "میں نہیں جانتا .... میری یادداشت اب پہلے جیسی رہی نہیں ہے اور پھر اس دردناک دور کو گزرے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ ممکن ہے آپ ایس پی خیام ہی ہوں لیکن آپ میری زندگی کا سکون برباد کرنے یہاں کیوں آئے ہیں؟"

میں نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے چشمہ اتار دیا تاکہ وہ میری سیاہ آنکھیں دیکھ سکے۔ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ایس پی خیام نہیں ہوں لیکن یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے ایس پی خیام سمجھا جاسکتا ہے یا نہیں .... کیوں کہ کچھ لوگ مجھے ایس پی خیام سمجھ

کر ہلاک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جانے کیوں وہ مجھے ایس بی خیام سمجھ بیٹھے ہیں۔"

"میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ مگر اس کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہوں۔ عمر اس کے بال بھی تمہاری طرح سیاہ تھے۔ طویل عرصے میں انسان میں بہت ساری تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کی آنکھوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ہر وقت سیاہ چشمہ لگائے رکھتا تھا۔ اس کی آنکھیں کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔" وہ سائمن کی طرح مجھے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ ایس بی خیام نہیں ہیں۔ مگر میں اس کے چہرے پر کبھی بھرپور نگاہ ڈال نہیں سکا تھا لیکن اس کی آواز .... قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں آپ وہ نہیں ہیں؟"

"شاید تمہیں یہ سن کر خوشی اور اطمینان ہو گا کہ وہ افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے وقت گرفتار ہو گیا تھا۔ پھر وہ وہیں مر گیا۔ اس کی موت کو نہ جانے کیوں پوشیدہ رکھا گیا تھا۔"

"اگر اس وقت مجھے خبر ہو جاتی تو میں اس کی لاش پر رقص کرتا لیکن اب میں خود مُردوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ موت کی زندگی.........." اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں زندہ کہاں ہوں؟"

"کیا تم اس بات کی شہادت دینے کے لئے تیار ہو کہ میں ایس بی خیام نہیں ہوں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اگر آپ کو اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس وقت وہ زندہ ہوتا تو اس کے اور آپ کے درمیان عمروں کا خاصا فرق ہوتا۔ وہ آپ سے دس بارہ برس بڑا ہو گا۔"

میں نے اس سے سائمن سے ملاقات کا احوال بیان کیا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

"اس مقصد کے لئے تمہیں ماسکو جانا ہو گا۔ کے جی بی کے کسی اعلیٰ افسر سے ملنا ہو گا۔ میں سفر کے تمام اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے علاوہ دس ہزار کی رقم بطور انعام بھی دوں گا۔ اس طرح تمہاری ذات کو بھی بہت فائدہ پہنچے گا۔"

"آپ ہندوستان میں کسی کے جی بی کے ایجنٹ سے رابطہ کیوں نہیں کر لیتے؟" اس نے مشورہ دیا۔

"میں نہیں جانتا کہ یہاں پر کے جی بی کے ایجنٹ کون کون ہیں اور وہ کہاں مل سکتے ہیں .... ایک ایجنٹ سے میرا رابطہ ہوا تھا لیکن اس نے مجھے اپنے ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" میں نے کہا۔

"کے جی بی کے ایجنٹ بہت محتاط ہوتے ہیں اور بڑے سفاک بھی .... اس ایجنٹ سے کن حالات میں آپ کی ملاقات ہوئی تھی؟"

میں نے اسے اپنے اعتماد میں لے کر مختصر طور پر سب کچھ بتا دیا۔ وہ غور سے سنتا رہا۔

ایس بی خیام جس کیمپ کا ناظم تھا اس کیمپ کے لوگ تشدد اور ایذا رسانی کا نشانہ بنے تھے۔ جب کہ دوسرے کیمپ میں جو روسی فوجی قیدی تھے ان کے ساتھ بڑا انسانیت آمیز سلوک کیا گیا تھا۔ مجاہدین سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیوں کہ ہمارے افسران ان کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیتے تھے۔ میں آج بھی حیران تھا کہ ایس بی خیام نے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔ آج آپ نے اس کی اصل وجہ بتا دی۔ وہ کشمیری یا افغانی اور مسلمان بھی نہیں تھا۔ ایک مجاہد کے بھیس میں نازی چھپا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے ہمارے کیمپ پر ظلم و ستم کا راج قائم کیا ہوا تھا۔"

"کیا خیال ہے ماسکو جانے کے بارے میں .... تم وہاں جا کر میرے بارے میں بتاؤ گے؟"

"میں اب اپنے وطن واپس جانا نہیں چاہتا ہوں۔ میں نے اپنا وطن کیوں اور کس لئے چھوڑا یہ ایک دردناک کہانی ہے۔ میں اپنی زندگی میں اتنی صعوبتیں اٹھا چکا ہوں کہ آپ تصور تک نہیں کر سکتے۔ میں یہاں جیسے تیسے جو دن گزار رہا ہوں وہ قدرے سکون اور اطمینان کے ہیں اور ہاں .... آپ پسند کریں تو میں آپ کے حق میں ایک تحریری بیان دے سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں ٹیکسی میں روسی سفارت خانے کے دفتر لے جاتا ہوں۔ تم وہاں اپنا بیان ریکارڈ کروا دینا۔" میں نے کہا۔ "زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں فارغ ہو جائیں گے۔ تم سفارت خانے تک چل سکتے ہو نا؟"

"مجھے آپ صرف بیس منٹ کی مہلت دیں۔ میں تمام ریسٹورانوں کا چکر لگا کر آتا ہوں تاکہ کوئی دوسرا موسیقار میری جگہ نہ لے لے۔ میں اس ریسٹورنٹ میں واپس آؤں

گا۔ آپ میرا انتظار فرمائیں۔"

پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا وائلن سنبھالا اور مجھے جھک کر تعظیم دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

میرے ذہن کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا۔ اسحاق کولکن کے تحریری بیان کے بعد میں ایک طرح سے آزاد ہونے والا تھا۔ روسی سفارت خانہ کے جی بی کے ایجنٹ کیپٹن اینڈرریوف سے رابطہ کر کے بتا دیتا کہ میں وہ ایس بی خیام نہیں ہوں۔ میرے ساتھ کسی قسم کی سازش ہوئی ہے۔ اصل ایس بی خیام مر چکا ہے۔ اب وہ جانے اور کے جی بی کے ایجنٹ۔

ایک خیال کے ذہن میں آتے ہی میں اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ میں بل ادا کر کے فوراً ہی باہر آیا۔ وہ ایک ریسٹورنٹ کے برآمدے میں کھڑا وائلن بجا رہا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان تین گز کا فاصلہ حائل ہو گا۔ میں اس کی طرف تیزی سے دوڑا۔ میں نے سڑک کی دوسری طرف ایک عورت کو اسحاق کی طرف رخ کر کے بیس روپے کا نوٹ لہراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اسحاق نے دھن ختم کی۔ اس کے پاس کھڑے ہوئے جو لوگ تھے ان سے پیسے جمع کئے اور ریسٹورنٹ کے برآمدے سے نکل کر سڑک کے دوسری طرف اس عورت کی طرف بڑھا۔ وہ عورت میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔

اسحاق کولکن سڑک کے وسط میں پہنچا ہی تھا کہ گلی کے موڑ سے اچانک ایک تیز رفتار گاڑی نمودار ہوئی۔ میں نے چلا کر اسے خبردار کرنا چاہا مگر وہ تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ چکا تھا۔ فضا میں ایک خوفناک چیخ گونجی۔ اس کا سر گاڑی کے نیچے کچلا جا چکا تھا۔ وائلن بھی ٹوٹ گیا تھا۔ گاڑی سامنے سے آنے والی ایک بس سے بچتی ہوئی تیز رفتاری سے ایک اور گلی میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

دوسرے لوگوں کے ساتھ دوڑتا ہوا میں بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ مگر وہ ختم ہو چکا تھا۔ پھر میں لوگوں کے ہجوم سے نکل آیا۔ لوگ اسے ایک حادثہ سمجھ رہے تھے لیکن یہ تو صرف میں ہی جانتا تھا کہ اسے قتل کیا گیا ہے تاکہ وہ میرے حق میں گواہی نہ دے سکے۔ دفعتاً مجھے اس عورت کا خیال آیا جو غائب ہو چکی تھی۔ میں اس عورت کو جانتا تھا جو چھوٹے بھگت لال کی محبوبہ اور داشتہ تھی۔ انتہائی خوبرو اور پُرکشش، وہ ایک سابق اداکارہ کی بیٹی تھی۔

نفرت اور غصے سے میری نسوں میں لہو ابلنے لگا۔ اس عورت کے بارے میں میں صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ یہ ایک اداکارہ کی بیٹی ہے۔ اس کی ماں اپنے وقت کی بہت مشہور و معروف اداکارہ تھی۔ اس کی اداکاری میں خاص خوبی نہ تھی لیکن وہ محض جنسی کشش کے باعث فلموں میں کاسٹ کی جاتی تھی۔ جب اس کی فلمیں فلاپ ہونے لگیں تو اس نے کالی راتوں کو ذریعہ معاش بنا لیا۔ ہر اداکارہ کی زندگی میں کالی راتیں آتی ہیں۔ اس کے بغیر وہ اس دنیا میں نہیں رہ سکتی اور پھر ان کالی راتوں سے بے پناہ آمدنی ہوتی تھی۔ یہ کالا دھن ہوتا تھا۔ اس کی بیٹی مراد اس کی ناجائز اولاد تھی۔ جب اس کی بیٹی نے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ممبئی کے بہت بڑے مارواڑی نے اس کی نتھ اتاری تھی۔ وہ کشش اور حسن و شباب میں اپنی ماں سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ اس کی بیٹی مراد کو فلمی دنیا میں اس لئے چانس نہیں مل سکا تھا کہ اس نے ایک فلمی تقریب میں نشے میں دھت ہو کر ایک فلم ساز کو جوتے مارے۔ ایک ہیروئن نے فلم ساز کو بچانے کی کوشش کی تو اس کے بھی کپڑے پھاڑ کر اسے برہنہ کر دیا تھا۔ لہٰذا فلمی دنیا نے اس کا اور اس کی بیٹی کا بائیکاٹ کر دیا تھا لیکن اس واقعے سے اس کی بیٹی کو بھی اس لئے شہرت ملی تھی کہ اس نے بھی ماں کا ساتھ دیا تھا۔ اخبارات نے اس کی بیٹی کی وہ نیم عریاں تصویریں چھاپیں جو اس کی ماں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر پریس کو جاری کی تھیں۔ ان تصویروں نے اسے عیاش لوگوں کی طرف متوجہ کر دیا۔ پھر اس نے اپنی بیٹی کی جوانی اور حسن سے خوب فائدہ اٹھایا۔ کالی راتوں نے اسے دولت مند بنا دیا۔ پھر چھوٹے بھگت لال نے اسے اپنا ساتھی بنا لیا۔

بھگت لال ایک انتہائی خطرناک انسان تھا۔ اس نے ہندوستان کی سیکرٹ سروس میں سات برس تک خدمت انجام دی تھی۔ اس نے کشمیری حریت پسندی کی تحریک کو دبانے کے لئے انسانیت کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس نے نہ صرف عورتوں کی بے حرمتی کی بلکہ انہیں گولیوں سے بھون بھی دیا تھا۔ نو عمر لڑکوں تک کو اس نے بخشا نہیں تھا۔ اسے ایک کشمیری مجاہدہ نے ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ پانچ گولیاں اس کے جسم کے مختلف حصوں میں پیوست ہو گئی تھیں۔ اس کی قسمت اچھی تھی۔ وہ زندہ بچ جانے میں کامیاب رہا لیکن اسے سات ماہ سرکاری ہسپتال میں زیر علاج رہنا پڑا۔

اس نے مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے بعد سیکرٹ سروس کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ ان سات مہینوں میں بستر پر لیٹے لیٹے دولت کمانے کے بارے میں سوچتا

رہا۔ پھر وہ مافیا بن گیا۔ اس نے سیکرٹ سروس میں رہ کر بہت کچھ سیکھا تھا کہ چھپ چھپ کر لڑنے والے غنیم کو کھلے میدان میں کس طرح لایا جائے اور یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ یوں للکارنے کا مقصد دھوکا ہی دے کر کتے کی موت مار دینا ہے۔ اس کے لئے ایک مافیا کے سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھیس بدل کر پھرنا' جعلی دستاویزات کا حصول' خفیہ ٹھکانوں تک رسائی اور ذہانت سے ہر جگہ وسائل پیدا کر لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اس کے پاس ابھی تک خفیہ فنڈ سے فراہم ہونے والی رقم موجود تھی اور وہ مختلف شہروں کے مخصوص اکاؤنٹ نمبروں سے حسبِ ضرورت جتنی رقم چاہتا نکال سکتا تھا اور اپنی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اسے پائی پائی لوٹا دینا چاہئے تھا۔ چیک بک واپس کر دینی چاہئے تھی لیکن وہ حکومت کو دھوکا دینے کے لئے "را" میں شامل ہو گیا تھا۔ اسے اپنے حریفوں کو راستے سے ہٹانے کے لئے پیشہ ور قاتلوں کی تنظیموں کی خدمات ناگزیر ہو چکی تھی۔

اس سفاک ترین انسان سے انور پاشا نے مجھے گزشتہ سال بنگلور میں ملایا تھا۔ وہ ریس کے کھیل میں حصہ لینے آیا ہوا تھا۔ اس سے کئی نشستیں رہی تھیں۔ اس نے ایک رات مس میسور کو بلا کر میرے کمرے میں صبح تک کے لئے بھیج دیا تھا۔ اس کے ساتھ جوئے کی محفلیں بھی جمتی تھیں۔ وہ مجھ سے ایک دوست کی طرح پیش آتا رہا تھا۔

پھر ٹیکسی لے کر ہوٹل گرینڈ پہنچا۔ کی بورڈ پر کمرے کی چابی نہ پا کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ کاؤنٹر پر موجود لڑکی سے میں نے دریافت کیا۔ "میرے کمرے کی چابی کہاں ہے؟ کیا میرا کمرہ کسی اور کو دے دیا گیا؟"

"جی نہیں۔" وہ دلکش انداز سے مسکرا کر بولی۔ "آپ کے ایک عزیز دوست چابی لے گئے ہیں۔ وہ آپ کے کمرے میں کوئی دس منٹ سے انتظار کر رہے ہیں .... میں نے آپ کی اجازت کے بغیر چابی دے دی۔ معذرت خواہ ہوں۔"

کہیں انور پاشا تو نہیں آیا ہو گا .... میں نے سوچا۔ دہلی میں بھی میرے بہت سارے دوست تھے لیکن اب تک انہیں میری آمد کی اطلاع نہیں ہوئی تھی اور نہ میں نے اب تک کوئی رابطہ کیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوا تو انور پاشا کی بجائے بھگت لال کو دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میرے دل میں آیا کہ اسے گلا گھونٹ کر اوپر بھیج دوں۔ میں اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک سکتا تھا۔ شاید پھینک بھی دیتا اگر اس نے کی بورڈ

سے چابی نہ لی ہوئی ہوتی اور استقبالیہ کی لڑکی نے اسے دیکھا ہوا نہ ہوتا' اور پھر اسے قتل کر دینے سے میرا مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ یہ میں جانتا تھا۔ وہ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے غرور اور تکبر سے بیٹھا ہوا استہزائی انداز سے مسکرا رہا تھا۔ اس کی کینہ توز آنکھوں میں سفاکانہ چمک تھی۔ اس کا ایک ہاتھ جیب میں تھا۔ لمبا سا دبلا سا جسم سیاہ کوٹ میں ملبوس تھا۔ اس نے اپنی مسکراہٹ کو گہری کرتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا جو ہڈیوں کا پنجر ہی تھا۔

"تم سے ایک ڈیڑھ برس کے بعد ملاقات کر کے بہت خوشی ہوئی۔" اس نے کہا۔

میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔ میں اسے زہریلے سانپ سے کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ میں نے بڑی بے دلی سے اس سے مصافحہ کیا۔ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں صرف بزرگانہ نصیحت کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔" اس نے پھر کہا۔

"اور اسی لئے تم نے اسحاق کولکن کو وحشیانہ طور پر قتل کر دیا۔" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"اسے قتل کرنے کے لئے تم نے ہی مجھے مجبور کیا تھا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"کیا؟" میں نے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "تم نشے میں تو نہیں ہو۔"

"اگر میں ایسا نہ کرتا تو ہمارے کام کے اوپر پانی پھر جاتا۔" بھگت لال نے جواب دیا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس گیا۔ ریسیور پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر میں پولیس کو اطلاع کر کے یہ حلفیہ بیان دے دوں کہ وہ ایک حادثہ نہیں تھا۔ اس وقت تم گاڑی چلا رہے تھے تو جانتے ہو کیا ہو گا؟"

بھگت لال قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ "اس سے تمہارے مسائل میں اضافہ ہو گا۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میں سیکرٹ سروس میں رہ چکا ہوں۔ "را" کے لئے بھی کام کر رہا ہوں اور تم پاکستانی ہو۔ تمہیں پاکستانی جاسوس ہونے کے الزام میں دھر لیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف تم ایک مفرور جنگی مجرم ہو۔ تمہارے حق میں شہادت دینے والا گواہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ گاڑی گزشتہ روز روسی سفارت خانے سے چوری ہو گئی تھی۔ سفارت خانے کی طرف سے اس کی رپورٹ پہلے ہی جمع کرائی جا

چکی ہے۔"

میں نے ریسیور پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں میرے بارے میں کس سے معلوم ہوا؟"

"بنگلور سے میرے آدمی نے مجھے فیکس سے اطلاع دی کہ تم انور پاشا کے ساتھ جا کر سائمن سے ملے۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم اس سے ضرور رابطہ کرو گے۔ تم ممبئی سے پُراسرار طور پر بنگلور پہنچ گئے۔ انہیں تاخیر ہو گئی تھی۔ ورنہ اس سے ملاقات کی نوبت نہ آتی۔ میں ممبئی میں تھا۔ میں خصوصی فلائٹ سے یہاں پہنچ گیا۔"

میں نے اس کی باتوں سے محسوس کیا کہ میرے خلاف منصوبہ بنانے میں زیادہ ہاتھ اس شیطان ہی کا ہے۔

"یہ تمہارے لئے ناممکن تو نہیں بلکہ بہت مشکل ہو گا کہ تینوں گواہوں سے رابطہ قائم کرو۔ ان سے رابطہ قائم کرنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے پہلی فرصت میں تم ممبئی پہنچ جاؤ۔ وہاں کامریڈ پاول اینڈر ریوف تمہارا منتظر ہے تاکہ ادھورے کام کو جلد سے جلد مکمل کیا جا سکے۔"

وہ اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ میں بے حس و حرکت بیٹھا رہ گیا لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت تک چوری کی گاڑی دریافت ہو چکی ہو گی اور پولیس نے اس قتل کو ایک حادثہ قرار دے کر تفتیش ختم کر دی ہو گی۔ میرے دل میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ میں پولیس کو اعتماد میں لے کر اصل حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ پھر یہ خیال دل سے نکال دیا۔ کیونکہ میں پاکستانی ہوں۔ پاکستانیوں سے پولیس سخت نفرت کرتی ہے۔ مجھے قتل کے الزام میں گرفتار کر لے گی۔ کیونکہ میں اسے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

میرے گرد بنے ہوئے جال کی رسی کچھ اور کھنچ گئی تھی۔ مگر میں ہمت ہارنے کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ ایس پی خیام کے گھر والے ابھی زندہ تھے۔ اس کی ماں یہ شہادت دے دے کہ میں ایس پی خیام نہیں ہوں تو میرے بچنے کے امکانات تھے لیکن اس سے پہلے مجھے اسحاق کولکن کی تجہیز و تکفین کے انتظامات کرنا تھے۔ اس کے تعاون کے سلسلے میں میں اتنا تو کر سکتا تھا۔

☆===☆===☆

وہ چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ کچی سڑک کے کنارے سوپور کے باہر ایک قریبی قصبے

میں تھا جس کے گیٹ پر خیام فیملی کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ میں کرائے کی کار میں وہاں پہنچا تھا۔ اس مرتبہ میں پہلے سے زیادہ محتاط تھا کیونکہ میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر اب ناکام رہا تو واپس ممبئی جا کر کے جی بی کی ہدایات پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

میرے دل میں ایک ہلکی سی امید تھی کہ روسی خیام کی ماں کو بھول چکے ہوں گے۔ جس وقت میں یہاں پہنچا تو ایک بوڑھا مگر بے حد صحت مند اور توانا جسم کا آدمی صحن میں درخت کاٹ رہا تھا۔ اس نے سرسری انداز میں مجھے دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا تو میں اپنی پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ وہ لمبے قد، چمکتی نیلگوں آنکھوں اور لمبے سیاہ بالوں والی ایک بہت ہی حسین و جمیل لڑکی تھی۔ سفید لباس میں وہ آسمان سے اتری حور لگ رہی تھی۔ اس کے بھرے بھرے گداز گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی دلکش مسکراہٹ تھی۔ اس نے مجھے قدرے حیرت سے دیکھا۔

"آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟" لڑکی نے دروازہ پورا کھولے بغیر پوچھا۔

"جی .... میں .... میں دراصل ایس پی خیام کا دوست ہوں۔" میں نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"کون خیام ....؟ لیکن وہ تو بہت عرصہ پہلے مر چکا ہے۔ میں اس کی بہن ہوں۔" اس نے ایک دم پیچھے ہٹ کر جواب دیا۔

"پھر تو تمہیں اپنا بھائی اچھی طرح یاد ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں دراصل اس کی سوتیلی بہن ہوں۔ اس وقت میں دو برس کی تھی جب وہ مجاہدین کے ساتھ مل کر جنگ لڑنے کے لئے افغانستان چلا گیا تھا لیکن آپ ہیں کون ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں بھی مجاہدوں کے ساتھ ہی تھا۔ کشمیر کی سیر و سیاحت اور تفریح کے لئے آیا ہوا تھا تو سوچا کہ خیام سے بھی مل لوں۔ اس لئے اس طرف نکل آیا۔ میں صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ میرا دوست کیا واقعی اس دنیا میں موجود ہے یا رخصت ہو چکا ہے۔" میں نے مدھم لہجہ میں کہا۔

"تو آپ نے خیام کے شانہ بشانہ افغانستان میں جنگ کی تھی۔" لڑکی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ وہ مترنم لہجے میں بولی۔ "آپ اندر آ جائیں۔" مجھے اندر آنے کے لئے راستہ دیا۔

کمرہ خاصا وسیع اور ضروریات سے آراستہ تھا۔ ایک دیوار پر چند آدمیوں کی تصویریں بھی دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ لڑکی نے مجھے کرسی پیش کی اور وہ خود بھی میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی بڑی بڑی حسین آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اس کا نام نادیہ تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ اٹھی۔ مجھ سے معذرت کر کے اندر چلی گئی کہ وہ ابھی حاضر ہوتی ہے۔

اس لڑکی میں جرمن قوم کی شباہت موجود تھی۔ سائمن نے بتایا تھا کہ ایس بی خیام کے والدین جرمن تھے۔ انہوں نے اپنے اور بچوں کے ملک کے دو ایک رشتہ داروں کو بھی کشمیر میں لا کر بسا لیا تھا۔ ان کے نام بھی مقامی مسلمانوں کی طرح رکھ لئے تھے۔ دنیا پر یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ لوگ ان کے ماضی کو بھول گئے یا اس سے انہیں کچھ دلچسپی بھی نہیں تھی۔

وہ کچھ دیر کے بعد آئی تو دو گلاس شربت لے آئی۔ ایک میری طرف بڑھا دیا۔ خود دوسرا گلاس لے کر بیٹھ گئی۔

”کیا میں یہ تصویریں دیکھ سکتا ہوں؟“ میں نے گھونٹ بھرتے ہوئے۔ ان تصویروں کی طرف اشارہ کیا۔

”ضرور دیکھئے.........“ وہ زیر لب مسکرا کر بولی۔

میں اس کی اجازت پا کر اٹھ گیا اور تصویریں دیکھنے لگا۔ ایک تصویر میں ایک بوڑھا آدمی پینٹ شرٹ میں تھا‘ صاف جرمن دکھائی دیتا تھا اور اس کے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی۔ یہ یقیناً اس کے ماں باپ تھے۔ نادیہ کے بچپن کی تصویریں بھی تھیں لیکن خیام کا چہرہ کسی تصویر میں نظر نہیں آیا جو حیرت کی بات تھی۔

”کیا آپ کے پاس خیام کی کوئی تصویر نہیں ہے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”جی نہیں.......... اتفاق سے اس کی کوئی تصویر ہمارے پاس نہیں ہے۔“ نادیہ نے جواب دیا۔

”کیا میں آپ کی والدہ سے مل سکتا ہوں؟ کیا وہ گھر پر موجود ہیں؟“ میں نے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

”میرے والد کو اسٹالن گراڈ میں بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا گیا اور میری ماں کا ایک سال قبل انتقال ہو گیا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”اب میں اس دنیا میں بالکل اکیلی

ہوں۔ گھر میں بھی اکیلی ہوں۔“

”کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ خیام واقعی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔“ میں نے اچانک ہی اس سے یہ سوال کیا۔

”ہمیں افغانستان کی جنگ کے خاتمے پر روسی حکومت کی جانب سے اس کی موت کی سرکاری اطلاع دی گئی تھی۔ وہ روس کی قید میں تھا۔ مگر آپ اس کے زندہ اور مردہ ہونے کے بارے میں کس لئے پوچھ رہے ہیں؟“

”شاید آپ کے علم میں یہ بات ہو گی کہ کچھ لوگ روپوشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ خیام شاید زندہ ہے۔“

”روسی اور کچھ لوگ اسے ایک سفاک شخص اور قتل و غارت کا ملزم قرار دیتے ہیں لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔ ماں بھی اسے بہت اچھا لڑکا سمجھتی تھی لیکن آپ یہ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہیں؟ اس کا واقعی انتقال ہو چکا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ماں کی تدفین میں ضرور شامل ہوتا۔“

”میرا دوست مر چکا ہے تو پھر میں یہاں رک کر کیا کروں گا؟“ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا اب آپ مجھے اجازت دیں۔“

”آج کے دن رک جاؤ۔ آج رات ہمارے گاؤں میں پارٹی ہے۔ میں آپ سے کچھ باتیں بھی کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر میرے پاس آئی۔ اس نے میرا بازو تھامتے ہوئے کہا۔

میں اس سے معذرت کر لینا چاہتا تھا لیکن ایک خیال نے میری زبان پر مہر لگا دی تھی۔ بڑی عجیب اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے گھر میں خیام کی تصویر نہیں تھی۔ میرے علم میں یہ بات تھی کہ جرمن قوم میں مرنے والوں کا بڑا احترام کیا جاتا ہے اور وہ اس کی تصویر اپنے گھر میں ضرور رکھتے ہیں۔ جب کہ اس کے ماں باپ اور نادیہ کے بچپن کی تصویریں بھی موجود تھیں۔

”ٹھیک ہے۔ میں رک جاتا ہوں۔ میں نے ہامی بھر لی۔

نادیہ نے کہا۔ ”سیاحوں کے لئے اس قصبے میں ایک ہوٹل ہے۔ میں اس میں آپ کے ٹھہرنے کا بندوبست کئے دیتی ہوں اور میں آپ کو لینے کے لئے آٹھ بجے پہنچ جاؤں گی۔“

اس سے پہلے کہ میں اسے روکتا نادیہ نے آواز دے کر اس بوڑھے کو جو باہر لکڑیاں کاٹ رہا تھا، بلالیا۔ اس کا نام اکمل تھا۔ نادیہ نے میرا اس سے ایک دوست کی حیثیت سے تعارف کرایا۔ اس سے کہا کہ وہ مجھے سیاحوں کے لئے مخصوص ہوٹل میں لے جاکر بہترین کمرہ دلادے۔

وہ میرے ساتھ خاموشی سے چل پڑا۔ قصبے کے وسط میں ہوٹل تک پہنچنے تک ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ اس طرح سے خاموش بیٹھا رہا جیسے اسے میری آمد ناگوار لگی ہو۔ ہوٹل کا بار تقریباً خالی تھا۔ اکمل ہوٹل کے مالک وٹو کو ایک طرف لے جاکر کچھ سرگوشیاں کرتا رہا۔ پھر دونوں قریب آ گئے۔ اس کا پورا نام شریف وٹو تھا لیکن اسے ہر کوئی وٹو کہہ کر بلاتا تھا۔ وٹو نے میری آمد پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے ایک کمرہ دے دیا۔ کمرہ صاف ستھرا تھا۔ اس کی کھڑکی باہر کی طرف کھلتی تھی۔ میں گاڑی میں سے اپنا سوٹ کیس لے آیا۔ پھر کپڑے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔ مجھے چند گھنٹے آرام کرنے کا موقعہ مل گیا تھا۔

☆======☆======☆

نادیہ کالے رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھی جس میں ستاروں کا کام کیا ہوا تھا۔ اس لباس میں وہ پہلے سے کہیں حسین نظر آ رہی تھی۔ ساڑھی اس نے ہندو عورتوں کی طرح باندھی تھی لیکن مسلمان عورتیں بھی اس طرح باندھتی تھیں۔ اس نے ساڑھی ناف سے نیچے باندھی ہوئی تھی۔ درمیان میں اتنا فاصلہ تھا کہ اس کی کمر اور پیٹ عریاں ہو گئے تھے۔ بلاؤز کے کشادہ گریبان سے اس کی جوانی کا خمار جھلک رہا تھا۔ مختصر بلاؤز کی پشت پوری کھلی ہوئی تھی۔ اس کے لمبے سیاہ بال ربن میں بندھے ہوئے تھے۔ مجموعی طور پر وہ اس وقت پارٹی میں سب سے زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ یہ پارٹی گزشتہ تین گھنٹوں سے تقریباً نصف میل دور درختوں کے جھنڈ میں واقع ایک مختصر سی عمارت میں جاری تھی۔ نادیہ نے اپنے کزن کی حیثیت سے مجھے متعارف کرایا تھا۔ ہر ایک نے مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ مجھے ان لوگوں کے ساتھ بار بار بیئر پینی پڑ رہی تھی۔ جب کہ وہاں ہر قسم کی شراب موجود تھی۔ میں نے ایک خاص بات جو نوٹ کی تھی وہ یہ کہ اس پارٹی میں جتنے لڑکے اور لڑکیاں تھیں وہ ہندو تھے۔ ان میں خیام فیملی کے لوگ مسلمان تھے۔ یہ تو صرف نام کے مسلمان تھے۔ شراب پانی کی طرح بہائی جا رہی تھی۔ میں نے دانستہ جنگ کا تذکرہ

نہیں کیا تھا۔ صرف اتنا کہا تھا کہ کاش! خیام زندہ ہوتا۔ نادیہ نے جواب دیا تھا کہ .... خیام انتقال کر چکا ہے۔ اب ہمیں اس کے بارے میں بالکل بھی سوچنا نہیں چاہئے۔ نادیہ مجھ سے ہندوستان کے مختلف شہروں کے بارے میں پوچھتی رہی۔ میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا کہ میں ایک الیکٹرونک انجینئر ہوں۔ قریب کی میز پر نادیہ کا ایک گوریلا دوست پوری توجہ سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔

دفعتاً آرکسٹرا نے ہیجان خیز مغربی دھن چھیڑ دی۔ نادیہ نے ڈانس کی تجویز پیش کی۔ دوسرے جوڑے بھی اٹھ رہے تھے۔ میزوں پر جلتی ہوئی شمعیں بجھائی جا رہی تھیں۔ تاریکی میں موسیقی کی ہیجان خیز دھن لوگوں پر دیوانگی طاری کر رہی تھی۔ انسانیت ان کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ ان کے دل و دماغ میں سیکس کے علاوہ کوئی اور خیال باقی نہیں رہا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں صرف ایک شمع روشن تھی اور انتہائی مدھم روشنی بڑا عجیب و غریب منظر پیش کر رہی تھی۔

نادیہ میرے سینے سے لگی رقص کر رہی تھی۔ نوجوان لڑکوں نے اپنے ساتھ رقص کرنے والی لڑکیوں کے ساتھ شرمناک حرکتیں شروع کر دی تھیں۔ ایک سولہ برس کی لڑکی کچھ زیادہ ہی نشے میں تھی اس نے اپنا بلاؤز پھاڑ کے پھینک دیا۔ پھر ساڑھی سے بھی بے نیاز ہو کر بے معنی اچھل کود مچانے لگی۔ کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ تین چار لڑکوں نے آگے بڑھ کر اس برہنہ لڑکی کو تھام لیا اور اسے کمرے سے باہر لے گئے۔ ڈانس فلور آہستہ آہستہ خالی ہو رہا تھا۔ متعدد جوڑے کمرے سے باہر جگہ تلاش کر چکے تھے۔

نادیہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر ایک اور سمت چل پڑی۔ میں غلاظت سے اپنا وجود میلا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن یہ سوچ کر اس کا ساتھ دے رہا تھا کہ ممکن ہے کیف و مستی ہی میں نادیہ سے کوئی بات معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ہم اس عمارت سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے ہٹ کے سامنے پہنچ گئے۔ مجھے نادیہ کی چالاکی کی داد دینا پڑی کہ جس نے پہلے ہی سے اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ اس عمر میں بھی بلا کی ذہین تھی۔

نادیہ مجھے اس کے اندر لے کر داخل ہو گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ میں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹنا چاہا مگر وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ میں یہ سمجھا کہ نادیہ جھجک رہی ہے لیکن دفعتاً میری چھٹی حس نے مجھے ایک انجانے خطرے

سے آگاہ کیا۔ میں جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر ٹھیک اس وقت میں روشنی میں نہا گیا۔ میں چندھیا کر رہ گیا۔ چند ثانیوں کے بعد دو اور تارچیں روشن ہو گئیں۔ اب میں دیکھنے کے قابل ہو چکا تھا۔ وہ تین آدمی تھے۔ ہوٹل کا مالک ڈٹو دوسرا بن مانس نما وہ آدمی جو میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ تیسرا آدمی بوڑھا اکمل جو نادیہ کے بنگلے کے باہر لکڑیاں کاٹتے ہوئے ملا تھا۔

اس وقت نادیہ بھی تاریکی سے نکل کر سامنے آ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔

”دیکھ لیا تم لوگوں نے یہ میرے ساتھ کیا کرنے جا رہا تھا۔“ وہ ہذیانی لہجے میں چیختی ہوئی بولی۔

ان میں سے ایک نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل میرے سر پر مارنا چاہی۔ میں برق سرعت سے ایک طرف ہٹ گیا لیکن اس بوتل نے میرے رخسار پر زخم لگا دیا تھا۔

نادیہ نے میرے ساتھ یہ دھوکا کیوں کیا؟ میں یہ سوچ رہا تھا کہ بن مانس نما آدمی کو چھرا لے کر اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر میں تیزی سے سنبھل گیا۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کئی بار رونما ہو چکے تھے۔

”سور! تم کس نیت سے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہے تھے؟ تم خیام کے دوست نہیں ہو۔ میں بھی آخر تک خیام کی کمانڈ میں افغانستان میں رہا تھا۔ میں نے اس سے پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔ تم یقیناً گندے یہودی ہو .... اسرائیل کے جاسوس.........“

میں اس کے حملے سے بچنے کے لئے اچھل کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ ایک طرف ہٹتا نہیں تو اس کے حملے کی زد میں آ جانا یقینی تھا۔ اس نے دوسرا وار کیا۔ میں اس مرتبہ بھی بچ گیا۔ بوڑھے نے اس موٹے کو روک دیا۔ پھر اس نے میرے چہرے پر روشنی ڈالتے ہوئے کرخت لہجے میں پوچھا۔

”تم کون ہو؟“

”میں نادیہ کو اپنے بارے میں بتا چکا ہوں۔ اس سے پوچھ لو۔“

”یہ مجھ سے خیام کے بارے میں سینکڑوں سوالات کر چکا ہے۔ اس کے خیال میں

خیام زندہ ہے۔“ نادیہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

”کیا تم ایس پی خیام کو جانتے ہو؟“ اکمل نے پوچھا تو میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

نادیہ نے اچانک اکمل کو ایک طرف دھکیل دیا۔ پھر وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے پیٹ پر لگی اور پھر اس نے پوری قوت سے میری گردن پر اپنے دانت پیوست کر دیئے۔ موٹے نے بڑی مشکل سے نادیہ کو مجھ سے الگ کر لیا لیکن اس کے بعد بھی وہ اچھل اچھل کر مجھے ٹھوکریں مارتی رہی۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ سے میری گردن پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے گھونسے مارنے لگا۔ میں اپنے آپ کو چھڑا کے الگ ہو گیا مگر میرے منہ پر پڑنے والا بوڑھے کا فولادی گھونسہ ایسا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی ناچنے لگیں۔ پھر میں دھم سے فرش پر گر گیا۔ میرے جسم پر پڑنے والی ہر ٹھوکر سے میرے منہ سے کراہ نکل رہی تھی۔

نادیہ جو مجھ سے دور کھڑی ہوئی تھی۔ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ ”اسے قتل کر دو قتل کر دو.........“

میں زیادہ دیر تک ہوش میں نہ رہ سکا۔ میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں ایک کمرے کے فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ چھت سے لٹکا ہوا مدھم روشنی کا آئل لیمپ جل رہا تھا۔ بوڑھا، ڈٹو اور موٹا نادیہ سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اپنا سوٹ کیس بھی وہاں پڑا کھلا دیکھ لیا تھا۔ پھر میں نے دوبارہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

”یہ ایک ذلیل یہودی ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے اجازت دو کہ اسے الٹا لٹکا کر اس کی کھال کھینچ لوں۔“ موٹے نے کرخت لہجے میں کہا تھا۔ اس کی سانس سینے میں پھول رہی تھی۔

”خاموش رہو.........! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنے لئے کچھ اور مصیبتیں پیدا کر لیں؟ ڈٹو! اس کے سوٹ کیس کو تم نے کیا اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے؟ اس میں سے کیا کچھ ملا ہے؟“ بوڑھے نے کہا۔

”ایک پستول .... یہ یقیناً یہودی جاسوس ہے جو بے چارے خیام کی تلاش میں گھوم رہا ہے۔“ ڈٹو نے جواب دیا۔

”آہ خیام! .... وہ بے چارا تو اپنی ماں کے جنازے میں بھی شرکت نہ کر سکا۔

کس قدر افسوس ناک بات ہے۔" نادیہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

میں اب پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا۔ نادیہ کی بات سن کر میرا دل یک بارگی دھڑک اٹھا۔ جسے مردہ سمجھا جا رہا تھا وہ زندہ تھا۔ میں آنکھیں بند کئے ان کی باتیں سننے لگا۔

بوڑھا کہہ رہا تھا۔ "ڈٹو! یہ اختر (موٹا) کل صبح اسے گاڑی کی ڈگی میں ڈال کر قصبے سے باہر والی جھیل پر لے جائے گا۔ اسے رسی سے باندھ کر جھیل کے گہرے پانی میں غوطے دیئے جائیں۔ جب یہ ختم ہو جائے گا تو رسی کھول کر اس کی جیبوں میں پتھر بھر کر لاش دوبارہ جھیل میں پھینک دی جائے۔ دو تین روز کے بعد جب اس کی لاش برآمد ہو گی تو وہ شناخت کے قابل نہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ میں اختر کو کسی اور بات کی اجازت نہیں دوں گا۔ کیونکہ اس طرح خدشہ ہے کہ قصبہ کی پولیس کہیں شبہے میں نہ پڑ جائے۔"

مجھے اپنے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کر دوں۔

"تم لوگ مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو؟" میں نے اپنی قوت مجتمع کر کے بلند آواز میں کہا۔

میری آواز سن کر وہ سب چونک گئے۔ نادیہ کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا۔

"اس لئے کہ گندے یہودی! .... جاسوسوں کے انجام سے لوگ آگاہ ہو سکیں۔" بوڑھا میرے قریب آ کر غرایا۔ پھر اس نے ڈٹو کی طرف منہ کر کے کہا۔ "یہاں سے نکلتے وقت تم پر کسی کی نگاہ نہیں پڑنی چاہئے۔"

"فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" ڈٹو کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ "مطمئن رہو۔ میں لوگوں کو بتا دوں گا کہ وہ پارٹی کے اختتام سے پہلے ہی دہلی روانہ ہو گیا تھا۔" اس نے جواب دیا۔

پھر اکمل، نادیہ کو سارا پروگرام سمجھانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "اب تم گھر جا کر آرام کرو۔"

"مجھے ایک ایسا خنجر دے دو جس سے اس کے سارے جسم میں شگاف ڈال دوں۔" نادیہ کا لہجہ بڑا زہریلا تھا۔ "میں اس ذلیل اور حرامی یہودی کی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا چاہتی ہوں۔"

نادیہ نے اتنا کہہ کر میرے منہ پر ٹھوکر رسید کی۔ دوسری مرتبہ اس نے ٹھوکر مارنے

کی کوشش کی تو اکمل نے اسے فوراً ہی پکڑ لیا اور اسے میرے پاس سے ہٹا دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ اس کا ہم اور بھی برا حشر نشر کریں گے۔"

"کیا تم چند لمحوں کے لئے پرسکون ہو کر میری بات سنو گے اکمل!" میں نے درد اور تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔ "میری بات سن لو۔ پھر تم لوگوں کے دل میں جو آئے وہ کرنا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اکمل نے مجھے قہر آلود نظروں سے گھورا۔ "تمہارے کہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔"

"تم لوگ اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو؟" میں نے آہستگی سے کہا۔

"تم دوست نہیں بلکہ دشمن ہو......... دشمن کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔" وہ پھنکارا۔

"اگر میرا لباس اتار کر دیکھو تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ میں تمہارا ہی ساتھی ہوں۔" میں نے کہا۔

چند لمحوں تک گہری خاموشی طاری رہی لیکن میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی صدا مجھے سنائی دے رہی تھی۔ وہ چاروں معنی خیز انداز سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اکمل نے مجھے اپنا لباس اتارنے کی اجازت دے دی۔ موٹے نے اس کے بند بے دردی سے کھول کر میری قمیض اتار دی۔ جسم کا بالائی حصہ برہنہ ہوتے ہی میں نے لیمپ کے قریب پہنچ کر بایاں بازو اوپر اٹھا دیا۔

بغل میں گدے ہوئے نشان پر نگاہ پڑتے ہی موٹا ہذیانی لہجے میں چیخا۔

"اوہ......... میرے خدایا! تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا کہ کون ہو؟ ہم تو تمہیں جھیل میں ڈبونے کے انتظامات مکمل کر چکے تھے۔ آخر اس قدر تاخیر سے بتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم لوگوں نے مجھے مہلت اور موقع ہی کہاں دیا تھا؟" میں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

لیکن اکمل جیسے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ وہ مجھے ابھی بھی مشکوک نظروں سے گھور رہا تھا۔ میرے لئے یہ سنہرا موقع تھا کہ میں ان کی ہمدردیاں حاصل کر لوں۔ ناکامی کی صورت

میں جھیل کی تہہ میری منزل تھی۔

"تم نے خیام کے بارے میں جھوٹ کیوں بولا تھا؟" اکمل نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں نے غیر معمولی احتیاط سے کام لیا .... اور کوئی وجہ نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"تم خیام کو آخر کس لئے تلاش کر رہے ہو؟" نادیہ نے اس مرتبہ نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں عرصہ سے امریکہ میں روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔" میں نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "طویل مدت کے بعد ہندوستان واپس آیا ہوں۔ کچھ لوگ اب میری تلاش میں ہیں۔ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں کسی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں ہوں۔ ایک ایسی جگہ جو ان کی نظروں سے دور ہو۔ ان کا سایہ تک نہ پڑ سکے۔ میں سکون و اطمینان سے زندگی گزار سکوں۔ اب مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں رہا کہ میں ان سے لڑتا رہوں۔"

اگر ایسی بات ہے تو تم یہاں رہ سکتے ہو۔" وٹو نے مجھے یہاں رہنے کی پیشکش کر دی۔ "یہ جگہ بہت خوبصورت' پُرفضا اور ہر لحاظ سے پُرسکون بھی ہے۔ یہاں اطمینان سے رہ سکتے ہو۔"

"آپ لوگ نہیں جانتے ہیں کہ وہ کس قدر سفاک اور انتہائی خطرناک لوگ ہیں۔ آپ لوگ ان کی شقی القلبی کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ میں اپنے ساتھ آپ لوگوں کو بھی مصیبت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ میں اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپا نہ سکوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو ہم ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔" اکمل نے میرے قریب آ کر میرا شانہ تھپتھپایا۔ "تم آج رات یہیں رہو گے۔ تمہارے ساتھ نادانستگی میں جو کچھ ہوا اس کا افسوس ہے۔"

وہ آپس میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ میں لاتعلق سا رہا۔ جب اختر اور وٹو باہر چلے گئے تو میں نے محسوس کیا کہ میں کامیابی کی طرف ایک قدم بڑھا چکا ہوں۔ اب ان کی ذات سے کوئی خوف اور خطرہ نہیں رہا ہے۔

کچھ دیر بعد جب ہم دوبارہ اس مکان میں پہنچے تو پارٹی کا ہنگامہ جاری تھا۔ وہ اپنے پورے جوبن پر تھی۔ وٹو اور اختر پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ اکمل ہم سے الگ ہو گیا۔ البتہ اختر ہمارے قریب آ گیا۔

میں اختر اور نادیہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ یہاں اب بہت کم لوگ رہ گئے تھے۔ جو تھے وہ بھی نشے میں دھت تھے۔ کچھ جوڑے کونے کھدروں میں اور گھنے اندھیرے کی پناہ میں ایک دوسرے سے زندگی کا کیف اور لطافتیں حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب کسی بھی خطے میں کوئی بھی مغربی تہذیب کے اثر و نفوذ سے محفوظ نہیں رہا تھا۔ الیکٹرانک میڈیا نے صدیوں کا سفر برسوں بلکہ مہینوں میں طے کر لیا تھا۔ اب آدمی پھر انسانیت کے اس دور کی طرف جا رہا تھا جب کہ علم بھی ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا لیکن دنیا ایک جنگل بن گئی تھی۔

اختر نے ایک کرسی پر بیٹھ کر شراب لانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے میری طرف تاسف بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے میری درگت بنانے پر اسے بہت افسوس ہو رہا ہو اور دل میں سخت نادم ہو۔

پھر نادیہ نے میرے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ پھر خفت بھرے لہجے میں بولی۔ "ہم سب تم سے اس ناروا سلوک پر بہت شرمندہ ہیں۔ ہمیں معاف کر دو' پلیز!"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے انکساری سے کہا۔ "غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو دوش نہیں دوں گا۔"

میں نے بھی شراب تھوڑی بہت چکھ لی تاکہ میرے جسم کو آرام مل سکے۔ شراب نے میرے اندر توانائی کی لہر دوڑا دی تھی۔ ایک فرحت سی محسوس ہوئی تھی لیکن میں آرام کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ میں جا کر سو جانا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد ہم اٹھے۔ مکان کے برآمدے میں آئے تو ایک جوڑا مجھ سے ٹکرا گیا۔ وہ پندرہ سولہ برس کی لڑکی تھی۔ مرد پچیس چھبیس برس کا ہو گا۔ اس کے ہاتھ میں لڑکی کے کپڑے تھے۔ وہ عقبی دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ لڑکی اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ چیختی جا رہی تھی۔ "کریال .... میرے کپڑے دے دو .... اچھا نہیں ہو گا۔"

نادیہ اور اس کے ساتھی ہنس پڑے۔ ان کے نزدیک جیسے یہ کوئی نئی اور حیرت کی بات نہ ہو۔

اختر اور دلو تو ہم دونوں سے آگے آگے تھے۔ پھر وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے ہوٹل کی سمت بڑھ گئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ہوٹل کے سامنے پہنچ کر میں رکا تو نادیہ نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "رک کیوں گئے؟"

"میں اپنے کمرے میں جا کر سو جانا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"نہیں .... تم ہوٹل میں نہیں بلکہ میرے گھر پر رات گزارو گے۔" اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ "میرے ساتھ چلو۔"

میں انکار نہ کر سکا۔ اس کے ساتھ چل دیا لیکن میرے دل کے کونے میں شبہات سر اٹھانے لگے۔ کہیں اس میں بھی کوئی چال نہ ہو۔ کیوں کہ وہ مجھے اس مکان میں لے گئی۔ اس نے وہاں جو محفل جمی ہوئی تھی اس کی رنگینیاں اور بے حجابی دکھائی تھی۔ پھر مجھے ہٹ میں لے جایا گیا۔ اس نے مجھے کچھ دیر اندھیرے میں من مانی کرنے دی۔ پھر وہ الگ ہو گئی۔ پھر میرے ساتھ وہاں جو کچھ پیش آیا وہ بڑا تلخ تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہاں میرے پُرتپاک خیر مقدم کے لئے میزبان موجود ہوں۔

صبح جب میں بیدار ہوا تو نادیہ موجود نہیں تھی۔ میں کچھ دیر تک بستر پر دراز رہا۔ پھر کچھ خیال آیا تو میں نے بستر سے نکل کر کپڑے پہنے۔ چند لمحوں کے بعد نادیہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا حسین چہرہ کسی نئی نویلی دلہن کی طرح دمک رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ میری آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ "میں اکمل سے بات کرنے گئی تھی اور وہ تمہاری باتوں کا قائل ہو گیا ہے اور وہ تمہیں اس جگہ پہنچانے کے انتظامات کر رہا ہے جہاں خیام چھپا ہوا ہے۔"

"کیا.........؟" میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ "کیا وہ وادی کشمیر میں ہی موجود ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں .... وہ وادی کشمیر میں نہیں بلکہ ہندوستان میں موجود ہے۔ مجھے بھی نہیں معلوم کہ کس جگہ .... اس نے کبھی خط نہیں لکھا۔ لگتا ہے کہ وہ بھول گیا ہے۔ میں تو اس سے آج بھی ملنے کے لئے بے تاب ہوں۔ مجھے تو اب اس کی شکل بھی یاد

نہیں رہی۔" نادیہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہم وہاں کس طرح پہنچیں گے؟"

"اکمل نے بنگلور کا ایک پتا دیا ہے۔ ہمیں وہیں سے معلوم ہو گا کہ کیا کرنا ہے۔ کہاں جانا ہے۔ اوڈیسا ایک قابل اعتماد تنظیم ہے۔ وہ سینکڑوں آدمیوں کی مدد کر چکے ہیں۔" نادیہ نے جتایا۔

"کیا تم میرے ساتھ چلنے میں واقعی سنجیدہ ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے اپنا خوشنما سر ہلایا۔ "میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ تمہارے سنگ چلوں گی۔"

"ایک بات اچھی طرح سوچ لو......... میں نہیں چاہتا کہ تم سوچے سمجھے بغیر میرے ساتھ چل پڑو۔"

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟" وہ میرے سینے کے گھنے سیاہ بالوں میں انگلیاں الجھاتی ہوئی بولی۔

"سوچنے کی یہ بات ہے کہ قدم قدم پر خطرہ ہے۔ وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح میری تلاش میں ہیں۔"

"میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے۔" وہ میرے مضبوط اور چوڑے چکلے سینے پر نظریں مرکوز کر کے کہنے لگی۔ "میں یہاں رہتے رہتے زندگی سے بیزار ہو چکی ہوں۔ میں کچھ تبدیلی چاہتی ہوں۔ ممکن ہے اس مشن میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں .... کسی کام آ سکوں۔ کیا تم موقع نہیں دو گے؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے اس سے کہا۔

☆------☆------☆

میں نہا کر ناشتے کی میز پر آیا تو نادیہ موجود تھی۔ وہ بھی نہا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ نہانے سے اس کے چہرے پر ایک دمک، نکھار اور تازگی سی آ گئی تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے مخملیں شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا حسن دوچند ہو گیا تھا۔ ادھر میں بھی قدرے تازہ دم اور چست ہو گیا تھا۔

ناشتے کے دوران خاموشی رہی، لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے جا رہے تھے۔ وہ اس وقت ایک سرشاری کی کیفیت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی

آنکھوں میں خمار چھایا ہوا تھا۔ مجھے بس یہ معلوم کرنا تھا کہ خیام کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس کے بعد نادیہ اور اس کے ساتھیوں کو بے وقوف بنانا زیادہ مشکل ثابت نہ ہوتا' لیکن ایک بات طے تھی کہ میرے لئے خطرات بڑھ جائیں گے۔ مجھے نادیہ کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ اوڈیسا والے ساری دنیا میں آج بھی نازی مجرموں کو روپوش رکھنے میں ساری دنیا سے ٹکر لے رہے تھے۔ یہ ان کا راز تھا اور میرے ہاتھوں ان کا راز طشت از بام ہونے والا تھا لیکن مجھے صرف اس بات سے دلچسپی تھی کہ میں خیام کو منظرِ عام پر لا کر اپنا دامن صاف کرلوں۔ روسی اور اسرائیلی ایجنٹ جرمنوں کے بدترین دشمن تھے۔

☆======☆======☆

گرے رنگ کی گاڑی نادیہ کے قصبے کے اندر داخل ہو کر پانچ سو گز دور دوراہے پر سڑک کے کنارے آ کر رکی۔ ٹریفک جاری تھا لیکن اس گاڑی سے تعلق رکھنے والے دونوں آدمیوں پر ایک شخص کے علاوہ کسی اور نے توجہ نہیں دی۔ ان میں سے ایک نیچے اتر کے ٹہلنے لگا۔ وہ لمبے قد اور کسرتی جسم کا مالک تھا۔ چہرے کی رنگت تانبے جیسی' آنکھیں نیلی اور مونچھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد وہ دوبارہ گاڑی میں اپنے ساتھی کے قریب بیٹھ گیا۔ جو قد میں اس سے بھی لمبا تھا جو آنکھوں پر طاقتور دوربین لگائے اس راستے میں چھوٹے سے بنگلے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عقب سے ایک گاڑی آئی جسے دیکھ کر اس نے دوربین رکھ دی۔ جب گاڑی گزر گئی تو دوربین دوبارہ آنکھوں سے لگالی۔ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہروں سے پرندوں کے شکاری نظر آتے تھے۔ ان کے جرمن ساخت ہیٹ گاڑی کی پچھلی نشست پر پڑے تھے۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ دونوں اسرائیلی یہودی تھے۔ بن اوری تل ابیب کی پیداوار تھا اور ہائم جافا میں پیدا ہوا تھا۔ پہلے وہ شام کی سرحد کے قریب کھیتی باڑی کر کے پیٹ پالتے رہے۔ پھر وہ برٹش آرمی کے یہودی بریگیڈ میں شامل ہو گئے۔ وہ فلسطینیوں کے خلاف بھی لڑتے رہے تھے۔ پھر جرمنی نازی جنگی مجرموں کی تلاش میں بھی سرگرداں رہے۔ کچھ عرصہ بعد دونوں نے دوبارہ کاشت کاری کو اپنا لیا۔ وقت گزاری کے لئے انہوں نے چند دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ناقابل فراموش لوگ نامی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ ان کی تنظیم کے نمائندے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ جب کسی نازی کے بارے میں مثبت اطلاعات ملتیں تو یہ دونوں اپنے دیگر کام چھوڑ کر وہاں پہنچ جاتے۔ وہ دونوں عربی' جرمن' عبرانی اور انگریزی زبانوں پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ کسی مشن پر جاتے ہوئے اسرائیلی سیکرٹ سروس کی طرف سے فراہم کردہ جعلی پاسپورٹوں پر سفر کرتے لیکن یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کبھی پکڑے گئے تو اسرائیلی سیکرٹ سروس ان سے قطعاً لاتعلقی کا اظہار کرے گی۔ بن اوری اور ہائم براہ راست اقدام

اٹھانے سے گریز کرتے تھے۔ ان کی گاڑی کی ڈگی میں ہر وقت بائیس بور کی ہائی اسپیڈ رائفل اور چند دیگر مہلک ہتھیار موجود رہتے۔

بن اوری دوربین آنکھوں سے لگائے بیٹھا تھا۔ بنگلے سے دو افراد کو نکلتے دیکھ کر وہ کچھ بڑبڑایا۔ ان میں ایک آدمی تھا اور ایک لڑکی جو بنگلے سے نکل کر پرانی موررس گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ ان کے بیٹھتے ہی گاڑی تیزی سے مخالف سمت روانہ ہو گئی۔ بن اوری نے دوربین نیچے رکھ کر گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا۔ اس نے جن سوالیہ نظروں سے اپنے ساتھی کو دیکھا اس سے یہ محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پوچھ رہا ہو۔ "تمہارے خیال میں یہاں واپس کیوں آیا ہو گا؟" اس نے یہی پوچھا بھی تھا۔

"اس یقین کے ساتھ کہ اسے اسرائیلی قوم بھول چکی ہو گی۔" بن اوری نے جواب دیا اور گاڑی کی رفتار ہلکی کر دی۔ دوسری گاڑی ان سے تقریباً پانچ سو گز آگے اسی رفتار سے جا رہی تھی۔

"میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ اس نے دہلی میں اسحاق کولکن کو قتل کیوں کیا .... بہرحال میں یہ ضرور کہوں گا کہ اسحاق کولکن آخری شخص تھا جو اس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ وہ آئندہ کسی کو قتل نہیں کر سکے گا۔" ہائم نے کہا۔

دونوں گاڑیاں مغرب کی سمت والی سڑک پر مڑ گئی تھیں۔ یہ راستہ ان دونوں کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ دو تین روز قبل انہیں جیسے ہی اطلاع ملی کہ ایس بی خیام دہلی میں موجود ہے تو وہ فوراً وہاں پہنچ گئے لیکن انہیں تاخیر ہو چکی تھی۔ ان کی اطلاع کے مطابق خیام اسحاق کو قتل کرنے کے بعد کشمیر چلا گیا تھا۔ وہ بھی اس کے تعاقب میں کشمیر پہنچ گئے اور اب دونوں کے دل مسرت سے جھوم رہے تھے کہ بالآخر انہوں نے شیطان صفت خیام کو پالیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اوپل' بریکوں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ قصبے کے ہوٹل کے سامنے رکی۔ گاڑی کیچڑ اور دھول میں لپٹی ہوئی تھی۔ جیسے طویل سفر کر کے یہاں پہنچی ہو۔ گاڑی کے رکتے ہی ڈرائیور نیچے اترا۔ دوڑتا ہوا ہوٹل کے دروازے تک پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور پہلے سے بھی زیادہ عجلت میں مڑ کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی کو ایک زبردست جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ دوسری مرتبہ یہ گاڑی نادیہ کے بنگلے کے سامنے رکی۔ ڈرائیور نیچے اتر کر

پہلے کی طرح دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچا۔ دروازے پر کئی مرتبہ وقفے وقفے سے دستک دینے کے بعد بھی کوئی جواب نہ ملا تو اس نے باہر کھیلتی ہوئی ایک بچی سے نادیہ کے بارے میں پوچھا تو بچی نے جواب دیا کہ وہ ایک آدمی کے ساتھ جا چکی ہے۔ وہ بھگت لال تھا۔ وہ ہونٹ کاٹتا ہوا بچی کے قریب بیٹھ گیا تاکہ اس سے کچھ پوچھ سکے۔

"بے بی! کیا تم بتا سکتی ہو کہ اس شخص کا حلیہ کیا تھا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور جیب سے بیس بیس روپے کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "اس سے تم ٹافیاں خرید کر کھا لینا۔"

لیکن وہ کم سن بچی اسے تسلی بخش طور پر کچھ بتا نہ سکی۔ وہ مختلف انداز میں اس سے پوچھتا رہا۔ آخر اسے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ نادیہ اور وہ مرد گاڑی میں بیٹھ کر مغرب کی سمت میں گئے ہیں۔ وہ اٹھ کر پیار سے بچی کا سر سہلاتا ہوا دوبارہ گاڑی میں جا بیٹھا۔ اس کے چہرے سے مایوسی ٹپکنے لگی۔

گاڑی تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ اسے یہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی اور خیام اس تاخیر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے نکل چکا تھا لیکن وہ خیام کی بہن سے ملنے کیوں اور کس لئے آیا تھا؟

اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی خوبصورت لڑکی نے سگریٹ سلگایا تو اس نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا اور کہاں گیا ہو گا؟"

وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی نرم لہجے میں بولی۔ "اس قدر جذباتی ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے بھگت لال! ہم اسے جلد ہی پکڑ لیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر جا نہیں سکتا۔ تم اطمینان رکھو۔"

لڑکی نے یہ الفاظ گاڑی کی تیز رفتاری سے خوف زدہ ہو کر نہیں کہے تھے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد اپنے ساتھی کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔ وہ آہنی اعصاب کی مالک تھی۔ زیر زمین دنیا میں رہ کر اس نے بہت کچھ سیکھا ہوا تھا اور وہ مستقل طور پر اپنے باس کے ساتھ رہتی تھی۔ اس سے ایک لمحے کے لئے جدا نہیں ہو پاتی تھی۔

بھگت لال اس وقت بری طرح الجھا ہوا تھا۔ جب یہ کھیل شروع ہوا تھا تو ان کا شکار پوری طرح جال میں پھنس چکا تھا لیکن اب وہ رسیاں کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہی چیز

اسے سیخ پا کر رہی تھی۔ اس نے گاڑی کی رفتار اور بڑھا دی۔ اس کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ پچاس میل تک جائے گا۔

مجھے ان کے بارے میں بہت بعد میں وٹو سے پتا چلا تھا۔ میں نے کڑیاں ملانے کے لئے یہ سب کچھ بیان کر دیا۔

☆======☆======☆

بس میں بھانت بھانت کے لوگ بھرے ہوئے تھے۔ میں اور نادیہ ایک ہی سیٹ پر براجمان تھے۔ میں مسافروں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا کہ ان میں کوئی مشکوک شخص تو نہیں ہے۔

"ہماری منزل کہاں ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے پوچھا۔

"گوئٹے ہال........" نادیہ نے مسرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

ہم گزشتہ شام بنگلور پہنچے تھے۔ نادیہ مجھے سیدھی شیوہ جی نگر کے پہلو میں ایک چھوٹے سے اسٹوڈیو میں لے گئی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ اسٹوڈیو اوڈیسا تنظیم ہی کی ایک شاخ تھی۔ جہاں ہمیں ٹیلی فون پر آئندہ پروگرام کے بارے میں ہدایات ملتیں۔ میں چاروں طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ میں سیدھا نکل جانا چاہتا تھا جو ایک طرح سے میرے لئے ناممکن سا تھا۔ نادیہ کو اپنی آخری منزل کا کچھ علم نہیں تھا۔ اس کی اطلاع فون پر ہی ملنا تھی۔

اذیت ناک انتظار کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو نادیہ نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند سیکنڈ تک کسی سے بات کرتی رہی۔ پھر فون بند کر کے میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی بول اٹھی۔

"ہم کل صبح روانہ ہو رہے ہیں۔ میسور میں مہاراجہ کے محل کے پاس ایک گاڑی ہماری منتظر ہو گی جو ہماری رہنمائی کرے گی۔ پھر ہماری ملاقات بل مکرجی سے ہو گی۔" نادیہ کا لہجہ رس بھرا تھا۔

"صبح کی بجائے ہم ابھی نائٹ کوچ سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ رات سفر میں کٹ جائے گی۔" میں نے کہا۔

"نہیں .... آج میں بنگلور شہر کی حسین اور رنگین رات کا لمحہ لمحہ تمہاری معیت

میں گزارنا چاہتی ہوں۔" وہ مجھے خودسپردگی کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ "بنگلور جیسا موسم اور فضا ہر شہر میں نہیں ہوتی ہے۔"

پھر وہ میرا بازو تھام کر مجھے باہر لے آئی۔

ہم دونوں بس پر بیٹھ کر گوئٹے ہال پہنچے۔ آج جرمن عورتوں کے تہوار کی رات تھی۔ ہر طرف میلے کا سا سماں تھا۔ شہر کے سب سے مہنگے اور جدید ترین گوئٹے ہوٹل کی عمارت روشنیوں میں جگمگا رہی تھی۔ لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ اندر داخل ہونا مجھے بہت دشوار لگ رہا تھا۔ نادیہ مجھے کھینچتی ہوئی کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ رش کی وجہ سے درجہ حرارت بڑھا ہوا تھا۔ ہر ایک جسم سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ پسینے کی وجہ سے عورتوں کے میک اپ بگڑ گئے تھے۔ ان کے چہرے جدید مصوری کے شاہکار نظر آ رہے تھے۔ عجیب طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ ہندوستان خصوصاً بنگلور شہر میں جرمن اتنی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

دفعتاً ایک آدمی نے نادیہ کا بازو پکڑ لیا اور اسے ڈانس فلور کی طرف کھینچنے لگا۔ نادیہ نے نہ تو کوئی مزاحمت کی اور نہ تعرض کیا۔ وہ اس کے ساتھ کچے دھاگے کی طرح بندھی چلی گئی اور اس نے میری طرف ایک مرتبہ بھی مڑ کے نہیں دیکھا۔ میں حیرانی سے اسے دیکھتا رہا۔ ظاہر ہے وہ مرد جرمن تھا۔ وہ بھی جرمن نسل کی تھی۔ اس کی رگوں میں جرمن خون دوڑ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد ایک عورت نے مجھے گھیر لیا تھا۔ اس کا نام ہانگا تھا۔ نادیہ نے اس وقت مجھے اس کا نام بتایا تھا جب ہم اندر گھس رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو خوبصورت بنانے کے لئے میک اپ اور لباس کا سہارا لیا ہوا تھا۔ میک اپ نے تو اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اس کا لباس بہت ہی نامناسب تھا۔ ایک طرح سے وہ بے لباس سی لگ رہی تھی۔

میں نے اس سے پیچھا چھڑانا چاہا مگر اس نے جیسے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مجھے کسی قیمت پر بخشے گی نہیں۔ وہ میرا بازو تھام کر مجھے ڈانس فلور کی طرف کھینچنے لگی۔ کسی کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ آرکسٹرا کیا دھن بجا رہا ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی دھن پر ناچ رہا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ مجھے نادیہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ شاید وہ شخص اسے کسی تنہائی میں لے گیا تھا۔ وہ اس کی بانہوں میں مست ہونے کے لئے چلی گئی تھی۔ وہ میری ملکیت تو نہیں تھی جو مجھے حسد یا جلن ہوتی اور پھر وہ ایسی عورت تھی جو ہر خوبصورت اور وجیہہ مرد پر ریجھ

جاتی تھی۔ اسے ہر رات جیسے ایک مرد کی طلب ہوتی تھی۔

اس وقت دو بینجو نواز ہال میں آ گئے۔ ان کے چہروں کی رنگت تانبے جیسی اور قد لمبے تھے۔ جو قدرے زیادہ لمبا تھا اس کی چھوٹی چھوٹی مونچھیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ دونوں سرکس کے جوکروں کی طرح اپنی عجیب و غریب حرکتوں سے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ لوگ ان کی طرف متوجہ بھی تھے اور ان کی حرکتوں سے محظوظ بھی ہو رہے تھے۔

نشے میں مدہوش ہالگا نے اپنا لباس اتار دیا اور قدرتی حالت میں ناچنے لگی۔ اس لمحے معاً میری نظر نادیہ پر پڑی وہ ایک مرد کی رانوں پر بیٹھی ہوئی بیئر پی رہی تھی۔ یہ جگہ جیسے جنگل تھی۔ اس میں آدمی نہیں جیسے حیوان بھرے ہوئے تھے۔ حیوانوں جیسی حرکتیں ہو رہی تھیں۔ وہ شراب کے نشے میں دھت ہوش کھو بیٹھے تھے۔ ان کے حواس جیسے معطل ہو چکے تھے۔ یہ مہذب اور متمدن لوگ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھے تھے۔ کسی مرد نے عورت کو دبوچ رکھا تھا تو کوئی عورت مرد کو کسی وحشی کی طرح بھنبھوڑ رہی تھی۔ ایسے ایسے ہیجان خیز اور پراگندہ مناظر تھے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یوں تو ایک طرح سے دل کو گرما دینے والے مناظر تھے۔ جیسے کوئی ممنوعہ سی فلم چل رہی ہو لیکن اس کے باوجود میں اس جنگل سے نادیہ کو لے کر نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نادیہ کی طرف بڑھا تو نہ جانے کہاں سے ایک سولہ برس کی بھرپور اور سرو قد لڑکی آ نکلی اور اس نے میرے گلے میں اپنی عریاں بانہیں حمائل کر دیں۔ پھر اس پر جنون سوار ہو گیا۔ اس کی وارفتگی‘ والہانہ پن میں اتنی گرم جوشی آ گئی کہ میرے لئے اس سے اپنے آپ کو چھڑانا مشکل ہو گیا۔ وہ جونک بن گئی تھی۔ پھر میں نے اس کو بازوؤں کے شکنجے میں ایسا کسا کہ اس کی پسلیاں چیخ گئیں۔ اس کی سانس سینے میں گھٹنے لگی۔ پھر وہ میرے بازوؤں کی گرفت سے نکل کر ایک عورت کی طرف بڑھی جو کسی مرد کی تلاش میں تھی۔ اس عورت کے پاس جا کر اس کے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے چاک کر دیا۔ پھر وہ عورت اس کے کپڑے پھاڑنے لگی۔ پھر ان دونوں نے نشے کی حالت میں ایک دوسرے کو برہنہ کر دیا۔ ان کے جسموں پر لباس کی دھجیاں لٹک رہی تھیں۔ پھر وہ دونوں ہم آغوش ہو کر ایک دوسرے کو چومنے لگیں۔ میں آگے بڑھا تو نادیہ پھر ایک بار میری نظروں سے غائب ہو چکی تھی۔

میں اس کی تلاش میں کاریڈور میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص نے میرا راستہ روک لیا۔ وہ نشے میں دھت تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب سے بھرا گلاس تھا۔ اس

نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ مجھے شراب پلانا چاہتا تھا۔ میں نے متلاشی نظروں سے نادیہ کو اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس سے معذرت کی لیکن وہ باز نہیں آیا۔ اس نے شراب کا گلاس میرے منہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”ایک گھونٹ تو لے لو.........“ میں ایک گھونٹ لے کر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ دفعتاً ہال تاریکی میں ڈوب گیا۔ اس کے ساتھ ہی سینکڑوں خوفزدہ سی چیخیں سنائی دینے لگیں عورتیں کچھ زیادہ ہی شور مچا رہی تھیں جیسے ان کے ساتھ ناروا سلوک اور تشدد کیا جا رہا ہو۔ ان کی کراہیں ابھریں۔ میں تیزی سے اس کمرے کی طرف لپکا جہاں میں نے نادیہ کو آخری بار دیکھا تھا۔ میں بھیڑ کو چیرتا ہوا دس قدم آگے بڑھا ہوں گا کہ لائٹ آ گئی۔ پھر اس کے ساتھ ہی پورے ہال میں ایسی چیخیں ابھریں جیسے لوگوں نے کسی بدروح کو دیکھ لیا ہو۔ میں نے مڑ کر دیکھا جہاں میں دس منٹ پہلے موجود تھا وہاں لوگ دائرے کی شکل میں جمع ہو رہے تھے۔ دونوں بینجو نواز نہ جانے کیوں مجھے گھور رہے تھے۔ ہجوم کے درمیان فرش پر اس شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی جو مجھے شراب پلانے پر تلا ہوا تھا۔ میری آنکھیں حیرت اور خوف کی کیفیت میں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ میں لاش کے قریب گیا‘ پھر ایک اور شخص لپک کر لاش کا معائنہ کرنے لگا۔ دفعتاً کڑوے باداموں جیسی خوشبو محسوس کر کے میری پیشانی نہ صرف عرق آلود ہو گئی بلکہ میرے جسم سے پسینہ بہنے لگا۔ یہ ہرسک ایسڈ کی خوشبو تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے ہرسک ایسڈ جیسے سریع الاثر زہر میں بجھی ہوئی سوئی سے ہلاک کیا گیا ہے۔ اس زہر کی خاصیت یہ تھی کہ خون میں شامل ہوتے ہی آدمی کو فوراً ہی موت کی نیند سلا دیتا ہے اور پھر پانچ منٹ کے اندر اندر اس کے تمام اثرات زائل ہو جاتے ہیں اور کوئی ماہر سے ماہر ڈاکٹر بھی لاش میں زہر کے اثرات دریافت نہیں کر سکتا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر میری نگاہ ان دو بینجو نوازوں کی طرف اٹھ گئی جو مجھے مسلسل پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہال میں اندھیرا ہوتے ہی دراصل مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر میرے بروقت ہٹ جانے کی وجہ سے دوسرا آدمی زد میں آ گیا۔ جب میں نے دوبارہ ان بینجو نوازوں کی طرف دیکھا تو وہ گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ ہال میں ان کا وجود کہیں دکھائی نہیں دیا۔

دفعتاً بھگت لال میری نظروں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ سا تھا۔

"کیا تم نے ان قاتلوں کو میرے پیچھے لگایا تھا؟" میں نے اس سے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"احمقوں کی سی باتیں نہ کرو۔ تم نے کشمیر جا کر بہت بڑی غلطی کی.......... یہودی تمہیں خیام سمجھ بیٹھے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو اس کی اطلاع کر دی۔"

"اب تمہارا یہ کام ہے کہ میری نگرانی کرتے رہو.......... بصورت دیگر تم لوگوں کا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے یہ بات کہی اور آگے بڑھ گیا۔

"مگر یہ مت بھولو کہ میں اب بھی تمہاری زندگی بچا سکتا ہوں۔" بھگت لال نے دوستانہ انداز سے کہا۔

لیکن میں اس کی بات ان سنی کر کے رہ گیا۔ اب میرے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ کیوں کہ اب یہودی قاتل بھی میری تاک میں تھے۔ یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ ان کا پہلا وار ناکام رہا تھا۔ میں جیسے چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پھنس گیا تھا۔ معاً میری نگاہ نادیہ پر پڑی جو ایک گوشے میں ایک سولہ برس کے جرمن لڑکے کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ میں لپک کر اس کے پاس گیا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے باہر لے آیا۔ وہ کوئی احتجاج نہ کر سکی۔ باہر کی تازہ ہوا میں ہم نے سکون کا سانس لیا۔

"یہ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟" نادیہ نے گہرا سانس لیتے پوچھا۔

"لائٹ آف کر کے یہ حملہ مجھ پر کیا گیا تھا مگر کوئی اور اس کا نشانہ بن گیا۔" میں نے جواب دیا۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" نادیہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ہمیں جلد سے جلد بنگلور سے نکلنا ہے۔" میں نے اسے جواب دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت ہی خوبصورت اور نئے ماڈل کی گاڑی تھی جو دور ہی سے کسی نئی نویلی دلہن کی طرح دکھائی دی تھی۔ اس گاڑی کو دیکھ کر وہ متاثر ہوتے ہوئے بولی۔ "یہ لوگ بہت طاقتور ہیں جو خیام کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

میں بھی اپنے تئیں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میں شیروں کی کچھار میں داخل ہو رہا ہوں۔ پھر ہم دونوں اس گاڑی میں سوار ہو گئے جسے ایک باوردی شخص چلا رہا تھا۔ تھوڑی

دیر کے بعد دور ہی سے تقریباً چالیس فٹ لمبی کشتی نظر آ گئی۔ اس پر بین الاقوامی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہ کشتی دریا کے کنارے ایک ایسی جگہ لنگر انداز تھی کہ اس پر کوئی زیادہ توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ اس جھنڈے سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔

تنگ راستے پر چلتے ہوئے میں نے مڑ کر بندرگاہ کے قریب بنے ہوئے مکانوں کی طرف دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا جاں نثار دوست انور پاشا اس وقت کہیں آس پاس موجود ہو گا۔ دو ہٹے کٹے ملاح ڈیک پر کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر کرختگی تھی اور ٹی شرٹس پر سنہرے دھاگے سے کشتی کا نام وائٹ ڈیول لکھا ہوا تھا۔

"ہم بل مکرجی کے دوست ہیں اور بنگلور سے آئے ہیں۔" نادیہ نے قریب پہنچ کر جرمن زبان میں کہا۔

ان میں سے ایک ملاح سر ہلاتا ہوا کشتی میں کسی طرف غائب ہو گیا اور دوسرا بن مانس کی طرح راستہ روکے کھڑا رہا۔ میں عدم اعتماد کی سی فضا محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دوسرے آدمی نے آ کر بتایا کہ بل مکرجی تمہارا منتظر ہے۔ یہ نام بنگالیوں کے ہوتے تھے۔ کیا یہ شخص بنگالی ہے؟ ایک بات میری سمجھ میں آئی وہ یہ کہ اس شخص نے کسی وجہ سے شاید ہندوستانی نام رکھ لیا ہے۔

نادیہ دوڑتی ہوئی نیچے جانے والی سیڑھیوں میں غائب ہو گئی اور میں ہلکی رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔ پھر میں سیڑھیاں اترتا ہوا ایسے کمرے میں داخل ہوا جو قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ اس کمرے کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ کسی کشتی پر موجود ہے۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا ہوا تھا۔

"میں تمہیں وائٹ ڈیول پر خوش آمدید کہتا ہوں۔" ایک بھاری جرمن لب و لہجہ کی آواز سن کر میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ بل مکرجی تھا جو مخملی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کہیں سے بھی بنگالی نژاد معلوم نہیں ہوتا تھا۔ مضبوط جسم' دوہری ٹھوڑی اور جسم پر ملاحوں جیسا لباس' چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں' بڑی بڑی مونچھیں جن سے اس کے ہونٹ چھپ کر رہ گئے تھے۔ اس نے جب اٹھ کر مجھ سے مصافحہ کیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے۔ قریب سے دیکھنے پر اس کی پیشانی پر ایک زخم کا نشان بھی نظر آ رہا تھا جو سر کے سرخ بالوں میں چھپا

ہوا تھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے مجھے اپنی انگلیاں چٹختی ہوئی محسوس ہوئیں۔

بل مکرجی گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ نادیہ بھی اس سے متاثر نظر آ رہی تھی۔

”مسٹر مکرجی!“ نادیہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے بنگلور کے دوست نے بتایا کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔“

”یہ یقیناً.......... مم.......... میرے دوستوں کے.......... دو.......... دوست میرے دوست ہیں۔“ اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے اس کے لہجے اور چہرے سے اندازہ کر لیا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اگر مجھے خیام کی تلاش نہ ہوتی تو شاید میں اس شخص سے ملنا اور اس کے سامنے آنا بھی پسند نہیں کرتا۔

مکرجی نے تالی بجائی۔ اس کے فوراً بعد ہی وہ دونوں گوریلے جو ڈیک پر ملے تھے کمرے میں آ گئے۔ ایک ان میں ہمارے لئے شراب سرد کرنے لگا اور دوسرا سینے پر ہاتھ باندھے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ ہم تینوں خاموشی سے شراب پیتے رہے۔ دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ کشتی متحرک ہو گئی ہے۔

میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ میرے لہجے میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

”کشتی میں ہم لوگ سیر کرنے کے لئے بیٹھے ہیں.......... لہٰذا تمہیں بھی سیر کرا رہے ہیں۔“ اس نے ہکلا کر جواب دیا۔

وہ کشن سے ٹیک لگائے خالی گلاس سے کھیل رہا تھا۔ ہمارے اوپر چھت پر بھاری قدموں کی آواز اور جرمن اور ہندوستانی زبان میں چیخ چیخ کر باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر موٹر کے انجن کی آواز ابھری اور کشتی روانہ ہو گئی۔

”تم افغانستان میں کس یونٹ میں تھے میرے دوست!“ مکرجی نے اچانک ہی پوچھا۔

”میں کسی ایک یونٹ میں نہیں تھا.......... ویسے میں بہت عرصے تک ایک کیمپ میں رہا ہوں۔ نصیر گل کے کیمپ میں۔“ میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ اس وقت جھوٹ بولنے کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

”وہ سب میری ماتحتی میں تھے.......... میں ایک جرمن نومسلم کی حیثیت سے اس جنگ میں حصہ لینے افغانستان آیا تھا۔ میں اس کیمپ کا انچارج تھا۔ میرا اصلی نام آنسٹن

برونر ہے۔ مسلم نام شیخ عارف تھا۔ ہندوستان میں میں بل مکرجی ہوتا ہوں۔“ اس نے گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ ”اب تم صحیح ہاتھوں میں پہنچ چکے ہو۔ یہ کشتی زیادہ دوستوں کے لئے ہی ہوتی ہے۔ انہی کے استعمال کے لئے میں نے اس کی تزئین و آرائش بھی کی ہے۔“

جانے کیوں میں شراب پانی کی طرح پینے لگا۔ کشتی اب کنارے سے دور آ چکی تھی۔ لہروں سے کشتی ٹکرانے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میرے کان باہر اس شور پر لگے ہوئے تھے۔ میں نے اچانک شراب پینا موقوف کر دیا۔

”تم شراب نہیں پی رہے ہو کامریڈ!“ آنسٹن برونر نے تیز لہجے میں کہا۔ ”یہ سب سے عمدہ اور بے حد قیمتی شراب ہے۔“

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے.......... میں کبھی کشتی کے سفر کا عادی نہیں رہا ہوں۔ مجھے یہاں گھٹن سی محسوس ہو رہی ہے۔ میں باہر کھلی فضا میں جانا چاہتا ہوں تاکہ یہ گھٹن اور بے چینی دور ہو سکے۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ میں ایک بار پھر جال میں پھنس چکا ہوں اور یہ شخص آنسٹن برونر میرے ساتھ چوہے بلی کا کھیل، کھیل رہا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ عرشہ پر پہنچ کر پانی میں چھلانگ لگا دوں تاکہ اس جال سے نکل سکوں۔ میں جیسے ہی دروازے پر پہنچا گوریلا نما ملاح کچھ کہے بغیر میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اندر سے خوفزدہ ہو گیا۔ تاہم میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے اگر قے ہو گئی تو تمہارے قالین کا ستیاناس ہو جائے گا۔“ میں نے اس کی طرف اپنا رخ کر لیا۔

”نن.......... ناممکن..........“ آنسٹن برونر یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے۔ اس کے ہونٹوں پر خطرناک مسکراہٹ رینگنے لگی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے شراب میرے چہرے پر دے ماری۔ میں باہر کی طرف تیزی سے لپکا، لیکن دونوں گوریلوں نے مجھے پکڑ کر کمرے کی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ یہ دیکھ کر نادیہ کی خوبصورت آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ مگر وہ اپنی زبان سے ایک لفظ نہ نکال سکی۔ مورت بنی رہی، کر بھی کیا سکتی تھی۔

”تو تم ایک محب وطن جرمن ہو.......... ایس ایس کا سابق رکن جو یہودیوں سے

چھپنا چاہتا ہے۔'' اس نے مجھے قہرآلود نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''کک .... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''میں تمہاری بات کا مطلب سمجھ نہیں سکا ہوں۔ نادیہ نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ تم ہمارے ساتھیوں میں سے ہو۔'' میں نے کہا۔

اس کے جواب میں آلسٹن برونر کا وہ تھپڑ تھا جس نے مجھے دن میں تارے دکھا دیئے تھے۔ پھر وہ کرخت لہجے میں بولا تو ہکلاہٹ بالکل ہی نہ تھی۔ ''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس کیمپ کا انچارج تھا۔ میرے پاس اپنے تمام افسروں کی فہرست موجود ہے اور میں گزشتہ تین روز سے تمہارے بارے میں تحقیق کر رہا ہوں۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ تمہارا تعلق مجاہدین سے تھا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک اور تھپڑ مجھے رسید کر دیا۔ میرے ہونٹوں سے خون بہہ نکلا۔

''مسٹر برونر! اس کے بازو کے نیچے ستارے کا نشان موجود ہے جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ ہمارا ہی ساتھی ہے۔'' نادیہ نے ہمت کر کے مدھم لہجے میں کہا۔ ''تم اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بے وقوف عورت۔'' آلسٹن برونر نے غراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔''

نادیہ نے میری حمایت میں مزید کچھ کہنا چاہا مگر برونر نے آگے بڑھ کر اس کے بال مٹھی میں جکڑ لئے اور دوسرے ہاتھ کا گھونسہ اس کے پیٹ پر رسید کر دیا۔ نادیہ کراہتی ہوئی فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ برونر نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر اسے مزید دو تین ٹھوکریں لگائیں۔ میں بے بس نہ ہوتا تو اس خبیث کو ضرور مزا چکھا دیتا۔

پھر وہ میری طرف گھوم گیا۔ ''اب تم مجھے سچ سچ بتاؤ کہ .... تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ اگر تم نے سیدھی طرح زبان نہیں کھولی تو پھر مجھے دوسرا طریقہ استعمال کرنا ہو گا۔'' اس نے تڑختے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اگر تم مجھے قتل کرنے پر تلے ہو تو یہ حسرت بھی پوری کر لو۔'' میں نے ہونٹوں سے خون صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

''بکو مت۔'' وہ چیخا۔ ''اس کشتی پر لوگ میری مرضی اور میرے بتائے ہوئے طریقوں پر ہی مرتے ہیں۔ اب بتاؤ .... تم نے اپنے جسم پر ستارے کا نشان کیوں

گدوایا تھا؟''

''میری بے ہوشی کے دوران کسی نے گود دیا تھا تاکہ مجھے سابق مجاہد کی حیثیت سے پیش کیا جا سکے۔'' میں نے کہا۔

''پھر تم جھوٹ بول رہے ہو۔ بکواس کر رہے ہو۔ تم سچ بتانے کو تیار ہو یا نہیں؟'' برونر دھاڑا۔ پھر اس نے ساتھ ہی میرے منہ پر گھونسہ رسید کر دیا۔ یہ گھونسہ پہلے گھونسے سے بھی کاری تھا۔

میں برداشت نہ کر سکا۔ مجھے قے ہو گئی۔

''گندے .... حرامی .... بتاؤ .... تم خیام کی تلاش میں کیوں ہو؟'' برونر ہیجانی لہجے میں چیخا۔

میں چند لمحوں تک خاموش رہا۔ مجھے اپنی نظروں کے سامنے فرشتۂ اجل کھڑا مسکراتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب میں موت کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا ہوں۔ مجھے ہر صورت میں قتل کیا جائے گا۔ اس طرح خاموشی اختیار کیوں کی جائے۔

میں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ میں نے پھر اندھیرے میں ایک تیر چلایا۔ ''میں سی آئی اے ایجنٹ ہوں۔''

''سی آئی اے .... ہمارا سی آئی اے سے کیا اختلاف ہو سکتا ہے۔'' آلسٹن برونر نے حیرت کا اظہار کیا۔

''سی آئی اے کو مجھ سے ایک خاص دلچسپی ہے۔ اسی لئے میں کسی اور ہی مشن پر ہوں۔'' میں نے کہا۔

''مگر مجھے تو تم سے دلچسپی ہے گندے .... حرامی یہودی .... سارے یہودی ناجائز اولاد ہوتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے حقارت سے میرے منہ پر تھوک دیا۔ ''کوئی یہودی اپنے باپ کا نام نہیں بتا سکتا ہے۔''

''تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے .... میں یہودی نہیں ہوں۔'' میں نے تکرار کی۔ میں نے ابھی ہمت نہیں ہاری تھی۔

میں نے یہ کہہ کر نادیہ کی طرف گردن گھما کر دیکھا جو قالین پر بے حس و حرکت پڑی بڑی مشکل سے سانس لے رہی تھی۔

''اس کے کپڑے اتار دو......'' برونر نے ایک گوریلے کو اشارہ کیا۔ ''اس کو

برہنہ کر دو۔"

وہ مجھ پر اس طرح جھپٹ پڑا جیسے پہلے ہی سے حکم کا منتظر ہو۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے مجھے برہنہ کر دیا۔

"تم یہودی تو معلوم نہیں ہوتے .... لیکن کس چکر میں ہو۔" اس نے میرے جسم کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تم مجھ سے بہت کچھ چھپا رہے ہو .... تم بہت سخت جان اور ڈھیٹ آدمی ہو۔"

"میں تم سے کوئی بات نہیں چھپا رہا ہوں۔ میں صرف ایس بی خیام کی تلاش میں ہوں۔" میں نے اسے بتایا۔

"وہ کس لئے؟" اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"اس لئے کہ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔" میں نے بے خوفی سے سخت لہجے میں جواب دیا۔

مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اس جواب کے ساتھ ہی میرے منہ پر گھونسہ پڑے گا لیکن اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

"ہم اس وقت بندرگاہ سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ میں تم سے سچ اگلوانے کے لئے ایک اور طریقہ سوچ رہا ہوں۔ شاید تم نے کبھی باتھنگ تکنیک کے بارے میں سنا ہو گا۔" بروزر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ میں نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ویسے میں جانتا تھا کہ سزا کا یہ اذیت ناک طریقہ گسٹاپو والے استعمال کرتے تھے۔ شکار کو صابن والے پانی میں الٹا لٹکا دیا جاتا تھا جب تک اس کا دم گھٹنے نہ لگے۔ ایک فلم میں میں یہ طریقہ دیکھ چکا تھا۔

بروزر کے اشارے پر ایک گوریلے نے دیوار پر ٹنگی ہوئی رسی اتاری اور میرے ہاتھ پشت پر باندھ کر مجھے سیڑھیوں کی طرف دھکے دینے لگا جیسے میں کوئی جنگی مجرم ہوں۔ قیدی ہوں۔

☆=====☆=====☆

میں نے انور پاشا کو بنگلور پہنچ کر ٹیلی فون پر اسے بہت کچھ لیکن مختصر طور پر بتا دیا تھا۔

وہ ایک پیٹرول پمپ کے قریب کھڑا ہوا وائٹ ڈیول کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اس کشتی پر پہنچ کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس وقت اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ

رہا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ دفعتاً آہنی زنجیروں کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ کشتی کا لنگر اٹھایا جا رہا تھا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کا دوست خطرے میں ہے اور اسے فوراً اس کی مدد کو پہنچنا چاہئے۔ وہ اب بھی یہ سوچ رہا تھا کہ وہ تختہ اٹھا لیا گیا۔ جس کے ذریعے ڈیک سے کشتی پر پہنچا جا سکتا تھا۔ اب کشتی پر پہنچنا ممکن نہیں تھا اور پھر وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ کشتی حرکت میں آ چکی تھی۔ وہ دور کھڑا بے بس نظروں سے ساحل سے دور ہٹتی ہوئی کشتی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک سی کوند رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

وائٹ ڈیول بندرگاہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھی۔ آسمان پر بادلوں کے چند ٹکڑے تیر رہے تھے۔ بروزر دوربین آنکھوں سے لگائے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ تاحدِ نظر اسے کوئی کشتی، لانچ یا موٹر بوٹ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو مخصوص اشارہ کیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میں اس وقت اس طرح کانپ رہا تھا جیسے مجھے شدید سردی لگ رہی ہو۔ ٹھوکروں اور گھونسوں سے میرا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔ پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کا دوران خون رک چکا تھا۔ میرا چہرہ خوف کی زردی لئے ہوئے تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کشتی کے بارے میں کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ یہ نازیوں کا ایک اہم مرکز ہے۔

"میں تمہارا فیصلہ آج ہی کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ کل ہمیں اور بھی بہت سے کام نمٹانے ہیں۔" بروزر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک ملاح نے میرے دونوں پیر رسی سے باندھ کر رسی کو لوہے کے ایک بہت بڑے ٹکڑے سے باندھ دیا۔ پھر میرے ہاتھ کھول کر مجھے اس طرف دھکیلنے لگے۔ دو آدمی لوہے کا ٹکڑا اٹھائے ہوئے تھے۔

"تمہیں اس بوجھ کے ساتھ پانی میں لٹکا دیا جائے گا اور یہ دیکھنا ہے کہ تم کتنی دیر تک پانی میں رہ سکتے ہو۔ بہرحال میں تمہیں دو منٹ کی مہلت دوں گا .... تم اپنا عمل شروع کر دو۔"

بروزر نے آخری الفاظ گوریلا نما ملاح سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ اشارہ ملتے ہی ایک گوریلے نے مجھے اٹھا کر عرشے کی ریلنگ سے باہر لٹکا دیا اور رسی ڈھیلی چھوڑنے لگا۔ لوہے

کا وزنی ٹکڑا میرے پیروں سے بندھا ہوا تھا جس کی وجہ سے میری ہڈیاں تک کھنچی جا رہی تھیں۔ پانی میں ڈوب مرنے کا تصور ہی اذیت ناک تھا۔ مکمل طور پر پانی میں غائب ہونے سے پہلے میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے دل ہی دل میں سیکنڈ گننا شروع کئے۔ آٹھویں سیکنڈ پر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اگر میں نے سانس نہیں لی تو میرے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے۔ جب میری قوت برداشت جواب دے گئی تو میں نے منہ کھول دیا۔ پانی میں ہوا کا ایک بلبلہ سا بنا اور نمکین پانی میرے حلق میں اتر کے سینے کو چیرتا ہوا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

میں نے گہری غشی کی حالت میں برونز کی آواز سنی۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ میرے قریب کھڑا مجھ پر نگاہ ڈالتے ہوئے غرا رہا ہے۔ "اسے ہوش میں لاؤ .... پانی سے نکالنے کے بعد اسے ابھی تک ہوش کیوں نہیں آیا؟"

اس کی آواز سے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا پارہ چڑھتا جا رہا ہے۔ وہ جلد سے جلد مجھ سے حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ اسے شاید میری سی آئی اے والی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔ اسے اس بات کا بھی خوف و خدشہ تھا کہ اگر میں ہوش میں آئے بغیر مر گیا تو اسے اپنی تنظیم میں بہت ساری تبدیلیاں کرنا پڑیں گی۔ اس کا گوریلا ملاح مجھے ہوش میں لانے کے لئے مجھ پر مصنوعی سانس کا عمل دہرا رہا تھا۔ میرے جسم میں کچھ دیر بعد حرکت سی ہوئی تو کسی نے میرے حلق میں رم انڈیل دی تھی۔ میں نے ایک دم سے الٹی کر دی۔ اس کے بعد مجھے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ جب میری حالت قدرے سنبھلی تو برونز میرے پاس کسی ڈاکٹر کی طرح بیٹھ گیا۔

"مجھے علم نہیں تھا کہ تم اتنی کمزور قوت برداشت کے مالک ہو۔ اگلی مرتبہ میں تمہیں صرف ایک یا ڈیڑھ منٹ کے لئے پانی میں اتاروں گا کیونکہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔" اس نے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

میں نے صرف سر ہلا دیا۔ میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں تھی کہ یہ مردود دوبارہ اس خوفناک تجربے کو دہرائے۔ میں کسی نہ کسی طرح وقت گزارنا چاہتا تھا تاکہ انور پاشا یہاں پہنچ سکے۔

"میں تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں لیکن تم کو مایوسی ہوگی۔ میں خیام کو اس لئے تلاش کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ لوگ خیام سمجھ کر ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔" پھر میں نے اسے

روسی ایجنٹوں کا سارا منصوبہ بتایا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔ "اگر اسرائیلی میرے تعاقب میں ہوئے تو تمہیں میرے قتل سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔"

برونز قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ "تم میرے نفع نقصان کی فکر نہ کرو۔ دو دن میں وائٹ ڈیول یہاں سے بہت دور جا چکی ہوگی اور دنیا کو تمہارا نام و نشان تک نہ مل سکے گا۔ تم جو کچھ بتا چکے ہو اس کے بعد تمہارا زندہ رہنا ہمارے لئے انتہائی خطرناک ہوگا۔"

"نادیہ کا کیا ہوگا؟ تم اسے قتل نہیں کر سکتے .... وہ تمہاری ہی ساتھی ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بے وقوف لڑکی ہے اور میرے لئے حماقتیں ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ تمہیں یہاں تک پہنچانے کی ذمے دار وہ خود ہی ہے۔ تم اس لڑکی کو یہاں لے آؤ۔" اس نے آخری جملہ گوریلے ملاح کو مخاطب کر کے کہا۔

حکم ملتے ہی وہ گوریلا نما انسان چند لمحوں کے بعد بے ہوش نادیہ کو کندھے پر اٹھا لایا۔ پھر اس نے نادیہ کو عرشے پر اس طرح پھینک دیا جیسے وہ بے جان شے ہو۔ پھر وہ ایک لکڑی کے بڑے ٹب کو دریا کے پانی سے بھرنے لگا۔ برونز ایک موٹا سا سگار سلگائے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے سوچ رہا تھا کہ ہم دونوں میں سے پہلے کون مرے گا؟ میں یا نادیہ۔ اس وقت نادیہ ہوش میں آ گئی۔ اس نے کراہتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس گوریلے ملاح کے بھاری بوٹ کی ایک ہی ٹھوکر نے اسے پھر سے بے حس و حرکت کر دیا۔ ٹب آدھے سے زیادہ بھر چکا تھا۔ نادیہ اس وقت ہوش میں آ رہی تھی۔ جب برونز کی ہدایت پر گوریلا ملاح اسے اٹھا کر ٹب کی طرف بڑھا۔ پھر نادیہ کو کمر سے تھام کر اس کا سر کندھوں تک ڈبو دیا۔ میں بے بسی سے یہ خوفناک منظر دیکھ رہا تھا۔ چند سیکنڈ تک کچھ نہ ہوا لیکن پھر نادیہ میری طرح ہاتھ پیر مارنے لگی۔ کیونکہ اس گوریلا ملاح کی گرفت مضبوط تھی۔ اس کے بال جال کی طرح پانی پر پھیلے ہوئے تھے اور اس کا جسم مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ پھر دفعتاً پانی میں چند بلبلے اٹھے اور اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ وہ گوریلا ملاح اب بھی اس پر دباؤ ڈالے ہوئے تھا۔ پھر وہ برونز کی ہدایت پر نادیہ کو چھوڑ کر سیدھا ہو گیا۔ نادیہ کا جسم پانی میں پھیل گیا۔ وہ مر چکی تھی۔

"اسے اٹھا کر سمندر میں پھینک دو۔" برونز کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

اس گوریلے ملاح نے نادیہ کی لاش کو کمر سے پکڑ کر ٹب سے نکال لیا۔ نادیہ کی

آنکھیں پھٹی ہوئی اور منہ کھلا ہوا تھا۔ اس ظالم نے نادیہ کو اس طرح ہوا میں اچھال دیا جیسے وہ کوئی ناگوار بوجھ پھینک رہا ہو۔ پانی میں چھپاکے کی آواز آئی اور پھر چند ثانیوں کے بعد نادیہ کی لاش غائب ہو گئی۔

"شاید اب میری باری ہے۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا۔ نادیہ کی اس حیرت ناک موت سے میرے دل کو گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ برونر اور اس کے آدمی اس قدر ظالم، بے رحم، سنگ دل اور سفاک ہیں۔

"نہیں دریا میں تیرتی ہوئی دو لاشیں پولیس کو متوجہ کر سکتی ہیں۔ میں تمہیں ایسی موت ماروں گا کہ دیکھنے والے اسے خودکشی کا کیس سمجھیں گے۔" برونر نے سگار کا کش لیتے ہوئے کہا۔

وائٹ ڈیول کا رخ موڑ دیا گیا۔ اب وہ دوبارہ ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں ویران نگاہوں سے دریا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نادیہ کی موت کے صدمے نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے باندھ کر نچلے کمرے میں لایا گیا۔ بندرگاہ پر پہنچ کر کشتی کے لنگر دوبارہ گرا دیئے گئے۔ میں پوری قوت صرف کر کے گرہیں ڈھیلی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے ہاتھوں کو اس مضبوطی سے باندھا گیا تھا کہ ہر کوشش ناکام رہی۔ عرشے پر لوگوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن کمرے میں کوئی نہیں آیا۔ میرے لئے وقت کا احساس مٹ گیا تھا۔ دن کا اجالا شام کے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ جیسے کشتی کے عملے کے افراد ساحل پر جا رہے ہوں، لیکن ساحل پر یہ کوئی جان نہیں سکے گا کہ یہ شقی القلب ایک عورت کو مار چکے ہیں اور دوسرے کے قتل کی تیاری میں مصروف ہیں۔ انور پاشا میری آخری امید اور اندھیرے میں کرن تھا لیکن میں یہ بات جانتا تھا کہ انور پاشا اس کشتی پر دھاوا نہیں بول سکتا۔ یہی سوچتے ہوئے مجھے غنودگی سی آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد کھٹکے کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں روشنی تھی۔ برونر اور گوریلا ملاح میرے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ برونر کے منہ میں سگار دبا ہوا تھا اور گوریلا ملاح آکسیجن کے دو چھوٹے چھوٹے سلنڈر اور ایک ماسک اٹھائے ہوئے تھا۔ اس دوران دوسرا گوریلا وہاں آیا اور اس نے مجھے کھڑا کر دیا۔ پھر چاقو سے رسیاں کاٹ کر میری کلائیاں سہلانے لگا۔ اس دوران پہلا گوریلا ملاح مجھے ریوالور کی زد میں لئے کھڑا رہا۔

"میں خیام کو تمہارے بارے میں بتا دوں گا۔" برونر نے سگار کا کش لگاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

پہلے والے گوریلا ملاح نے جس کا نام گاتھر تھا اس نے میرے ہاتھ دوبارہ ایک ٹیپ سے باندھ دیئے اور پھر مجھے کندھے پر لاد کر عرشہ پر آیا۔ عرشہ سنسان پڑا تھا۔ مجھے بندرگاہ کی پارکنگ پر میری گاڑی نظر آئی۔ گاتھر مجھے کندھے پر لادے پارکنگ پر پہنچ گیا اور مجھے گاڑی کے فرش پر ڈال کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ دوسرے گوریلے نے سیٹ پر بیٹھ کر پیر میرے جسم پر رکھ دیئے۔ گاڑی پارکنگ سے نکل کر ہوٹل ڈی پیرس سے ہوتی ہوئی شیواجی نگر کی طرف روانہ ہو گئی۔ سڑک سنسان تھی اور رفتار بہت تیز تھی۔ میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ یہ میرا آخری سفر ہے۔

☆======☆======☆

انور پاشا کار پارکنگ کے پاس بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ مشرق سے چلنے والی سرد ہوا ہڈیوں کے گودے تک میں اتری جا رہی تھی۔ وائٹ ڈیول کو بندرگاہ پر واپس آئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا لیکن اب اسے میرا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ اپنے بدن کو حرارت پہنچانے کے لئے ہر پندرہ منٹ کے بعد ایک قریبی ریسٹورنٹ میں جا کر گرم گرم کافی کا ایک کپ پی لیتا۔ آٹھ بجے وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وائٹ ڈیول پر ہلہ بول دینا چاہئے۔ اس نیت سے وہ چند قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ کشتی کے عرشے پر ایک آدمی کو دیکھ کر وہ ایک گاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔ وہ آدمی تیزی سے دوڑتا ہوا کار پارکنگ میں آیا اور ایک گاڑی کو اسٹارٹ کر کے پارکنگ کے آخری سرے پر ڈاک کے قریب تر لے گیا۔ گاڑی وہاں چھوڑ کر وہ دوبارہ دوڑتا ہوا کشتی پر چلا گیا۔ انور پاشا نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک مرسڈیز کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ دروازہ مقفل تھا۔ اسے ناکامی نہیں ہوئی۔ ڈیش بورڈ کے نیچے ہاتھ ڈال کر اس نے چند تاریں باہر کھینچیں اور دو تاروں کو آپس میں جوڑ کر اسٹارٹر دبا دیا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے ٹینکی بھری ہوئی تھی۔ وہ گاڑی کو پارکنگ پلاٹ سے تقریباً دو سو گز دور لے گیا لیکن انجن اسٹارٹ رکھا اور دوسری گاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاج گاڑی پارکنگ سے نکل کر اس تنگ سی پٹی پر دوڑنے لگی جو دریا کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ اس طرف تفریحی کیمپ بنے ہوئے تھے لیکن سردی کے اس موسم میں

کیمپ اور تمام بنگلے ویران پڑے ہوئے تھے۔ اس کیمپ سے آگے نکل کر ڈاج ایک ویران جگہ رک گئی۔ گاتھر انجن بند کر کے نیچے اتر آیا اور اپنے ساتھی کی مدد سے میری رسیاں کھولے بغیر مجھے اسٹیئرنگ پر بٹھا دیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ دوسرا گوریلا گاڑی کے نیچے گھس گیا۔ گاتھر نے آکسیجن سلنڈر کمر پر باندھے اور چہرے پر ماسک فٹ کرنے لگا۔ پھر ہاتھوں پر دستانے چڑھا کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور دروازے بند کر کے شیشے چڑھانے لگا۔ دوسرا گوریلا گاڑی کے نیچے سے نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں ربڑ کا پائپ تھا جس کا ایک سرا گاڑی کے نیچے تھا اور دوسرا سرا وہ گاڑی کا شیشہ کھول کر اس طرح فٹ کرنے لگا کہ اس کا رخ میرے منہ کی طرف تھا۔ اب مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ گاڑی کو مکمل طور پر گیس چیمبر میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ دوسرا گوریلا دروازے کے شیشے پر انگلی سے دستک دینے کے بعد تاریکی میں غائب ہو گیا۔ وہ شاید راستے کی نگرانی کرنا چاہتا تھا۔

گاتھر نے انجن اسٹارٹ کر کے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ ربڑ کے پائپ سے نکلنے والا گرم دھواں میرے چہرے سے ٹکرانے لگا۔ گاتھر نے اپنے گیس ماسک کا جائزہ لیا اور ایکسیلیٹر کو فرش تک دبا دیا۔ تین منٹ گزر گئے۔ انجن پوری رفتار سے چلتا رہا اور پائپ سے نکلنے والا دھواں براہ راست میرے چہرے سے ٹکراتا رہا۔

انور پاشا دوسرے گوریلے سے تقریباً دو گز کے فاصلے پر زمین سے چپکا ہوا تھا۔ اب وقت ضائع کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ اس نے آستین میں چھپا ہوا تار نکالا اور اس گوریلے کی طرف رینگنے لگا۔ گوریلا اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اسے پتا تو اس وقت چلا جب انور پاشا نے اسے قابو کر لیا۔ وہ انور پاشا کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا اور انور پاشا باریک فولادی تار اس کی گردن میں لپیٹنے کے چکر میں تھا۔ بالآخر وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور تار اس کے گلے میں لپیٹ کر پوری قوت سے بل دینے لگا۔ گوریلے کی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں رقص کرنے لگیں۔ سانس گھٹنے لگا۔ اس کی قوت مدافعت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ بالآخر اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں اور جسم ساکت ہو گیا۔

انور پاشا کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے تو وہ اس کے اوپر سے ہٹ گیا اور رینگتا ہوا مختصر سا چکر کاٹ کر گاڑی کی طرف اس سمت بڑھنے لگا جس طرف میں

بیٹھا ہوا تھا۔ اس ساری جدوجہد میں صرف تیس سیکنڈ صرف ہوئے تھے۔ گاتھر کے لئے یہ سب کچھ غیر متوقع تھا۔ جب اس نے دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ انور پاشا نے اسے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور انتہائی پھرتی سے تار اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا۔ گاتھر گیس ماسک اور آکسیجن سلنڈروں کی وجہ سے زیادہ جدوجہد بھی نہیں کر سکا تھا۔ وہ یہ اطمینان کئے بغیر کہ گاتھر زندہ ہے یا مر گیا انور پاشا اسے چھوڑ کر گاڑی کی طرف لپکا۔ میں سیٹ پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ انور پاشا نے انجن بند کر دیا اور مجھے گھسیٹ کر تازہ ہوا میں لٹا دیا اور دوبارہ گاتھر کی طرف لپکا جس کے جسم میں حرکت پیدا ہو رہی تھی۔ اس نے اس مرتبہ تار کو اس وقت تک ڈھیلا نہیں چھوڑا جب تک گاتھر کا دم نہیں نکل گیا۔ مجھے بعد میں اس کی اذیت ناک موت سے بہت خوشی ہوئی تھی۔ نادیہ کی موت کا بدلہ انور پاشا نے لے لیا تھا۔

میرا چہرہ آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس نے میری قمیص کے بٹن کھول دیئے اور مجھ پر جھک کر میرا چہرہ تھپتھپانے لگا۔

مجھے کوئی دس منٹ کے بعد ہوش آ سکا۔ حواس ٹھکانے آتے ہی میں اٹھ بیٹھا۔

”ہمیں جلد سے جلد وائٹ ڈیول پر واپس پہنچنا چاہئے۔ برونر کو پتا ہے کہ خیام کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس وقت وہ کشتی پر اکیلا ہی ہے۔“ میں نے کمزور آواز میں کہا۔

لیکن اس وقت مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر بیٹھ سکوں۔ انور پاشا نے مجھے سہارا دے کر مرسڈیز کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور پھر گاڑی کو ساحل کی طرف برق رفتاری سے دوڑا دیا۔

وائٹ ڈیول پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آس پاس کوئی محافظ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں یہاں پہنچنے تک پوری طرح سنبھل چکا تھا لیکن گاڑی سے کشتی تک پہنچتے ہوئے مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ نچلے کمرے کے دروازے سے روشنی کی معمولی کرن نظر آ رہی تھی۔ انور پاشا نے جیب سے ریوالور نکالا اور اسے لوڈ کرنے لگا۔ کلک کی ہلکی سی آواز بھی بادلوں کی طرح سناٹے میں گونج گئی تھی۔ ہم دونوں سیڑھیاں اتر کے نیچے جانے لگے۔ انور پاشا آگے تھا اور میں اس کے پیچھے۔ ابھی ہم آدھے راستے میں تھے کہ برونر کی آواز سنائی دی۔ وہ گاتھر کو پکار رہا تھا۔ انور پاشا چھلانگ لگا کر نیچے پہنچ گیا۔ اس نے دھماکے سے دروازہ کھولا اور برونر کو

ریوالور کی زد میں لے لیا جو سامنے ہی مخملی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

برونز کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ انور پاشا پر چھلانگ لگانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ جیسے ہی حرکت کرے گا انور پاشا گولی چلا دے گا اور کھیل ختم ہو جائے گا پھر میں خیام کے سلسلے میں تاریکی میں ڈوب جاؤں گا۔

"تم بے فکر رہو......... میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

برونز اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایش ٹرے سے سگار اٹھا لیا۔

"وہ دونوں احمق کہاں ہیں؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"وہ دونوں جہنم رسید ہو چکے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں ایسی جگہ کھڑا ہو گیا کہ اس کے اور انور پاشا کے درمیان حائل تھا۔

"مجھے قتل کرنے کے بعد تمہیں دنیا کے کسی بھی گوشے میں پناہ نہیں مل سکے گی۔" برونز نے غراتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک رسی اٹھالی۔ ایک صوفے کے کشن کے نیچے سے مجھے ایک ریوالور بھی مل گیا جو لوڈ تھا۔ میں نے انور پاشا کو ہدایت دی کہ وہ برونز کو باندھ دے۔ انور پاشا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ریوالور کے دستے سے ضرب لگائی۔ وہ بے ہوش تو نہیں ہوا مگر انور پاشا نے اسے باندھ کر صوفے سے نیچے پھینک دیا۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ایس پی خیام کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔ برونز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر اپنا سوال دہرایا لیکن اس مرتبہ بھی اس نے اپنی زبان بند رکھی۔

"اس کی زبان کھلواؤ انور پاشا!" میں نے کہا۔

انور پاشا پہلے ہی تیار تھا۔ وہ کمرے سے نکل گیا۔ چند لمحوں کے بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بے رنگ سیال سے بھری ہوئی بوتل تھی۔ اس نے ٹھوکر مار کر برونز کو سیدھا کیا اور اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ناک دبانے لگا۔ چند سیکنڈ بعد جب اس نے سانس لینے کے لئے منہ کھولا تو انور پاشا نے چند قطرے اس کے حلق میں انڈیل دیئے۔

چند مرتبہ ایسا کرنے کے بعد برونز چیخا۔ "کتیا کے بچے! تم مجھے ختم کر رہے ہو۔ میں مر رہا ہوں۔"

میرے پوچھنے پر انور پاشا نے بتایا کہ بوتل میں پٹرول ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بوتل برونز کے سر پر انڈیل دی۔ اس کا چہرہ بھی تر ہو گیا۔ انور پاشا نے بوتل ایک طرف پھینک دی اور جیب سے ماچس نکالی۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے.........!" برونز دہشت زدہ ہو کر چیخا۔

انور پاشا نے اطمینان سے تیلی جلا کر اس کے سر پر پھینک دی۔ کمرہ برونز کی چیخوں سے گونج اٹھا۔ اس کا سر شعلوں میں لپٹا ہوا تھا۔ چند سیکنڈ بعد انور پاشا نے صوفے کا کشن اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دیا۔ آگ بجھ گئی لیکن برونز کے بال' بھویں اور مونچھیں غائب ہو چکی تھی۔ چہرے کی کھال جھلس گئی تھی اور وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔

"اب بھی زبان کھولو گے یا نہیں؟" انور پاشا غرایا۔

برونز دائیں سے بائیں سر ہلانے لگا۔ انور پاشا نے ایک اور تیلی نکال لی۔ "اس مرتبہ جلتی ہوئی تیلی تمہارے حلق میں پھینکوں گا اور تمہیں جلتا چھوڑ کر ہم چلے جائیں گے۔" وہ برونز کی طرف جھکتا ہوا بولا۔

کوئی جواب نہ پا کر انور پاشا نے تیلی جلائی اور اس کا منہ کھلوانے کے لئے ناک دبانے لگا۔

"رک جاؤ پاشا! یہ غیر انسانی سلوک ہمیں زیب نہیں دیتا۔"

میں یہ کہتا ہوا اٹھ گیا لیکن مجھے چکر آ گیا۔ میں گرنے کے قریب تھا کہ انور پاشا نے جلتی ہوئی تیلی پھینک کر مجھے تھام لیا اور کندھے پر اٹھا کر عرشے پر لے آیا۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔ وہ مجھے عرشے پر لٹا کر دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ برونز بری طرح کراہ رہا تھا۔ اس کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔

"اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں دو لاکھ امریکی ڈالر دوں گا۔" اس نے کراہتے ہوئے پیشکش کی۔

اگر چند برس پہلے کسی کی طرف سے یہ پیشکش ہوتی تو وہ بالکل قبول کر لیتا لیکن اس وقت انور پاشا مجھ سے غداری کرنا نہیں چاہتا تھا۔ "نہیں......... البتہ یہ بتاؤ کہ ہمیں جس آدمی کی تلاش ہے وہ کہاں ہے؟" انور پاشا نے پوچھا۔

برونز نے نفرت سے اس کے چہرے پر تھوک دیا۔ انور پاشا نے خاموشی سے ایک اور تیلی جلائی اور اس کے چہرے کے قریب لے آیا۔ اس کی گردن ابھی تک پٹرول سے

تر تھی جس نے فوراً ہی آگ پکڑلی۔ اس نے چیخنے کے لئے منہ کھولا۔ شعلے اس کے منہ کی طرف لپکے اور اسے ایسے محسوس ہوا جیسے حلق اور پیٹ میں انگارے بھر گئے ہوں۔ اس کی چیخیں آسمان کی خبریں لانے لگیں۔ وہ فرش پر لوٹنے لگا۔ بالآخر وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ گوشت جلنے کی بُو کمرے میں پھیل رہی تھی۔ آنکھیں جل چکی تھیں۔ چہرے کا گوشت لٹک گیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کب کا ختم ہو گیا ہوتا مگر وہ زبردست قوت برداشت کا مالک اور سخت جان ثابت ہوا تھا۔ وہ انور پاشا کی طرف بڑھا۔

انور پاشا نے اطمینان سے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی برودز کے پیٹ میں لگی۔ برودز کے جسم کو جھٹکا سا لگا جلتے ہوئے حلق سے کراہ نکلی۔ مگر وہ آگے بڑھتا رہا۔ اس کا رخ اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف تھا۔ انور پاشا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے برودز کو گردن سے پکڑ کر روکنا چاہا لیکن برودز نے اسے ایک جھٹکے سے نیچے گرا دیا۔ پھر وہ بدستور میڑھیاں چڑھتا رہا۔ انور پاشا ریوالور سنبھالے اس کے پیچھے لپکا۔ برودز عرشے پر پہنچ چکا تھا۔ اس وقت تک مجھے ہوش آ چکا تھا۔ میں برودز کا حشر دیکھ کر لرز اٹھا۔ انور پاشا ریوالور سیدھا کر رہا تھا۔ مگر میں نے اسے روک دیا۔ کیونکہ فائر کی آواز بندرگاہ تک سنی جا سکتی تھی۔ برودز اب ڈاک کی طرف بڑھ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اس حالت میں بندرگاہ تک پہنچ گیا تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ انور پاشا نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ مگر برودز نے اسے اچھال دیا۔ انور پاشا دوبارہ اس کی گردن تار کے حلقے میں لپیٹنے کی کوشش کرنے لگا مگر کامیاب نہ ہوا اور برودز آگے بڑھتا رہا۔ انور پاشا نے خنجر نکال لیا۔ برودز عرشے کے ریلنگ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ انور پاشا نے اچانک آگے بڑھ کر خنجر اس کے پیٹ میں اتار دیا۔ برودز کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ دوہرا ہو گیا اور پھر سیدھا ہو کر انور پاشا کی طرف بڑھا۔

"ناممکن .... یہ ناممکن ہے........." انور پاشا خوفزدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

برودز خون میں لت پت حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہوا بدستور اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انور پاشا نے ریوالور نکال لیا اور کسی قسم کی پرواہ کئے بغیر اس کے سر پر فائر کر دیا۔ مگر گولی اس کے جبڑے پر لگی اور خون کی ایک اور دھار نکلی لیکن وہ اب بھی قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ انور پاشا دوسرا فائر کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ دفعتاً اس کے دل میں برودز کے لئے عجیب سے جذبات ابھر آئے۔ اس نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کا ہاتھ

تھام لیا۔ اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے برودز نے اسے جھٹک دینا چاہا مگر اب اس کی طاقت زائل ہو چکی تھی۔ دفعتاً اس کے حلق سے غرغراہٹ نکلی۔ جسم تھرتھرایا۔ پھر وہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔ بالآخر وہ ختم ہو گیا۔ کئی لمحات خاموشی میں بیت گئے۔

"انتظار کرو .... میں ابھی آ رہا ہوں۔" میں یہ کہتا ہوا نیچے چلا گیا۔ کیبن کے کمرے میں میز کی تلاشی کے دوران مجھے وہ چیز مل گئی جس کی تلاش تھی۔ وائٹ ڈیول پر بین الاقوامی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مگر کاغذات سے بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ میں یہ سراغ پاتے ہی عرشے کی طرف دوڑا۔

اس دوران انور پاشا' برودز کی لاش اور پوری کشتی پر پیٹرول چھڑک چکا تھا۔ کشتی سے اترنے سے پہلے اس نے ماچس کی تیلی جلا کر پیٹرول پر پھینکی اور ڈاک پر چھلانگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وائٹ ڈیول شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی۔ جس وقت ہم گاڑی میں سوار ہو کر اس علاقے سے باہر نکل رہے تھے اس وقت تک فائر بریگیڈ کی پہلی گاڑی بندرگاہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھی لیکن اب بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ وائٹ ڈیول کے شعلوں پر قابو پانا ممکن نہیں رہا تھا۔

نادیہ جیسی بھی تھی مخلص لڑکی تھی۔ بڑی مہربان اور فیاض بھی ثابت ہوئی تھی۔ اس کی دردناک موت میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی لیکن دوسری طرف اس بات کی بھی خوشی تھی کہ گاتھر اور برودز کیفر کردار کو پہنچے۔ نادیہ کو برودز نے کس لئے موت کی نیند سلایا یہ میرے لئے ایک معمہ تھا۔ وہ یہ راز اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

میں خیام کو تلاش کئے بغیر رہنا نہیں چاہتا تھا۔ برودز نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا میں اسے کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ انور پاشا میری مدد کو نہیں آتا تو میری روح برزخ میں ہوتی۔ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ میں ہر صورت اور ہر قیمت پر خیام تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اب میرے دل میں خوف و دہشت نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور نہ ہی میرے سینے میں کسی کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ البتہ میرے دل میں ایک تجسس پیدا ہو گیا۔ میں زیر زمین دنیا کا باس تھا۔ ہر قسم کے واقعات کا سامنا کرنا میرے بس میں تھا۔

میں اور انور پاشا بنگلور آ گئے۔ ایک رات اور دن آرام کرنے کے بعد دوسرے دن

انور پاشا مجھے ریڈ بیرل بار کے مالک سے ملانے لے گیا۔ جو جرمن اور بہت ہی باتونی بھی تھا۔ اس سے وائٹ ڈیول کشتی کے بارے میں پتا چلا لینا زیادہ مشکل نہ تھا۔ اس نے بتایا کہ بہت سارے جرمن کوچین کے پاس ایک بہت بڑے جزیرے میں آباد ہو گئے۔ وہاں کے جرمن کبھی کبھار ہی بنگلور کا رخ کرتے ہیں۔ جرمن قوم ہندوستان کے مختلف شہروں میں آباد ہو گئی ہے۔ وہ جزیرہ بہت خوبصورت اور سیاحوں کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔ وہاں سیاحوں کی دل بستگی اور تفریح کا جو سامان ہے وہ ہندوستان کے کسی پُرفضا مقام پر نہیں ہے۔ حکومت کو بھی اس جزیرے پر سیاحوں کی آمد سے غیر ملکی زرمبادلہ بہت ملتا ہے۔ اس جزیرے پر کسی یورپی جزیرے کا دھوکا ہوتا ہے۔

اس نے مجھے بتایا کہ وہاں کا سن زونرز ہوٹل رہائش کے لئے بہترین ہے۔ اس کا مالک بھی جرمن ہے۔ اگر تم وہاں ٹھہرو تو اس سے میرا سلام کہہ دینا۔ میں کل اسے ٹیلی فون کروں گا تو تمہارے بارے میں بھی کہہ دوں گا۔ پھر ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔

میں جس وقت ڈیول کشتی کے نیچے والے کمرے میں جا کر میز کی دراز کی تلاشی لے کر سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا تو معاً میری نگاہ دیوار اور صوفہ سیٹ کی پشت کے درمیان رکھے ہوئے بریف کیس پر پڑی تھی جسے میں اٹھا لایا تھا۔ اسے ہم نے کسی وجہ سے کھولا نہیں تھا۔ اب واپس گھر آئے تو اس کا خیال آیا۔ انور پاشا نے اسے چاقو کی نوک سے کھولا۔ وہ بریف کیس امریکی ڈالروں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ برونز نے انور پاشا کو رہائی کے عوض دو لاکھ ڈالر کی جو پیشکش کی تھی وہ فریب نہ تھا۔ ہم نے رقم گنی۔ وہ چار لاکھ پچھتر ہزار ڈالر تھے۔ اس میں ایک گڈی جرمن مارک کی بھی تھی۔ یہ ہزار ہزار کے جرمن مارک کے نوٹ تھے۔ میں نے دو لاکھ پچھتر ہزار ڈالر انور پاشا کو دے دیئے۔ وہ لینا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نے جو دوستی کا حق ادا کیا اس کے مقابلے میں یہ کچھ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے کسی غرض اور صلے کی تمنا کے لئے میری مدد نہیں کی۔ یہ میری طرف سے ہے اور پھر ایک طرح سے یہ مالِ مفت ہے اور غیبی مالی مدد بھی ہے پھر میں دوسرے دن کی فلائٹ سے کوچین روانہ ہو گیا جو ملیبار کا دارالخلافہ ہے۔ میں نے انور پاشا سے کہا کہ وہ ڈٹو کو خط لکھ کر نادیہ کی دردناک موت کی اطلاع دے دے۔

☆======☆======☆

بن ادری اور ہائم کا دن موجودہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے گزر گیا۔ بن ادری کو

اب افسوس ہو رہا تھا کہ ان کے ہاتھوں میرے بجائے ایک بے گناہ آدمی مارا گیا تھا۔ وہ کئی مرتبہ اس پستول کو دیکھ چکا تھا جس سے زہر میں بجھی ہوئی سوئی فائر کی گئی تھی لیکن اب پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ یہ دونوں پیشہ ور قاتل نہیں تھے۔ یہ صرف اس آدمی کو زندگی سے محروم کرتے تھے جس کے بارے میں یہ یقین ہوتا کہ وہ یہودیوں کا قاتل ہے۔ کسی بے گناہ کے مارے جانے پر انہیں دکھ بھی ہوتا۔ اپنے طور پر انہوں نے خیام کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہ صرف بچ گیا تھا بلکہ اچانک لاپتہ ہو گیا تھا اور وہ اسے جلد سے جلد تلاش کر لینا چاہتے تھے۔ ہائم کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا شکار وہی بی خیام فرضی نام سے امریکہ میں رہ چکا ہے۔ اسے وہ فرضی نام بھی معلوم ہو چکا تھا۔ اب صرف اتنا کرنا تھا کہ اسے تلاش کر کے اس کے گرد جال بچھا دیا جائے کہ وہ بچ کر نہ نکل سکے لیکن سب سے بڑا مسئلہ اس کی تلاش کا تھا.......... یہ لوگ مجھے خیام سمجھ کر میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ جس کی مجھے خبر نہ تھی۔ یہ سب کچھ بہت بعد میں کسی نہ کسی طرح معلوم ہوا تھا۔

☆======☆======☆

بھگت لال کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اس کی حالت اس شکاری کتے کی سی تھی جو اپنا شکار کھو کر ایک جگہ کھڑا ہانپ رہا ہو۔ اس کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا اور وہ بے چینی کی کیفیت میں بار بار انگلیاں مروڑ رہا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے جو آدمی بیٹھا ہوا تھا وہ کسی آفس کلرک سے زیادہ خطرناک نہیں تھا لیکن بھگت لال جانتا تھا کہ اس کی تقدیر اس شخص کے ہاتھ میں ہے۔ وہ آدمی مدھم لہجے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ بالآخر اس نے بھگت لال کو جانے کا اشارہ کیا تو اس کے چہرے پر رونق سی آ گئی۔ اسے ایک اور موقع مل گیا تھا۔ بی آر یو کا نواں ڈویژن بھی خیام کو تلاش کرنے میں میری مدد کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ماسکو میں اربانیک اسکوائر پر بی آر یو کے ہیڈ کوارٹر کی عمارت سے نکل کر وہ سیاہ رنگ کی زم کار میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو ایئرپورٹ چلنے کی ہدایت کی۔ کوپن ہیگن کے لئے سکینڈے نیوین ایرلائن کی پرواز میں صرف چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔ کوپن ہیگن سے اسے نیویارک کے لئے دوسرے طیارے پر سوار ہونا تھا۔ ایک اچھے کمیونسٹ کا ثبوت دیتے ہوئے اسے کم کوپن ہیگن تک ایروفلوٹ کی کسی پرواز میں سفر کرنا چاہئے تھا لیکن احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے۔

☆=====☆=====☆

وہ لڑکی تقریباً بے لباس تھی۔ پتلی پتلی لمبی ٹانگیں، دبلا پتلا جسم، کمر نہ ہونے کے برابر اور سپاٹ سینہ جسے چھپانے کے لئے اس نے ایک بہت ہی مختصر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تولیے سے اپنے جسم کو چھپانے کی کوشش کی مگر تولیہ بھی مختصر ثابت ہوا۔

اس وقت نرگل بیچ پر ہم دونوں اکیلے ہی تھے۔ کچھ دیر پہلے بارش ہو جانے کی وجہ سے ٹمپریچر گر چکا تھا۔ سن زونرز ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تمام سیاح کمروں میں دبکے ہوئے تھے۔ میں جب سے یہاں آیا تھا یہ پہلی لڑکی تھی جس سے میں مل رہا تھا۔ اس لڑکی کے پاس سفید بالوں والا ایک چھوٹا سا کتا بھی تھا جو اس کے آس پاس ٹہل رہا تھا۔ کتا مجھے دیکھتے ہی غراتا ہوا میری طرف لپکا اور ٹخنے پر دانت جما دیئے۔ وہ میرے پیر کی ٹھوکر کھا کر چیختا ہوا اپنی مالکن کی ٹانگوں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اس لڑکی کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ مجھے دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ایسی خوبصورت آنکھیں اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہ قد میں بھی مجھ سے کچھ نکلتی ہوئی سی تھی۔

”تم نے میرے کتے کو کیوں مارا؟“ وہ انگریزی میں چیخی۔

”مجھے افسوس ہے مگر اس نے بھی اچھے سلوک کا مظاہرہ نہیں کیا۔“ میں نے قدرے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

پھر میں اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس لڑکی کا تعلق سن زونرز ہوٹل سے نہیں تھا۔ مجھ کو حیرت تھی کہ یہ کہاں سے آ گئی۔ ساحل کے آس پاس چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں کے علاوہ کوئی آبادی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

”بیچ اجنبیوں کو پسند نہیں کرتا .... تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟“ لڑکی نے سوال دہرایا۔

”کیا میں تم سے بھی یہی سوال کر سکتا ہوں؟“ میں نے شوخی سے کہا۔

”نرگل میں اب واقعی کوئی دلچسپی نہیں۔ محض وقت گزاری کر رہی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ تیراکی کرو گے؟“ وہ بولی۔

نرگل میں اب واقعی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سیاح بھی یہاں آ کر پچھتاتے تھے۔ اس کے مشرق میں پینتیس میل کے فاصلے پر ایک اور مونٹی گبو جزیرہ تھا اور مغرب میں پچاس

میل دور سوانا لامار کا قصبہ تھا۔ اس قصبے میں کلیاری مسلمانوں کی آبادی تھی۔ ان کی اکثریت تھی۔ مونٹی گبو اور سوانا کے درمیان جرمنوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ ایسی ہی کسی بستی میں خیام روپوش تھا۔ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر لڑکی ساحل کی طرف دوڑی جہاں پانی کی لہریں چھوٹی چھوٹی چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اسے پیچھے سے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی چل دیا۔ لڑکی پانی میں چھلانگ لگا چکی تھی۔ میں بھی تیرتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ لڑکی تیرتے ہوئے اچانک پانی میں کھڑی ہو گئی۔

”تم سوچ رہے ہو گے کہ میں کیسی بدصورت لڑکی ہوں .... نہ لمبے لمبے بال، نہ متناسب جسم، پتلی پتلی لمبی ٹانگیں، سپاٹ سینہ، ستم یہ کہ میرا نام بھی عجیب ہے، فوبی۔“ اس نے میرے جسم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”میں ایسا نہیں سمجھتا اور نہ میرے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت ہے۔ تم ہر لحاظ سے ایک نوجوان اور بھرپور لڑکی ہو۔ تمہاری آنکھوں کا تو جواب نہیں .... کوئی شاعر تمہاری آنکھوں کو دیکھ لے یا کسی شاعر نے تمہاری آنکھوں کو دیکھا ہو گا تو وہ ان کی تعریف میں قصیدے ابھی بھی لکھ رہا ہو گا۔ نہ جانے کتنے صفحے سیاہ ہو گئے ہوں گے۔“

میری نظریں اس کی آنکھوں سے ہٹ کر اس کے جسم پر پھسل رہی تھیں۔ لڑکی کے سینے، پیٹ اور کمر پر ایسی دھاریں نظر آ رہی تھیں جیسے اسے ہنٹر سے پیٹا گیا ہو۔

وہ میری بات سن کر مسکرا دی لیکن اس کی مسکراہٹ کی پشت پر سنجیدگی تھی۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میری آنکھیں واقعی بہت خوبصورت ہیں لیکن صرف آنکھیں مرد کو متوجہ نہیں کر سکتیں۔“ فوبی یہ کہتے ہوئے دوبارہ کنارے کی طرف تیرنے لگی۔

”مجھے تمہارے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے۔“ میں بھی جواب دے کر اس کے ساتھ تیرنے لگا۔

وہ لڑکی واقعی اس قابل نہیں تھی کہ اسے چاہا جاتا لیکن میرے لئے اس میں سب سے بڑی دلچسپی یہ تھی کہ وہ نرگل جزیرے کی رہنے والی تھی۔ جہاں جرمنوں کی ایک چھوٹی سی بستی بھی آباد تھی۔ ممکن ہے اس لڑکی سے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔

کچھ دیر بعد فوبی ریت پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں شرم و حیا کا نشان تک نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد پھر وہ پشت کے بل لیٹ گئی۔

"نرگل میں تم کیا کرتی ہو؟" میں نے خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں یہاں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہوں .... لیکن کیا تم کتوں کو پسند کرتے ہو؟" فوبی نے یہ کہتے ہوئے قریب بیٹھے ہوئے کتے کو میری طرف بڑھا دیا۔ "تم اسے تھپتھپاؤ گے تو یہ تم سے مانوس ہو جائے گا۔"

میں چار و ناچار کتے کو سہلانے لگا۔ میں نے سوچا۔ فوبی کہیں پاگل تو نہیں ہے۔ فوبی نے آنکھیں بند کر لیں تو میں کتے کو چھوڑ کر اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگا۔ مجھے واقعی اس کی آنکھیں بے پناہ خوبصورت لگ رہی تھیں۔

فوبی اب پیٹ کے بل لیٹ گئی۔ "تم نرگل میں کیا لینے آئے ہو؟" اس نے آنکھیں کھولے بغیر پوچھا۔

میں نے کہا۔ "میں ان دنوں یہاں تعطیلات گزارنے آیا ہوں۔ میرا قیام ہوٹل سن زونرز میں ہے۔ میں یہاں تھوڑے دنوں کے لئے آیا ہوں۔"

وہ کہنیوں کے بل اوپر اٹھ گئی اور جھیل جیسی گہری آنکھوں سے میری طرف دیکھتی ہوئی اپنی پلکیں جھپکائیں۔

"کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟"

میرے لئے یہ سوال غیر متوقع تھا۔ "لیکن تمہارے شوہر کا کیا ہو گا؟" میں نے اعتراض کیا۔

"میں شادی شدہ نہیں ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"لیکن تم نے تو ابھی کہا تھا کہ تم شادی شدہ ہو؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے جھوٹ بولنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ تمہیں میری کسی بات کا یقین نہیں کرنا چاہئے لیکن کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟" اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔

"لیکن تم یہ بھی تو نہیں جانتی ہو کہ میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں اور کہاں جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔" فوبی یہ کہتے ہوئے میرے قریب جھکتی ہوئی دوبارہ بولی۔ "تم شاید مجھ سے ڈر رہے ہو؟"

میں اب بھی حیرت زدہ تھا۔ فوبی نے اٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹیں اور ایک طرف

دوڑنے لگی۔ میں چند قدم تک اس کے پیچھے دوڑا پھر رک گیا۔ فوبی کا رخ ہوٹل کے مخالف سمت تھا جہاں کچھ ناریل کے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔

میں اپنی جگہ کھڑا اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اب وہ ایک چھوٹے سے نقطے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس وقت میں یہ بھول چکا تھا کہ میں اپنی زندگی بچانے کے لئے ایک ایسے شخص کی تلاش میں ہوں جو انہی نواح میں روپوش ہے۔ ایس بی خیام ہی میری آخری امید تھی۔ فوبی یہیں رہتی تھی اور مجھے توقع تھی کہ اس کے ذریعے میں خیام کا کوئی نہ کوئی سراغ پا لوں گا۔

ساحل ویران تھا اور سورج غروب ہو رہا تھا۔ سمندر کی لہروں میں اس طرح سرخی بھر گئی تھی جیسے شعلے بھڑک اٹھے ہوں۔ میں فوبی کی حسین آنکھوں کا تصور لئے ہوٹل کی طرف جانے والے راستے پر چل دیا۔ یہاں واقعی کوئی دلچسپی کی چیز نہیں تھی۔ ہوٹل میں قیام پذیر سیاح رات نو بجے ہی کھا کر اس میں بند ہو جاتے تھے اور میرے پاس بھی اس کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا کہ کھانا وغیرہ کھا کر شام ہی سے بستر میں گھس جاؤں۔ باتھ روم میں غسل کرتے ہوئے بھی میں فوبی کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ سر پر منڈلانے والا خطرہ اس وقت ثانوی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ بات تھی کہ فوبی کون تھی؟ وہ نرگل میں کیوں رہ رہی ہے اور اس نے جو کچھ کہا تھا اس میں سچائی کس حد تک تھی؟

کپڑے پہن کر میں بالکونی میں آ بیٹھا۔ میں بہار کا نظارہ کرنے لگا۔ میرے ہاتھ میں جوس سے بھرا گلاس تھا جس کا ذائقہ ترش مگر مزے دار تھا۔ دفعتاً کار کے تیز ہارن کی آواز نے سکوت کا نظام درہم برہم کر دیا۔ سیاہ مرسڈیز بریکوں کی چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ پورچ میں رکی اور فوبی کار سے اتر کر سیدھی میری طرف لپکی۔ اس لباس میں وہ پہلے سے قدرے مختلف نظر آ رہی تھی۔ اس نے سفید پتلون اور گلابی کاٹن کا بلاؤز پہن رکھا تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔

"میں بھی رم پیوں گی۔" وہ بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

میرے ساتھ والے کمرے میں رہنے والا آدمی بڑی تیزی سے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ میں اس کی طرف توجہ دیئے بغیر فوبی کے لئے شراب کا آرڈر دینے کے لئے بار کی طرف چلا گیا۔ شراب آنے پر اس نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس حلق میں انڈیل لیا اور بڑی

بڑی آنکھیں مٹکاتی ہوئی لگاوٹ کے انداز میں بولی۔

"میں تمہیں ایک دعوت دینے آئی ہوں۔"

میں نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "ہمارے گھر میں آج ڈنر پارٹی ہے۔ بیس اکیس افراد ہوں گے۔ میری ماں کا کہنا ہے کہ اگر تم امریکن نہیں ہو تو اس پارٹی میں شرکت کر سکتے ہو۔"

میں سرخ و سفید ہونے کے باعث امریکی بھی لگتا تھا۔ میں نے اسے جواب دیا۔ "تم بے فکر رہو۔ میں بالکل بھی امریکی نہیں ہوں۔"

میری بات اس نے جیسے توجہ سے نہیں سنی۔ وہ خالی گلاس ہاتھ میں تھامے میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے چند ثانیوں بعد مجھ سے پوچھا۔ "کیا تم اپنے ملک واپس جاؤ گے؟"

"ظاہر ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟" اس کی حسین آنکھیں چمک اٹھیں۔

"مجھے خوشی ہو گی فوبی! .... لیکن.........." میں نے کچھ کہنا چاہا۔ اس نے میری بات کاٹ دی۔

"میری ماں کو بالکل مت بتانا کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے مزید شراب طلب کی اور اس نے دوسرا گلاس بھی چڑھا لیا۔

"زنگل میں لوگ بہت شراب پیتے ہیں۔ اگر تمہیں یہاں رہنا پڑ جائے تو تم بھی اس کے عادی ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہاں سونے، اور کھانے پینے کے علاوہ اور کوئی دلچسپی نہیں۔ خیالات سے نجات حاصل کرنے کے لئے بار بار شراب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مگر ملیاری باشندے شراب بہت کم پیتے ہیں۔" فوبی نے کہا۔

"لیکن میں یہاں اتنا عرصہ نہیں رہ سکتا .... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ چھٹیاں گزارنے آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اب میں جا رہی ہوں۔ تمہیں لینے کے لئے ٹھیک نو بجے یہاں پہنچ جاؤں گی لیکن میرے سامنے جھوٹ مت بولو۔ اگر تم چھٹیاں گزارنے آئے ہوتے تو اس طرح اکیلے نہ

ہوتے۔" فوبی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ گاڑی میں بیٹھ کر گرد کا بادل اڑاتی ہوئی چلی گئی تھی۔ میں سوچنے لگا۔ اس کی بات کا مطلب کیا تھا؟ کیا خیام کو میری آمد کی اطلاع مل گئی ہے؟ یہ ناممکن ہی لگتا تھا۔ کیونکہ وائٹ ڈیول جل کر راکھ ہو چکی تھی۔ برونز اور اس کے دونوں سفاک ساتھیوں کو انور پاشا نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ جنہیں علم تھا کہ میں خیام کی تلاش میں ہوں۔ اس کے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا کہ میں یہاں کس لئے آیا ہوں۔ میری آمد کا مقصد کیا ہے۔ مگر فوبی کی بات میرے لئے ناقابل فہم تھی۔ دفعتاً میرے ذہن میں فوبی کی دعوت کا خیال ابھر آیا۔ یہ دعوت میرے لئے کسی قسم کا جال ثابت ہو سکتی تھی اور فوبی ماتا ہری کا کردار ادا کر سکتی تھی۔ اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر ملیار کے اس دور افتادہ حصے میں کوئی آدمی اچانک ہی غائب ہو جائے تو ملیار حکومت کے حکام اس میں کوئی دلچسپی نہیں لیں گے۔

کچھ دیر بعد میں اٹھ کر کمرے میں چلا گیا اور کڑھی ہوئی پنک ایوننگ شرٹ اور کاٹن کی پتلون پہن لی۔ اس لباس میں کوئی ہتھیار چھپانے کی گنجائش نہیں تھی۔ جب میں تیار ہو کر باہر نکلا تو کچھ لوگ ابھی تک کھانا کھا رہے تھے۔

وعدے کے مطابق فوبی پہنچ گئی۔ اس وقت وہ سیاہ مخملی پتلون پر گولڈن بیلٹ اور چست سویٹر پہنے ہوئے تھی۔ سویٹر بہت چست ہونے کی وجہ سے اس کے نسوانی خطوط کچھ کچھ واضح ہو رہے تھے۔

"تم واقعی بہت حسین لگ رہی ہو۔" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے تعریف کی۔

"جھوٹ مت بولو.......... میرے سپاٹ سینے میں کوئی کشش نہیں۔" اس کے لہجے میں احساسِ محرومی عیاں تھا۔

"اس کے باوجود تم واقعی بہت حسین ہو۔" میں مسکرایا۔

فوبی نے خاموشی سے کار اسٹارٹ کر دی۔ پختہ سڑک پر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک چھوٹے سے دیہات سے ذرا آگے جا کر کیلے کے باغ میں کچے راستے پر پڑ گئی۔ کار کو بری طرح جھٹکے لگ رہے تھے۔ آگے گھنا جنگل شروع ہو گیا۔ ایک جگہ کیچڑ میں سے گزرتے ہوئے کار کو زبردست جھٹکا لگا۔ فوبی ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس جگہ سے مجھے شدید نفرت ہے۔ میں دعا مانگتی رہتی ہوں کہ زلزلہ یا ایسا ہی کوئی

عذاب نازل ہو جائے جو نرگل کا نام و نشان مٹا دے۔ میں یہاں سے بہت بے زار ہو چکی ہوں۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اس کے باوجود تم یہاں کیوں رہ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"اپنی ماں کی وجہ .... وہ مجھے ایک پینی تک نہیں دیتی ہے کہ میں کرایہ جمع کر کے کہیں جا سکوں۔ نہ ہی میرا کوئی دوست ہے' نہ ہی میں اتنی حسین ہوں کہ کوئی مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو سکے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" میں نے اچانک ہی سوال کیا۔

"اس لئے کہ تم ایک قاتل ہو۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"کیا .... یہ تم کس بنا پر کہہ رہی ہو کہ میں قاتل ہوں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں قاتل کو چہرے ہی سے پہچان لیتی ہوں۔ اس کی عادی ہو چکی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم یہاں تفریح کے لئے نہیں بلکہ روپوشی کی زندگی گزارنے آئے ہو۔" فوبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہارا چہرہ چغلی کھا رہا ہے کہ تم قاتل ہو۔"

پھر اس نے اچانک ہی کار روک لی۔ "مجھے اس سلسلے میں کچھ بتاؤ .... میں بہت بے چین ہو رہی ہوں۔" وہ بے قراری سے بولی۔

"کس سلسلے میں؟" میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"موت کے متعلق .... ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تم قتل کر چکے ہو۔"

فوبی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ تنفس بھی بے ربط ہو گیا۔ پھر جس طرح اس نے اچانک ہی کار روک لی تھی اسی طرح اچانک چلا دی۔ میں اس کے سینے پر نظریں جمائے ہوئے تھا جس کا زیر و بم اس کی اندرونی کیفیت کی چغلی کھا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بھی جیسے انتشار تھا۔

"تم کسی کے بارے میں یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ قاتل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم تقریباً پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔" یہ فوبی کا جواب تھا۔ مرسڈیز جنگل سے نکل کر کھلی جگہ پہنچ گئی۔ آگے چند ایک مکانات نظر آ رہے

تھے۔ کار ایک بنگلہ نما مکان میں داخل ہو کر برآمدے کے سامنے رک گئی۔ اندر روشنی ہو رہی تھی اور شیشے کے دروازے سے بہت سے چہرے نظر آ رہے تھے۔ وہ سب سفید فام تھے۔ دروازے پر چست پتلون اور ملٹی کلر بلاؤز میں ملبوس ایک عورت نے میرا گرم جوشی اور والہانہ انداز سے استقبال کیا۔

"میں اکوریوس میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں۔ میرا نام اسلا ہے۔ فوبی مجھے تمہارے بارے میں بتا چکی ہے۔"

وہ فوبی کی ماں تھی۔ وہ جیسے ہی روشنی میں آئی اس کی شکل دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کی عمر کسی بھی طرح پچاس برس سے کم نہیں ہو گی۔ مگر اپنے آپ کو خوبصورت بنانے کے لئے وہ چہرے پر شاید کئی بار پلاسٹک سرجری کروا چکی تھی۔ اس پلاسٹک سرجری کی بنا پر وہ ٹھیک سے مسکرانے سے بھی قاصر تھی۔

"چلو .... میں تمہیں اپنے شوہر سے ملاؤں۔" اس نے خندہ پیشانی سے کہا۔

وہ یہ کہتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ میں بھی کمرے میں آ گیا۔ وہ سب سفید فام ہی تھے۔ عمریں چالیس اور ساٹھ برس کے درمیان .... ان میں کوئی بھی مقامی باشندہ نہیں تھا۔ میری آمد پر کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ کمرے کے وسط میں میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔ طرح طرح کے پھل اور وہسکی کی بوتلیں بھی موجود تھیں۔ میں اپنے آپ کو ان لوگوں میں گھرے ہوئے دیکھ کر بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ وہ سب جرمن زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں اس وقت جرمنوں کی ایسی بستی میں تھا جس کی مجھے تلاش تھی اور اس خیال کے آتے ہی میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی کہ خیام بھی انہی میں کہیں موجود تھا۔ اسلا ایک ایسے آدمی کے قریب پہنچ کر رک گئی جس کے چہرے پر مندمل ہو جانے والا زخم کا لمبا سا نشان نظر آ رہا تھا۔ یہ نشان یقیناً کسی جنگ کی یادگار تھا۔

"تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ امید ہے فوبی نے تمہیں زیادہ پریشان نہیں کیا ہو گا۔ شراب کے لئے تمہیں اپنی مدد آپ کرنا ہو گی۔"

اس شخص نے میری طرف مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ رخ بدل کر دوبارہ اپنے دوستوں سے باتیں کرنے لگا۔

"میرا یہ شوہر فوبی کا باپ نہیں ہے وہ تو ایک جنگ میں مارا گیا تھا۔ میں تمہیں یہ بتا دینا بہتر سمجھتی ہوں کہ میرے شوہر اور فوبی کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔ ان دونوں میں

بالکل بھی نہیں بنتی ہے۔" اسلا نے سرگوشی میں کہا۔

"میں محسوس کر چکا ہوں۔ تمہیں فوبی کو کسی اچھے بورڈنگ سکول میں بھیج دینا چاہئے۔" میں نے کہنے کو تو کہہ دیا لیکن فوراً ہی حماقت کا احساس ہو گیا۔

"فوبی کے لئے یہاں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔" اسلا کے لہجے میں ناگواری سی تھی۔

"یقیناً .... یقیناً .... تم جیسی جوان اور حسین ماں کی موجودگی میں اسے کسی چیز کی کمی ہو ہی نہیں سکتی ہے۔" میں نے اپنی حماقت کی تلافی کی کوشش کی۔ اسلا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اسی وقت چند اور مہمان دروازے میں داخل ہوئے۔ میں ان کی طرف متوجہ ہو گیا ممکن ہے نئے آنے والوں میں خیام بھی ہو لیکن کیا میں اسے پہچان لوں گا؟ میں نے دل میں کہا۔

"میری ماں سے بطے؟ کاش! میں اسے الٹا لٹکا سکتی؟" فوبی نے میرے پاس آ کر زہر خند کہا۔

تمہیں اپنی ماں کے بارے میں ایسی باتیں کہنا نہیں چاہئیں۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔ فوبی بے چینی سے انگلیاں چٹخانے لگی۔

پھر میں نے اس سے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔ "یہ سب لوگ کون ہیں؟"

"میرے والدین کے دوست' جو یہاں سے بیس میل کے حلقے میں مختلف جنگلوں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ ماضی اور وطن کی یاد تازہ کرنے کے لئے مہینے میں ایک بار جمع ہوتے ہیں اور خوب شراب پیتے ہیں۔ دو تین گھنٹے بعد تمہیں ان میں کوئی بھی ہوش میں نظر نہیں آئے گا۔" فوبی نے بتایا۔

"اس تقریب میں میری گنجائش کیسے نکل آئی؟" میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے ماں کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے تمہیں اس ڈنر میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی تو میں گاؤں میں کسی نہ کسی کو گاڑی کے نیچے کچل دوں گی اور مقامی باشندے ان کا جینا حرام کر دیں گے۔" فوبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم مجھے یہاں بلانے پر مصر کیوں تھیں جبکہ میں ایک سیاح اور اجنبی تھا۔" میں نے

پوچھا۔

"بس یونہی۔" اس نے مجھے اپنی حسین آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے رسیلی آواز میں کہا۔

پھر اس نے گلاس میں شراب انڈیلی۔ پھر دوسرا گلاس بھرا۔ پھر ایک گلاس میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ پھر ہم دونوں کمرے میں اِدھر سے اُدھر آنے جانے لگے۔ کسی کی توجہ نہ پا کر میں بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ یہ بات میں نے خاص طور پر محسوس کی تھی کہ میں جس کے پاس رکتا تھا وہ اپنی گفتگو بند کر دیتا تھا۔ میں گہری نظروں سے ایک ایک شخص کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا اور تصور ہی تصور میں ہر شخص کو مجاہد کا لباس پہنا کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان میں خیام کون ہو سکتا ہے لیکن وہ سب بوڑھے تھے۔ میرے خیال میں خیام کو چالیس اور پچاس برس کی عمر کے درمیان ہونا چاہئے تھا۔

"چلو یہاں سے چلیں .... مجھے یہ ماحول بالکل بھی پسند نہیں ہے۔" فوبی نے میرے بازو کو تھامتے ہوئے کہا۔

میں اس کے ساتھ جانا ہی چاہتا تھا کہ میری نظر ایک کونے میں دو عورتوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک آدمی پر پڑی۔ مجھے اس آدمی پر ایس بی خیام کا شبہ ہوا۔ وہ تقریباً گنجا ہو چکا تھا لیکن چہرے کے نقوش اور بھوری آنکھیں میری جیسی ہی تھیں۔ ان لوگوں نے میری طرف سرد مہری سے دیکھا۔ میں فوبی کے ساتھ دروازے کی طرف چل دیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی آنکھیں میرا تعاقب کر رہی ہیں۔ ہم برآمدے سے نکل کر ایک ٹاور نما کمرے کے سامنے آ گئے جو اس بڑے کمرے سے تقریباً پانچ چھ گز کے فاصلے پر تھا۔ فوبی نے پنجوں کے بل ایک چوکھٹ کے اوپر رکھی ہوئی چابی اٹھالی۔

"مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی ہے کہ لوگ میرے بارے میں سُن گن لیتے رہیں۔" وہ دروازہ کھولتے ہوئے بڑبڑائی۔

اس نے اندر داخل ہو کر لیمپ جلایا۔ میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ چھت بہت اونچی تھی۔ فرنیچر برائے نام ہی تھا۔ ایک بڑا بیڈ اور فرش پر بھیڑ کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ لیمپ جلانے کے بعد فوبی بستر پر گر گئی۔ لیٹ کر وہ پہلے سے بھی زیادہ لمبی نظر آ رہی تھی۔ میں بیٹھنے کے لئے کرسی تلاش کر رہا تھا کہ فوبی اٹھ کر مجھے بیلٹ سے پکڑ کر کھینچنے لگی۔ "یہاں آ جاؤ۔"

میرے لئے اس بے حجابی میں کوئی کشش نہیں تھی۔ کونے میں ایک کھڑکھڑاہٹ کی آواز سن کر میں بری طرح چونک گیا اور لیمپ کی طرف لپکا۔ اس وقت فوبی کا قہقہہ گونج اٹھا۔ وہ فوبی کا چھوٹا سا کتا تھا جو ایک کونے میں دبکا ہوا چیاؤں چیاؤں کر رہا تھا۔

"تم سب مرد ایسے ہی بزدل ہوتے ہو۔ اب وہاں کھڑے ہوئے کیا دیکھ رہے ہو۔ آگے بڑھو اور مجھے پیٹو۔" فوبی نے یہ کہتے ہوئے جھک کر بیڈ کے نیچے سے چمڑے کا چابک نکال لیا۔ یہ دراصل بید کا چابک تھا جس پر چمڑا لپٹا ہوا تھا۔

"میں کہتی ہوں مجھے پیٹو .... میری کھال بھی ادھیڑ ڈالو گے' میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلے گی۔" فوبی دوبارہ بولی۔

"لیکن میں تمہیں کیوں پیٹوں؟ کوئی ایسی وجہ نہیں کہ.........." میں نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر فوبی نے میری بات کاٹ دی۔

"کوئی وجہ ہو یا نہیں' تم مجھے پیٹو۔" مجھے اب یاد آگیا کہ سمندر میں نہاتے ہوئے میں نے فوبی کے جسم پر جو نشان دیکھے تھے وہ کیسے تھے۔

"مجھے پیٹو .... ورنہ میں تمہیں قریب آنے نہیں دوں گی۔" وہ میری طرف جھکتی ہوئی بولی۔

میرا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ میں خیام کے آس پاس پہنچ چکا تھا اور یہ سب نیم پاگل لڑکی کی بدولت تھا جو مجھے پیٹنے کے لئے کہہ رہی تھی۔

فوبی بیڈ پر ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل اوندھی پڑی جسم پر چابک پڑنے کی منتظر تھی لیکن جب کئی لمحات گزرنے کے بعد کچھ نہ ہوا تو وہ سیدھی ہو گئی۔ پھر اس نے اچھل کر مضبوطی سے میرا گریبان پکڑ لیا۔

"نکل جاؤ یہاں سے .... دفع ہو جاؤ بزدل .... میں آئندہ تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتی۔" وہ ہذیانی لہجے میں چیخی۔

میں اس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے باہر کا رخ کرنا ہی چاہتا تھا کہ مجھے بھگت لال اور دو اسرائیلی ایجنٹوں کا خیال آگیا جو شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ اگر میں خیام کے بغیر واپس چلا گیا تو چند گھنٹے سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکوں گا اور میرا فوبی کے تعاون کے بغیر خیام کو تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔

پھر میں نے بڑبڑاتے ہوئے چابک اٹھا کر فوبی کی برہنہ پشت پر رسید کر دیا۔

"زور سے مارو.......... زور سے مارو۔" فوبی کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

پھر میں پے در پے اسے چابک مارنے لگا۔ میں اس بات کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا کہ زیادہ زور سے لگنے نہ پائے۔ فوبی بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ خوش ہو رہی ہے اور چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ جیسے چابک کی ضربوں سے اسے سکون مل رہا ہو۔ اب میری قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ میں نے چابک ایک طرف پھینکا اور اس کے پہلو میں پلنگ پر لیٹ گیا۔

"اور مارو.........." فوبی ہیجانی لہجے میں چیخی۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھا رہا تھا۔

میں نے اس کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ فوبی نے میری طرف کروٹ بدلی۔ میں اس کی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو گیا۔ میں بھگت لال اور اسرائیلی ایجنٹوں' خیام اور دیگر افراد کو بھول چکا تھا۔

فوبی اب آہستہ آہستہ اعتدال پر بھی آ رہی تھی۔ طوفان گزر چکا تھا۔

"تم نے جب آخری آدمی کو قتل کیا تھا مجھے اس واقعہ کی تفصیل بتاؤ' میں سب کچھ سننا چاہتی ہوں۔ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپانا۔" وہ الجھے ہوئے سانس سے بولی۔

میری نظروں میں وہ ایک نفسیاتی مریضہ تھی۔ اس لئے میں نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں' میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" وہ دوبارہ بولی۔

مگر میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ خیام دوسروں کو اذیت پہنچا کر خوش ہوتا تھا اور فوبی اذیت پسند تھی۔ وہ نسبتاً اسے اپنی طرح جانتی ہو گی۔ وہ اس پارٹی میں شریک بھی تھا۔

فوبی کی آنکھوں کی سرخی زائل ہو رہی تھی۔ چہرے کی رنگت بھی بدلتی جا رہی تھی۔

"تمہاری عمر کتنی ہے؟" میں نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"بیس سال۔" فوبی نے میرا ہاتھ تھام کر اس کی پشت چومتے ہوئے جواب دیا۔

اس کی آواز میں پھر یکبارگی سختی سی آ گئی تھی۔ اس نے سگریٹ سلگایا اور کش لگانے لگی۔ اس کے جسم پر اب بھی لرزہ طاری تھا۔ مجھے اس کی اذیت پسندی پر حیرت ہو رہی تھی۔

"میں یہاں سے نکل جاتا ہوں۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میں بھی اس منحوس جگہ کو چھوڑ دینے کے لئے بے چین ہوں۔ اس کے لئے تمہاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہوں۔" فوبی نے کہا۔ اس کے چہرے پر رونق سی آ گئی تھی۔ اب وہ لمحہ آ گیا تھا کہ میں براہِ راست قدم اٹھاتا۔ میں نے اس نیم پاگل لڑکی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے آپ کو داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"فوبی! میں تمہیں یہاں سے لے جانے کے لئے تیار ہوں لیکن اس سے پہلے تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں ہر قسم کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔" فوبی بے چینی سے بولی۔

اس میں خطرے کے بھی امکانات ہیں۔" میں نے اسے مزید ٹٹولنے کی غرض سے کہا۔

"اس منحوس جگہ پر زندگی ضائع کر دینے سے زیادہ خطرناک بات کوئی اور نہیں ہو گی۔ میں کسی دن اپنے آپ ہی کو ختم کر لوں گی۔ میں نے پہلے سے ہی یہ سوچ رکھا ہے۔" فوبی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں ایک آدمی کی تلاش میں ہوں۔ وہ یہیں کہیں موجود ہے۔ ممکن ہے اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر لیا ہو .... لیکن میں اس کو پہچانتا بھی نہیں۔" میں نے وضاحت کی۔ "میرا خیال ہے کہ تم اسے بہت اچھی طرح جانتی ہو گی۔"

"کیا تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو؟" فوبی کی آنکھوں میں سفاک چمک ابھری۔

"نہیں .... میں اسے صرف تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر تم اسے اکیلے قتل کرتے ہوئے ڈر رہے ہو تو فکر نہ کرو......... تم چاہو تو ہم دونوں مل کر اسے قتل کر دیں گے لیکن تمہیں مجھ کو ساتھ لے جانے کا وعدہ کرنا ہو گا" فوبی نے میرے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"میں اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا لیکن تمہیں ساتھ لے جانے کا وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"اگر تم اسے قتل کرنا نہیں چاہتے ہو تو پھر اسے تلاش کیوں کر رہے ہو؟" فوبی الجھ گئی۔

"معاملہ کچھ ایسا الجھا ہوا ہے کہ میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ اس کی تلاش میں تم میری مدد کرنے کو تیار ہو یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ کون شخص ہے؟" فوبی نے بستر سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا نام ایس بی خیام ہے لیکن اب وہ یقیناً فرضی نام اپنائے ہوئے ہو گا۔ وہ ایک سابق ایس ایس افسر ہے۔ جنگی مجرم جو سینکڑوں افراد کی موت کا ذمے دار ہے۔ اس نے اپنا روپ کچھ اور ہی اپنا رکھا تھا۔" میں نے اسے بتایا۔

"میں ان میں سے ہر ایک کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں لیکن اس علاقے میں میں واحد جوان لڑکی ہوں۔ وہ میرے پہلو میں لیٹنے کو بے چین رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے ماضی کے بارے میں بھی مجھے سب کچھ بتا دیتے ہیں۔" فوبی نے کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ آج کی پارٹی میں جتنے بھی مرد شامل ہیں تم ان سب کے ساتھ شب بسری کر چکی ہو؟" میں نے اس کی طرف دحشت زدہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں .... اس وقت میں چودہ برس کی تھی جب پہلے ہوٹ والے اڈٹو نے مجھے ہوس کا نشانہ بنایا تھا......... اس وقت اس نے مجھے اپنے ماضی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ روس افغانستان جنگ کے دوران وہ روس میں تھا۔ اس نے سینکڑوں آدمیوں کو مختلف طریقوں سے موت کی نیند سلایا تھا۔ اس خاصیت کی بنا پر میں اسے پسند کرنے لگی تھی۔ اس کے بعد تو میں ہر ایک کو اپنے شباب کے خمار میں ڈوبنے کی دعوت دینے لگی لیکن سب سے پہلے میں ان کا ماضی دریافت کرتی۔ کچھ ایسے بھی تھے جو کچھ بتانا نہیں چاہتے تھے۔ میرے اصرار پر وہ میری خوب پٹائی کرتے لیکن وہی مرد کتوں کی طرح میرے پیچھے پیچھے دم ہلاتے پھرتے۔ میرے سوتیلے باپ نے بھی مجھے نہیں چھوڑا۔ میری ماں یہ سب کچھ جانتی ہے اور اس لئے مجھ سے سخت نفرت کرتی ہے۔" فوبی نے بتایا۔

"اگر ایسی بات ہے تو وہ تمہیں یہاں سے جانے کیوں نہیں دیتی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ڈرتی ہے کہ میں یہاں سے باہر جا کر لوگوں کو پولیس کو یہ نہ بتا دوں کہ کون کیا ہے اور کہاں چھپا ہوا ہے۔ وہ ہر وقت میری نگرانی کرتی رہتی ہے۔ اسے یہ بھی شبہ ہے کہ کہیں میں خودکشی نہ کر لوں۔" فوبی نے کہا۔

"پھر تو تم ایس بی خیام سے ضرور واقف ہو گی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"خیام .... شاید ہاں .... اس نے ایک روز مجھے اپنا اصل نام بتایا تھا۔ یہاں وہ پیٹر کاٹو کے نام سے مشہور ہے اور وہ اس وقت پارٹی میں موجود ہے اور ہر ماہ پارٹی میں باقاعدگی سے شرکت کرتا ہے۔" اس نے بتایا۔

"وہ شخص سنہرے بالوں والا تو نہیں ہے؟" میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں وہی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟" فوبی نے منجمد آنکھوں سے دیکھا۔

میں خاموش ہو کر سوچنے لگا .... ایک سیدھا سادا طریقہ تو یہ تھا کہ میں کیپٹن اینڈرریوف سے رابطہ کروں یا ملیار کے حکام کے حوالے کر دوں لیکن اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اسے یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکالا جائے۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں لیکن یہ انتظام تمہیں اس طرح کرنا ہو گا کہ اسے احساس نہ ہو سکے کہ مجھ سے آمنا سامنا ہونے والا ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کے لئے احتیاط لازمی ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

"یہ زیادہ مشکل نہیں .... لیکن آج اس کی بیوی اس کے ساتھ ہے۔ میں کل رات اس کو یہاں بلا لوں گی۔" فوبی نے جواب دیا۔

"کیا وہ تمہارے بلانے پر آ جائے گا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں نہیں آئے گا .... میں یہاں ان سب کی واحد اور جوان محبوبہ ہوں۔ تم نے ان مردوں کی بیویوں کو نہیں دیکھا۔ اب ان میں کیا رکھا ہے۔ وہ ڈھل چکی ہیں۔ ان میں نہ تو گرم جوشی رہی ہے نہ خود سپردگی اور نہ ہی کوئی کشش جو مردوں کو متوجہ کر سکیں۔ میرا سینہ سپاٹ ہے تو کیا ہوا۔ میں ایک آتش فشاں ہوں۔ تم نے بھی دیکھ اور محسوس کر لیا کہ میں کیا ہوں۔ ایک مرتبہ جو میری فیاضی سے سرفراز ہوتا ہے میں اس کی کمزوری بن جاتی ہوں۔ لہٰذا کوئی میری بات ٹال نہیں سکتا۔ آؤ اب ہم واپس چلیں .... ماں میری غیر موجودگی پر شور مچانے لگے گی۔ ہم دونوں نے خاصا وقت گزار لیا ہے۔"

ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے۔ ڈرائنگ روم میں اب پہلے سے بھی زیادہ ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ ایک آدمی کرسی کی پشت سے سر ٹکائے منہ کھولے خراٹے لے رہا تھا۔

اس کے ہاتھ میں اب بھی شراب کا خالی گلاس دبا ہوا تھا۔ فوبی کی ماں نیچے جھکی ہوئی قالین پر گرا ہوا سالن صاف کر رہی تھی۔ میرے اور فوبی کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی۔

"وہ اس کونے میں ان دو موٹے آدمیوں سے جو شخص باتیں کر رہا ہے وہی ایس بی خیام ہے۔" فوبی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں نے کن انکھیوں سے اس طرف دیکھا یہ وہی آدمی تھا جسے میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ وہ جو میرا ہم شکل تھا اور رہا تھا لیکن اب اس حالت میں بھی کوئی بہت غور سے دیکھ کر ہی کہہ سکتا تھا کہ ہم دونوں میں قدرے مماثلت ہے۔ اب خاصا فرق ہو گیا تھا۔ اس کی جو تصویر روسی کیپٹن نے دکھائی تھی وہ برسوں پرانی تھی۔ تب کی تصویر سے ہم دونوں میں بڑی مماثلت سی لگتی تھی۔ اس عجیب سے احساس سے میرا دل دھڑک اٹھا۔ میں نے اپنی پیشانی عرق آلود محسوس کی۔ میں وہاں پہنچ چکا تھا جہاں روسیوں اور اسرائیلیوں کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ جس آدمی کو مردہ تصور کر لیا گیا تھا وہ زندہ جاوید میرے سامنے موجود تھا۔

میں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ مجھ سے جذباتی پن اور عجلت میں کوئی حماقت سرزد نہ ہو جائے۔

"اب میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرا یہاں زیادہ رکنا مناسب نہیں ہے۔" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"رک جاؤ .... اس وقت میں پھر تمہاری ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔ ایک طویل مدت کے بعد کوئی جوان آدمی میری زندگی میں آیا ہے۔ ان بوڑھوں سے میں بے زار اور تنگ آ چکی ہوں۔ میرے کمرے میں چلو۔"

"اس وقت تم کسی اور کو پکڑ لو لیکن اپنا وعدہ نہیں بھولنا۔" میں نے کہا۔

"کل دوپہر کے کھانے کے بعد میرے کمرے میں آ جانا۔ اس وقت کوئی بھی موجود نہیں ہو گا۔" فوبی بولی۔

میں اس کی بات کے جواب میں کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔ برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی سیاہ مرسڈیز میں بیٹھتے ہوئے میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ دروازے کے شیشے میں سے ایک آدمی فوبی کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ میں نے رخ بدل کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

☆=====☆=====☆

وہ آدمی ٹہلتا ہوا ساحل سے ہوٹل کی طرف جا رہا تھا۔ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی نرم کرنیں اس کی تانبے کی رنگت جیسے چہرے پر چل رہی تھیں۔ میں نے اسے دور سے ہی پہچان لیا۔ وہ بھگت لال تھا۔ میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس طرح لب بام پکڑے جانے سے مجھے اپنی تمام امیدیں خاک میں ملتی نظر آنے لگیں۔ بھگت لال ماسکو کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا نہانے کا لباس پہنے مجھ سے صرف چند گز کے فاصلے پر تھا۔ ہم دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ پھر بھگت لال نے زبان کھولی۔

”میں تمہیں خوش آمدید نہیں کہوں گا۔ کیونکہ مجھے تمہاری تلاش میں کافی اذیت ناک تکلیف اٹھانا پڑی ہے۔ خوش قسمتی سے پولیس نادیہ کی لاش شناخت نہ کر لیتی تو میں تم تک کبھی نہ پہنچ سکتا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھ سے چھپ سکو گے؟“

بھگت لال کی پریشانی کا اندازہ میں اس کے چہرے سے ہی لگا چکا تھا۔ میں پکڑا جا چکا تھا لیکن ایک معاملے میں مجھے اب بھی بھگت لال پر سبقت حاصل تھی۔ بھگت لال اس حقیقت سے قطعی لاعلم تھا کہ خیام بھی یہاں موجود ہے۔ بالفرض محال اسے پتا چل لیا کہ خیام زندہ ہے تو وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مجھے موت کی نیند سلا دے گا۔ میں چوبیس گھنٹے بعد خیام سے ملنے والا تھا۔ اس مختصر سی مدت میں مجھے بھگت لال کو مات دینا تھی۔

میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں واقعی غلطی پر تھا۔ نادیہ نے مجھے نازی سمجھ کر روپوشی کا مشورہ دیا تھا۔ اس کا مشورہ مان کر میں نے حماقت کی تھی۔ تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں کیا ہوں“

بھگت لال نے گہری نظروں سے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے وطن واپس چلا جاؤں۔“ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

بھگت لال میرے اور قریب آ گیا۔ اس وقت ساحل پر دور دور تک کسی اور ذی روح کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ”میرا مشورہ ہے کہ اپنے ملک فرار ہونے کا احمقانہ خیال دل سے نکال پھینکو...... تم کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتے ہو کہ تم خیام نہیں ہو۔ میں واحد آدمی ہوں جو تمہاری حقیقت ثابت کر سکتا ہوں۔ اس لئے میرا مشورہ مانتے ہوئے افغانستان جا کر وہ فارم خرید لو جس کے بارے میں تمہیں بتایا گیا ہے۔ اگر تم نے مزید چالاکی

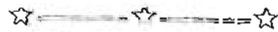
دکھانے کی کوشش کی تو تمہارا فائل اسرائیلیوں کے حوالے کر دیا جائے گا اور انہیں یہ ثبوت بھی فراہم کیا جائے گا کہ دہلی میں اسحاق کوہکن کو بھی تم نے ہی قتل کیا تھا۔ اس کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ کیا ہو گا .... تم روسیوں اور اسرائیلیوں کے درمیان سینڈوچ بنے ہوئے ہو۔“ بھگت لال نے کہا۔

میں اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”اگر تم نے ہماری ہدایات پر عمل کیا تو زندگی سکون و اطمینان سے گزرے گی۔ کسی کو پتا نہ چل سکے گا کہ ہوا کیا تھا۔ البتہ کبھی کبھار ہمارے لئے کوئی چھوٹا موٹا کام کرنا پڑے گا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تمہاری نکیل ہمارے ہاتھ میں ہو گی۔“ وہ اب بھی میرے چہرے پر میرے دل کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے ہم دہلی پہنچ کر اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے لیکن اس وقت تو میں یہی چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں تفریح کے دوران پریشان نہ کیا جائے۔ میں ذہنی یکسوئی کے لئے یہاں آیا ہوں۔“

میں اپنی بات کہہ کر ہوٹل کی طرف چل دیا۔ وہ مجھے معنی خیز انداز سے دیکھ رہا تھا۔ میں ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ مجھے بھگت لال سے صرف اتنی مہلت حاصل کرنی ہے کہ خیام کو حکام کے حوالے کر سکوں۔ ہوٹل کے قریب پہنچ کر میں نے پہلی مرتبہ پیچھے مڑ کے دیکھا۔ بھگت لال ساحل پر کھڑا کسی چھوٹے بچے کی طرح نظر آ رہا تھا۔



ارل کے درختوں سے ڈھکا ہوا ساحل کا یہ حصہ بالکل سنسان تھا۔ نزدیکی بستی مغرب میں تین چار میل کے فاصلے پر تھی۔ ٹورسٹ اس طرف کم ہی آتے ہیں اور اس وقت تو ویسے بھی کسی کے آنے کی توقع نہیں تھی۔ میں نے کار ایک تنگ سے راستے پر درختوں کے جھنڈ میں چھپا دی اور محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ فولی کا مکان یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ ایک گھنٹہ پہلے جب میں ہوٹل سے نکلا تو میرا رخ مونٹی گبو کی طرف تھا۔ بھگت لال اس وقت کھانا کھا رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ میری عدم موجودگی کو زیادہ محسوس نہیں کرے گا۔ ہوٹل سے کافی دور آنے کے بعد میں نے کار کا

رخ دائیں طرف موڑ دیا اور کیلے کے باغات اور جنگل میں سے ہوتا ہوا اس طرف پہنچا تھا۔ میں نے اپنے تئیں بھگت لال سے وقتی طور پر نجات پالی تھی لیکن مشکل ترین مرحلہ اب بھی باقی تھا۔

میں تقریباً آدھے گھنٹے سے درختوں میں چھپا فوبی کے مکان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہاں زندگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ ممکن ہے وہ خیام کو وہاں لانے میں کامیاب نہ ہو سکی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اپنے کمرے میں موجود ہو اور میرا انتظار کر رہی ہو۔ میں نے پستول نکال کر چیک کیا اور جھاڑیوں میں رینگنے والے سانپوں اور بچھوؤں سے بچنے کی کوشش کرتا ہوا درختوں کی آڑ میں آگے بڑھنے لگا۔ خوش قسمتی سے اس طرف مکان کی کھڑکی نہیں تھی۔ جس کی بنا پر مجھے قریب پہنچنے میں آسانی رہی۔ فوبی کا کمرہ اب مجھ سے سو گز کے فاصلے پر تھا۔ لکڑی کا بھاری دروازہ بند تھا۔ میں چند لمحوں تک آس پاس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر تیزی سے اس طرف چل دیا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں رک گیا اور کان لگا کر اندر سے کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ میں نے سوچا۔ میرے خلاف کوئی جال بچھایا تو نہیں جا رہا ہے؟ اس خیال کے آتے ہی میری آنکھوں کے سامنے ان آدمیوں کے چہرے گھوم گئے جو گزشتہ رات ڈنر پارٹی میں شریک تھے۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ میرا نرگل آنے کا مقصد کیا ہے تو میرے جسم کا تار تار الگ کر دیں۔ میں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستگی سے گھمانا شروع کیا۔ اگر فوبی مجھے دھوکا نہیں دے رہی تھی تو دروازہ غیر مقفل ہونا چاہئے تھا۔ دروازہ کھل گیا۔ میں پستول سنبھالے ہوئے اندر داخل ہو گیا اور پھر دروازے کو بے آواز بند کر دیا۔ کمرے میں اس قدر تاریکی تھی کہ چند لمحوں تک مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ پھر دفعتاً خاموشی میں ایک آواز ابھری۔ یہ فوبی کے کراہنے اور غرانے کی آواز تھی۔ غور سے دیکھنے پر مجھے پلنگ پر دو انسانی ہیولے نظر آئے۔ میں نہایت احتیاط سے چلتا ہوا پلنگ سے دو قدم کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ کھٹکے کی ہلکی سی آواز سن کر فوبی نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ قریب ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے۔ فوبی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے اپنے ساتھی کو گردن سے پکڑ کر زوردار جھٹکے سے نیچے گرا دیا

اور خود بھی اچھل کر پلنگ سے نیچے اتر آئی۔ اس کے بدن پر چابک کے تازہ نشان نظر آ رہے تھے۔ وہ آدمی گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل اٹھ کر فوبی کی طرف چھلانگ لگانا ہی چاہتا تھا کہ اس نے مجھے اپنے سامنے پستول تانے دیکھا تو اسی عالم میں منجمد ہو گیا۔

"تم کون ہو؟" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر خوف کے نہیں محض پریشانی کے تاثرات تھے۔

"قتل کر دو.......... اسے قتل کر دو۔" فوبی بے چینی کی کیفیت میں انگلیاں مروڑتے ہوئے ہذیانی لہجے میں چیخی۔ خیام کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ البتہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"میں حاسد نہیں ہوں۔ ہم دونوں باری باری اس کی مہربانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" وہ بولا۔

"کپڑے پہن لو خیام! کھیل ختم ہو چکا ہے۔ اسے کوئی مذاق مت سمجھنا۔" میں نے پستول سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

خیام کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ آنکھوں کی چمک بجھ گئی۔ ہونٹ بھینچ گئے۔ "میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرا نام پیٹر کاٹو ہے۔" وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ خیام ہی ہے۔ یہ مجھے خوش کرنے کے لئے روسیوں اور یہودیوں کے قتل اور اپنے ماضی کے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہے۔" فوبی چیخی۔

"تم ذلیل کتیا.........." خیام نے غراتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔ فوبی اس کا گھونسہ کھا کر لڑکھڑاتی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ پھر دھم کی آواز سے نیچے گر گئی۔ "کتیا کی بچی.......... اگر تم نے منہ سے مزید ایک لفظ بھی نکالا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" وہ غرایا۔

"اگر تم نے دوسری مرتبہ لڑکی کو چھونے کی کوشش کی تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا.......... اب جلدی سے کپڑے پہن لو۔ ورنہ مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔" میں نے سرد سفاک لہجے میں کہا۔

اس اثناء میں فوبی کھڑی ہو گئی تھی۔ میں کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چمکتی ہوئی چیز دیکھ کر میں نے خیام کو خبردار کرنا چاہا مگر وہ حملہ کر چکی

تھی۔ خیام زمین پر گر گیا۔ اس کی گردن سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ فوبی اس کی پشت پر خنجر کا دوسرا وار کرنے کے لئے پر تول رہی تھی۔

"فوبی! اگر تم نے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔" میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

فوبی کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے خنجر نیچے پھینک دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ہونٹ کپکپانے لگے۔ پھر وہ اٹھ کر ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔ پھر وہ رونے لگی۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" خیام نے کپڑے پہنتے ہوئے کہا۔ اس کی گردن پر لگنے والا زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ وہ باری باری میری اور فوبی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت بھری تھی۔

"میرا نام جاننا تمہارے لئے کوئی ضروری نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہیں یہاں سے لے جانے کے لئے آیا ہوں۔"

"وہ کس لئے؟" اس نے غراتے ہوئے مجھے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

"تمہیں سلاخوں کے پیچھے پہنچانے کے لئے۔ اس کے بعد تمہارا کیا حشر ہو گا' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" میں نے کہا۔

"کیا تم یہودیوں کے لئے کام کر رہے ہو؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نہیں .... میں یہودیوں کا ایجنٹ نہیں ہوں۔" میں نے سر ہلایا۔

"پھر تم مجھے کیوں لے جانا چاہتے ہو؟ وہ لوگ میرے خلاف مقدمہ چلائیں گے اور جانتے ہو کہ میں اب کسی قسم کی سختیاں برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ میں نے تو دوسروں کے مقابلے میں کسی پر اتنا ظلم نہیں کیا۔"

"تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے۔ میں تمہیں اس لئے واپس لے جانا چاہتا ہوں کہ لوگ یہ جان سکیں کہ تم مرے نہیں تھے اور یہ کہ تم پیٹر کاٹو نہیں ہو بلکہ افغانستان میں کیمپ نمبر ایک کے نائب ایس ایل خیام ہو۔" میں نے کہا۔

"روسی مجھے قتل کر دیں گے۔" وہ گھگیایا۔

"اس کا امکان ہو بھی سکتا ہے یا نہیں بھی لیکن یہ سوچنا میرا دردِ سر نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو یا نہیں' یا میں تمہاری ٹانگوں پر گولیاں مار کر تمہیں اپنے کندھے پر لاد لوں۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"سنو.........." خیام کے چہرے پر انتہائی خوف کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا دامن تھام لیا۔ "میں تمہیں ایک ایسے آدمی کا پتہ بتا سکتا ہوں جو مجھ سے زیادہ اہم ہے۔ مارٹن بورمن کو اس وقت ساری دنیا تلاش کر رہی ہے۔" وہ بھیک مانگتی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے۔ تم اپنے قدموں سے چل رہے ہو یا.........؟"

میں یہ کہتا ہوا فوبی کی طرف گھوم گیا۔ "ہم ناریل کے درختوں میں سے نکلیں گے۔ کار وہاں ایک جھنڈ میں چھپی ہوئی ہے۔" فوبی نے اثبات میں سر ہلایا اور خیام کی طرف دیکھنے لگی۔ میں نے خیام کو پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ ہم مکان سے نکل کر درختوں میں سے ہوتے ہوئے ساحل کی طرف چل دیئے۔ ایک جگہ اچانک ہی خیام مڑ کر پیچھے کی طرف بھاگ نکلا۔ میں فوری طور پر کچھ نہ سمجھ سکا۔ کیونکہ میرے لئے یہ غیر متوقع تھا۔ جب مجھے احساس ہوا تو وہ تقریباً تیس گز دور جا چکا تھا۔

"رک جاؤ۔" میں نے چیختے ہوئے اس سے چند فٹ آگے کی طرف گولی چلا دی اور اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ میں جان توڑ کر دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے ہر قیمت پر خیام کو زندہ پکڑنا تھا۔ اس لئے میں اسے گولی کا نشانہ بنا ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اسے ڈرانے کے لئے دوسرا فائر کر دیا۔ مگر خیام کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ میں بھی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہونے لگا۔ خیام تھک چکا تھا۔ اس کے پیر ریت میں دھنس رہے تھے۔

دفعتاً مجھے سیٹی کی سی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی فضا میں فائر کی آواز گونج گئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ مجھے ایک درخت کی آڑ میں رائفل کی نال دھوپ میں چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں بھگت لال کا نام ابھرا۔ میں اور بھی تیزی سے دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ میں نے خیام پر چھلانگ لگا دی اور ہم دونوں ریت پر لڑھکتے چلے گئے۔ خیام کے منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی' اور وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش میں تھا۔ میں نے اسے زمین پر گرا دیا اور خود اس پر جھک گیا۔ بھگت لال اب براہِ راست خیام کو نشانے پر نہیں لے سکتا تھا۔

"مجھے ہلاک کر دو۔ اس طرح تمہیں فرار کا موقع مل جائے گا۔" خیام نے الجھی ہوئی سانسوں سے کہا۔

"میں تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا خیام! کوئی اور بھی تمہاری تاک میں ہے جس نے تم پر ابھی ابھی گولی چلائی تھی۔ تمہارے زندہ رہنے کا امکان اس صورت میں ہے کہ میرے کہنے پر عمل کرتے رہو۔" میں نے اسے گریبان سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے کون قتل کرنا چاہتا ہے اور تم مجھے بچانا کیوں چاہتے ہو؟" خیام الجھ گیا۔

"احمق آدمی! .... اس کھلی جگہ پر تم دو تین قدم بھی نہیں چل سکو گے تو تمہیں گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔ وہ جو کوئی بھی ہے دوربین والی رائفل سے تمہاری گھات میں بیٹھا ہے۔ اس کا ایک مرتبہ نشانہ خطا ہو چکا ہے لیکن دوسری مرتبہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں اٹھ رہا ہوں۔ تم بھی میرے پیچھے چلتے رہنا۔" میں نے اسے ہدایت کی اس نے سر ہلا دیا۔

"تمہارے خلاف مقدمے کا فیصلہ ہونے میں پانچ چھ سال کا عرصہ لگ سکتا ہے لیکن تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کیا تو پھر تم دو تین منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکو گے۔ میں تمہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اپنے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لو۔"

میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ خیام خاموشی سے میرے پیچھے چلنے لگا۔ ہم دونوں ایک بار پھر درختوں کے جھنڈ میں گھس گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے درختوں کی آڑ میں قریب جانے کا موقع مل جائے تو بھگت لال کو اپنے پستول کی زد میں لے سکتا ہوں۔ تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے ہو گیا۔ خیام خاموشی سے میرے پیچھے چل رہا تھا۔ کچھ اور فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم درختوں سے باہر نکل آئے۔ بائیں طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر فوبی کا مکان نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً خیام نے میرے سر کے عقبی حصے پر ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا اور پوری قوت سے مکان کی طرف دوڑنے لگا۔ میں منہ کے بل ریت پر گرا۔ جب میں سیدھا ہوا تو وہ دس گز دور جا چکا تھا۔ اسی وقت مجھے سامنے دھوپ میں کسی چمکتی ہوئی چیز کا عکس نظر آیا۔ میں نے چیخ کر خیام کو خبردار کرنا چاہا لیکن وقت گزر چکا تھا۔ خیام دوڑتے دوڑتے ایک دم اس طرح رک گیا جیسے اسے کسی نادیدہ ہاتھ نے تھام لیا ہو۔ دوسرے ہی لمحے وہ دھڑام سے ریت پر گر گیا۔ میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ خیام سینے کے بل بے حس و حرکت پڑا تھا۔ میں نے اسے سیدھا کیا۔ اس کی دائیں آنکھ میں گہرا سوراخ بن چکا تھا جس سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔

وہ ختم ہو چکا تھا اور میری ساری محنت پر پانی پھر چکا تھا۔ میں نے درختوں کی طرف

دیکھا۔ رائفل کی نال اب بھی دھوپ میں چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس وقت بھگت لال مجھ پر سبقت لے گیا تھا۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ خیام کی لاش بھی میرے لئے سودمند ثابت ہو سکتی تھی لیکن اس کا انحصار فوبی پر تھا۔ میں نے جھک کر لاش کو کندھے پر لاد لیا اور ایک طرف کو چل دیا۔ میری کار وہاں سے تیس گز کے فاصلے پر تھی جہاں فوبی میری منتظر تھی۔

☆======☆======☆

میرا سانس بری طرح پھول چکا تھا۔ کار کے نزدیک کھڑی فوبی مجھے دیکھ کر میری طرف تیزی سے لپک کر آئی۔ پھر وہ خیام کی لاش کو دیکھ کر بڑبڑاتی ہوئی بولی۔ "ایں یہ تو مر چکا ہے۔"

"شاید.........." میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"اس سے پہلے کبھی میں نے لاش نہیں دیکھی۔" فوبی کا لہجہ عجیب سا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے کار کا دروازہ کھول کر لاش کو پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور پھر اوپر سے گھوم کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ فوبی بھی میرے پہلو میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے میری ران سہلانے لگی۔ میں نے اس کے چہرے سے قیاس کیا کہ اس وقت وہ اپنے آپ میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی ہے۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ پھر اگنیشن میں چابی گھما دی۔

"میں تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہوں۔" فوبی نے ایک گہری سانس لی۔

"یہ پیار و محبت میں کھو جانے کا موقع نہیں ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے کار کچے راستے پر آگے بڑھا دی۔

چند ثانیوں کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ "خیام کا مکان کہاں ہے؟"

"یہاں سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر سوانا لامار کی طرف۔" فوبی نے جواب دیا۔

"کیا تمہیں اس کے ماضی کی کسی یادگار کے بارے میں کچھ علم ہے .... کوئی تصویر، شناختی کاغذات، یا کوئی خط وغیرہ؟" میں نے دوبارہ اس سے دریافت کیا۔ "اس نے کبھی ان چیزوں کا تم سے تذکرہ کیا؟"

"وہ مجھے اپنی سینکڑوں تصویریں دکھا چکا ہے۔ اس کے پاس کچھ ریکارڈ بکس بھی

موجود ہیں۔" فوبی نے بتایا۔

"کیا تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ اس نے وہ چیزیں کہاں رکھ چھوڑی ہوں گی؟" میں نے دریافت کیا۔

وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "میں یقینی طور پر اس کے بارے میں کچھ بتا نہیں سکتی۔"

اتنا کہہ کر اس نے مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ کسی عابد و زاہد کا ایمان بھی متزلزل ہو جائے۔ "اگر تم نے فی الحال یہ حرکتیں بند نہیں کیں تو میں تمہیں چھوڑ جاؤں گا۔"

میں نے اسے دھمکی دی تو وہ فوراً سنبھل گئی۔ پھر اس نے مدھم لہجے میں اقرار کر لیا کہ اسے خیام کی چیزوں کے بارے میں ہے کہ وہ کہاں رکھتا ہے۔ اس نے وہ جگہ دیکھی ہوئی ہے۔

"لیکن اس وقت تو اس کی بیوی گھر پر ہوگی .... ہم انہیں کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟"

"نہیں .... وہ گھر پر نہیں ہے۔ آج صبح اس نے اپنی بیوی کو مونٹی گبو بھیج دیا تھا .... اگر وہ گھر پر ہوتی تو اس کے پیچھے ضرور میرے گھر پہنچ جاتی۔ گھر کی ملازمہ مجھے جانتی ہے۔ میں بے دھڑک اندر جا سکتی ہوں۔" فوبی نے بتایا۔

کیلے کے باغات اور جنگل میں تقریباً بیس منٹ تک سفر کرنے کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں کچھ فاصلے پر پام کے درختوں میں انگریزی کے حرف ایل کی طرح سفید رنگ کی ایک مختصر سی عمارت نظر آ رہی تھی۔ عمارت کے سامنے پھولوں کی کیاریاں اور سرسبز لان پھیلا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی مکان کے سامنے روک دی۔ ایک مالی نے سرسری انداز میں کار کی طرف دیکھا اور رخ بدل کر پودوں کو پانی دینے لگا۔ میں نے کار کا رخ موڑ لیا۔

"میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا .... اگر تم پانچ منٹ تک نہیں لوٹیں تو میں چلا جاؤں گا۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم مجھے یہاں چھوڑ کر نہیں جا سکتے ...." فوبی کی آنکھوں میں ہلکا سا خوف جھلک آیا۔

"دیر نہ کرو .... میں یہاں زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتا۔" میں نے تیزی سے

کہا۔

فوبی نے ایک مرتبہ میری طرف مڑ کے دیکھا اور مکان میں داخل ہو گئی۔ میرے لئے وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ کار میں انسانی خون کی بو پھیلنے لگی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ کچے راستے پر کار کو لگنے والے جھٹکوں کی وجہ سے خیام کی لاش سیٹ سے لڑھک کر فرش پر گر چکی تھی مگر اس کا ایک ہاتھ اب بھی اوپر اٹھا ہوا تھا۔

فوبی جب مکان سے باہر نکلی تو وہ خالی ہاتھ تھی۔ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر میرا خون کھول گیا۔ فوبی چھلانگیں لگاتی ہوئی قریب پہنچ گئی۔ کار میں بیٹھتے ہی اس نے قمیض کے نیچے چھپا ہوا ایک بڑا سا خاکی رنگ کا لفافہ نکال کر میری گود میں ڈال دیا۔

"سب کچھ اس میں ہے۔" اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

لفافے میں تصویروں کا ایک پیکٹ بھی تھا۔ میں جلدی جلدی تصویریں دیکھنے لگا۔ ایک تصویر میں وہ مجاہدین کے لباس میں امریکی فوجی کمانڈر سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ یہ تصویر اصل تھی۔ روسی کوشش کے باوجود اسے جعلی ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ لفافے میں خیام کی ملٹری سروس کی ریکارڈ بک بھی تھی جس میں اس کی تصویر کے علاوہ سویلین کیریئر کی تفصیل بھی درج تھی۔ پھر میں نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ابھی ایک مشکل ترین مرحلہ باقی تھا۔ بھگت لال شکاری کتے کی طرح میرے تعاقب میں تھا اور مجھے خیام کی لاش کے ساتھ اس جزیرے سے نکلنا تھا اور یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ اگر میں قانونی طریقے سے نکلتا ہوں تو پھر پولیس کے حکام مجھ سے طرح طرح کے سوالات کریں گے اور میری بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا کہ خیام طبعی موت مرا ہے۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ بھگت لال کو پتا چل گیا کہ میں لاش ساتھ لے جانے کی کوشش کر رہا ہوں تو وہ میری ہر کوشش کو ناکام بنا دے گا۔ پھر میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ ڈالر قدم قدم پر ساتھ دے سکتا ہے۔ وہ جس طرح کام آ سکتا ہے اس طرح کوئی کام نہیں آ سکتا۔ برونر کے دو لاکھ ڈالر میرے پاس موجود تھے۔ اس میں مقامی کرنسی سے کہیں زبردست قوت تھی۔ فوبی کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے ہم جنگل سے نکل کر زگل سے سات میل دور مونٹی گبو کی طرف جانے والے راستے پر نکل آئے۔ میں نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ فوبی کا چہرہ اب ڈھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ وہ باہر نکل کر

لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ میں نے لاش کو سیٹ کے درمیان اس طرح چھپا دیا کہ وہ باہر سے نظر نہ آ سکے۔ یہ انتظام کرنے کے بعد ہم دوبارہ آگے روانہ ہو گئے۔ میں نے جزیرے سے نکلنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ میں کنگسٹن کی طرف جائے بغیر لاش کو اسمگل کرنے کی سوچ رہا تھا۔ اس مقصد کے لئے کسی طیارے کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ یہ کام کسی کشتی سے لیا جا سکتا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد ہم بندرگاہ کے نواح میں پہنچ گئے۔ میں نے کار روک کر ایک دکان سے تین تولیے خریدے اور انہیں لاش کے اوپر ڈال دیا۔ دوسری مرتبہ میں نے کار ریڈ بیرل کے سامنے روکی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ مالک بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ قدموں کی آواز سن کر وہ اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ رم کے تین گلاس پینے تک میں خاموش رہا۔ پھر میں نے جیب سے سو ڈالر کا ایک نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"مثال کے طور پر اگر تم غیر قانونی طور پر کوئی چیز کشتی کے ذریعے یہاں سے باہر لے جانا چاہو تو کیا کرو گے؟"

بار کے مالک نے اس طرح حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے میرا مطلب نہ سمجھا ہو لیکن سو ڈالر کا نوٹ سب کچھ سمجھانے کے لئے کافی تھا۔ یہ امریکی ڈالر تھا۔ ہانگ کانگ ڈالر نہ تھا۔

"اگر میرے سامنے ایسا کوئی مسئلہ درپیش ہو تو میں بندرگاہ کے قریب شاپارک کلب میں کیپٹن فریڈ ہیری سے رابطہ قائم کروں گا.........." اس نے نوٹ مٹھی میں آہستگی سے دباتے ہوئے جواب دیا تھا۔

تین منٹ کے بعد میں کار میں پہنچ چکا تھا۔ فوبی دہشت زدہ سی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک سفید فام لڑکی کو تنہا دیکھ کر کئی مقامی آوارہ لڑکے کار کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے کوئی بھی کار میں خون کی بو محسوس نہیں کر سکا تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کار اسٹارٹ کر دی۔

شاپارک کلب، کسی کلب سے زیادہ گودام لگ رہا تھا۔ قریب ہی ڈاکس پر وہ کشتیاں تھیں جن پر کیلے لادے جا رہے تھے۔ یہ کشتیاں زیادہ تر پرانی تھیں۔ ان پر لگے ہوئے رنگ برنگے جھنڈے تیز ہوا میں چیتھڑوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ میں نے کار سے اترتے ہوئے پستول سیٹ پر رکھ دیا۔ کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھے اس جگہ پستول استعمال

کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس طرح فوبی کو بھی اطمینان رہے گا۔ کلب کے دروازے کے قریب سفید بالوں والا نیگرو ہونٹوں میں پائپ دبائے معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ جسم پر بہترین سوٹ ہونے کی وجہ سے میں فوراً ہی دوسروں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ یہ ایک طرح اچھا ہی ہوا کہ میں فوبی کو باہر چھوڑ آیا تھا۔ میرے لئے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس جزیرے پر جرمن کے علاوہ نیگرو بھی تھے۔

کلب کے دروازے کے قریب ہی ایک ملیاری پولیس مین اسٹول پر بیٹھا توند نکالے رم پی رہا تھا۔ مختلف میزوں پر ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ جنہیں شکاری لڑکیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ وہ اپنی بے حجابی کی مختلف انداز سے نمائش کر رہی تھیں۔ ایک چھوٹا سا ڈانس فلور بھی تھا لیکن اصل شو تو کاؤنٹر کے قریب ہو رہا تھا۔ ایک برہنہ لڑکی بے معنی اچھل کود کر رہی تھی۔ ایک عجیب طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔

میں نے ایک ملیاری ویٹر کو کندھے سے پکڑ لیا۔ میں نے چیخ کر پوچھا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ فریڈ ہیری کہاں ہے؟"

ویٹر نے دروازے کے قریب ایک میز کی طرف اشارہ کر دیا۔ جہاں تین آدمی اور دو سیاہ فام لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ "فریڈ ہیری.........." میں ان کے قریب پہنچ کر سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ٹوٹی ہوئی ناک والے ایک فربہ اندام آدمی نے سرسری نگاہ سے میری طرف دیکھا اور پھر کاؤنٹر کے قریب ڈانس کرتی ہوئی برہنہ لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"مجھے ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے جو ایک ہزار امریکی ڈالر کمانے کا خواہشمند ہو۔" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ فربہ آدمی کو میری بات سمجھنے میں پورا ایک منٹ لگا۔

"کیا یہ رقم تم مجھے دینا چاہتے ہو؟" اس نے ساتھ بیٹھی ہوئی بری لڑکی کے شانے سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں.......... لیکن میں تم سے پہلے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

فریڈ ہیری فوراً ہی اٹھ کر میرے ساتھ چل دیا۔ میں نے دیواری شیشے سے باہر

دیکھا۔ پائپ پیتا ہوا نیگرو اب بھی باہر ٹہل رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریڈ ہیری رک گیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس کشتی ہے؟"

فریڈ ہیری نے ایک خاصی پرانی کشتی کی طرف اشارہ کیا جس پر کیلے لادے جا رہے تھے۔ کشتی پر سوامی نام لکھا ہوا تھا۔

"تم یہاں سے کب روانہ ہو رہے ہو؟" میں نے کشتی کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"اگر لوڈنگ مکمل ہو جائے تو کل صبح سویرے ہم ساحل چھوڑ دیں گے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تم ایک ہزار امریکی ڈالر کمانا پسند کرو گے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ کوئی بے وقوف ہی ہو گا جو اس پیشکش کو ٹھکرا دے۔ تم کیا چیز بھیجنا چاہتے ہو؟" اس نے زمین پر تھوکتے ہوئے کہا۔

"میں کسی کو ممبئی یا مدراس کی بندرگاہ تک بھیجنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اور وہ شاید خود تم ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

میں نے کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے جس کو بھیجنا ہے وہ کار میں موجود ہے۔"

فریڈ ہیری کار کے قریب آ گیا۔ "اوہ' ایک ہزار ڈالر کی پیشکش کے ساتھ یہ لڑکی سفر خوشگوار رہے گا۔ ...."

فولی کو دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ "اسے نہیں اسے لے جانا ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر تولیہ اٹھا دیا۔

لل .... لل .... لیکن .... یہ تو لاش ہے۔" فریڈ ہیری جلدی سے اپنے سینے پر کراس کا نشان بنانے لگا۔

"اگر یہ زندہ ہوتا تو تمہیں ایک ہزار ڈالر کی پیشکش نہ کرتا۔" میں نے بے پرواہی سے کہا۔

"یہ انتہائی خطرناک کام ہے۔ تم ایک لاش کو یہاں سے کیوں لے جانا چاہتے ہو؟" اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"یہ سوچنا میرا کام ہے۔ تم اسے لے جانے کے لئے تیار ہو یا نہیں؟" میں نے تیز

لہجے میں کہا۔

"لیکن میں اسے وہاں کس کے حوالے کروں گا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم لاش کو ممبئی پولیس کے حوالے کر دینا یا پھر روسی قونصل خانے کے .... تمہیں کچھ انعام بھی مل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا .... لاش لے کر پولیس کے پاس پہنچ جاؤں؟ میں تو یہی سمجھا تھا کہ شاید تم اسے سمندر میں کہیں ضائع کر دینے کی ہدایت کرو گے؟" اس نے میری طرف حیرت سے دیکھا۔

"یہ لاش میرے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اگر تم اسے سمندر میں پھینک دو گے کہ تمہیں دس روپے کا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ پولیس تمہیں ذرا بھی پریشان نہیں کرے گی۔ اس کے برعکس جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں تمہیں انعام مل جائے گا۔ یہ شخص پولیس کو مطلوب تھا اور اس کی گرفتاری پر انعام کا اعلان بھی کیا جا چکا تھا۔"

میں نے اس کے چہرے سے محسوس کر لیا کہ وہ میری بات کا قائل نہیں ہوا ہے۔ میں نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی۔ پھر اسے بلامقصد ایک سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرنے لگا۔ نوٹ دیکھ کر اس کی رال ٹپک پڑی۔ "میں دو ہزار ڈالر لوں گا۔"

میں نے اسے آمادہ پا کر ایک ہزار ڈالر کے نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "آدھی بقایا رقم تمہیں ممبئی پہنچنے کے بعد ملے گی۔ اس طرح مجھے یہ خدشہ نہیں رہے گا کہ پوری رقم وصول کر کے تم لاش سمندر میں پھینک دو گے .... ہاں ایک بات اور .... کسی کیمسٹ سے فرمالڈی ہائیڈ کی ایک بوتل اور ہائپوڈرمک سرنج خرید لاؤ .... میں اس لاش کو بالکل صحیح حالت میں وہاں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس قسم کے کام کے لئے دو ہزار ڈالر کی رقم کم ہے۔" اس نے کہا۔

"تم نے ایک ہزار سے دو ہزار کر دیئے اور اب مزید پھیل رہے ہو۔ میں مزید پانچ سو ڈالر اور دے دوں گا۔" میں نے کہا پھر اسے لاش کو کشتی میں منتقل کرنے کی ہدایت کی۔

ہم دونوں کشتی کے نزدیک آ گئے۔ کسی زمانے میں اس پر نیلا رنگ کیا گیا ہو گا۔ مگر اب کوئی رنگ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس پر صوبہ ملیبار کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ فریڈ ہیری ہم دونوں

کو رکنے کا اشارہ کر کے دوبارہ کار کی طرف چلا گیا اور خیام کی لاش کو اس طرح سے کندھے پر اٹھالایا جیسے اس نے بہت پی رکھی ہو۔ اس وقت تک خیام کی لاش اکڑنا شروع ہو گئی تھی لیکن کشتی پر کام کرنے والے کسی مزدور نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ لاش کو چھوٹے سے کیبن میں رکھنے کے بعد فریڈ ہیری نے ایک ملازم کو مطلوبہ سیال اور سرنج لینے کے لئے بھیج دیا اور خود لکڑی کا ایک صندوق اٹھالایا۔ میز کی دراز میں ہتھوڑی اور کیلیں تلاش کرنے لگا۔ ہم تینوں لاش کے قریب بیٹھ گئے۔ فریڈ ہیری نے رم کی بوتل منہ سے لگالی تھی۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد دروازے پر دستک کی آواز سن کر فریڈ ہیری باہر نکلا اور جب وہ دوبارہ اندر داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں زرد سیال سے بھری ہوئی ایک بوتل اور سرنج موجود تھی۔ جو اس نے میرے حوالے کر دی۔ میں نے سرنج میں سیال بھرا اور سوئی لاش کی گردن میں داخل کر دی۔ مجھے اس کام میں کوئی آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ پھر فریڈ ہیری کی مدد سے لاش کو صندوق میں رکھ دیا۔ پھر میں نے روسی قونصل کا نام پتا لفافے پر اور خیام کے بارے میں کاغذ پر یہ لکھا۔ یہ اصل خیام ہے جس نے روسیوں کو افغانستان میں کتوں کی موت مارا۔ کاغذات اور ثبوت ڈاک سے وصول ہو جائیں گے۔ میں نے لفافہ لاش پر رکھ دیا۔ میرا اشارہ پا کر اس نے ڈھکنا بند کر دیا اور کیلیں ٹھونکنے لگا۔ میں اسے مزید چند ہدایات دے کر باہر آیا۔ فریڈ ہیری نے بتایا کہ وہ اپنی رات ہوٹل میں ایک لڑکی کے ساتھ بسر کرے گا۔ سویرے وہ کشتی لے کر روانہ ہو جائے گا۔

پھر میں فوبی کو ساتھ لے کر ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی ناشائستہ حرکتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لئے کہ میں نے اس سے کہا تھا کہ ہم ہوائی جہاز سے اس جزیرے سے ابھی اور اسی وقت نکل جائیں گے۔ وہ یہ سن کر خوشی سے دیوانی ہو گئی۔ اپنی خوشی اور جذبات پر قابو نہ پا سکی تھی۔ راستے میں کار حادثے کا شکار ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

پھر وہ ایک دم سے بڑبڑائی۔ "پچ...... پچ......"

"پچ کیا مطلب؟" میں نے اس کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"میرا کتا...... میں اس کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتی۔" فوبی نے جواب دیا۔

"دہلی اور ممبئی میں کتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ نسل کے کتے مل

جاتے ہیں۔ میں تمہیں وہاں سے خرید دوں گا۔"

"میں اس کے بغیر نہیں جا سکتی ...... کیونکہ میں اس کی واحد دوست ہوں۔ اگر میں نے اسے یہاں چھوڑ دیا تو لوگ اسے مار ڈالیں گے۔" فوبی سسکیاں بھرنے لگی۔ "وہ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے۔"

میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنے چھوٹے دل کی ہو گی کہ ایک کتے کے لئے رونے لگے گی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"یہ رونا دھونا بند کرو۔ چند گھنٹوں کی بات ہے تم اس جزیرے کی زندگی، اور جہنم سے بہت دور نکل چکی ہو گی۔ یہ سوچو کہ اب تمہیں ایک نئی اور حسین زندگی کی ابتدا کرنی ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ کار چھوٹے سے ہوائی اڈے پر پہنچ گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ چلو ...... ٹکٹ بک کروا لیتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ کار میں بیٹھ کر میرا انتظار کرے گی۔ میں کار سے اتر کر ٹرمینل کی طرف بڑھ گیا۔

میں اس کا جواب سن کر اندر داخل ہو گیا۔ صرف ایک شخص کاؤنٹر پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ روزانہ صرف ایک فلائٹ ہے۔ وہ صبح نو بجے دہلی جاتی ہے۔ میں نے دو سیٹیں بک کرا لیں۔ پھر ہم ایئرپورٹ سے اس علاقے میں آئے جہاں پانچ ہوٹل تھے۔ اس میں صرف ایک ہوٹل فائیو اسٹار تھا۔ میں نے اس ہوٹل میں کمرہ بک کرایا۔ پھر میں اپنا سوٹ کیس اور فوبی کو لینے باہر آیا۔ میں ڈگی سے سوٹ کیس نکال کر ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھا۔ فوبی نے مجھ سے کہا کہ وہ گاڑی پارک اور مقفل کر کے آ رہی ہے۔ میں جیسے ہی گیٹ پر پہنچا' کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ میں سوٹ کیس رکھ کر لپکا۔ فوبی کار لے اُڑی تھی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔

☆======☆======☆

اندھیرے میں کھٹکے کی ہلکی سی آواز سن کر فوبی نے کتے کو پکارا۔ پھر وہ آگے بڑھنے لگی۔ دو گھنٹے پہلے جب وہ ہوٹل کے سامنے سے کار لے کر بھاگی تھی تو اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اسے اپنے کتے سے اس قدر انس پیدا ہو گیا تھا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر مجھے چھوڑ کر بھاگ آئی تھی لیکن اب وہ پچھتا رہی تھی۔ پچ کا بھی کچھ پتا نہیں تھا

اور وہ جلد سے جلد میرے پاس جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی لیکن یہ فیصلہ اس نے بہت تاخیر سے کیا تھا۔ دفعتاً ایک ہاتھ نے اس کا گلا دبوچ لیا۔ اس کی کمر پر بھی کسی کی گرفت جم چکی تھی۔ پھر اس نے یوں من مانیاں شروع کیں کہ وہ اس کے لئے اذیتناک اور ناقابلِ برداشت ہوتے لگیں۔ ہڈیوں کی طرح سوکھی ہوئی انگلیاں اس کے جسم میں چبھ رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی لیکن وہ اگلے لمحے ہی ہوا میں اڑتی ہوئی پلنگ پر جا گری تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنی گردن پر کسی ٹھنڈی چیز کا احساس ہوا۔

"چیخنے یا شور مچانے کی کوشش نہ کرنا .... ورنہ بلا دریغ قتل کر دوں گا۔" کسی نے غرا کر کہا۔

پھر اس کے ہاتھ پیر باندھے جانے لگے۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی کہ میں پہنچ جاؤں۔ باندھنے کے بعد اس آدمی نے اسے سیدھا کیا اور لیمپ جلا دیا۔ روشنی ہوتے ہی اس کی نظر کتے پر پڑی جو خون میں لت پت دروازے کے قریب بے حس و حرکت پڑا تھا اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ پلنگ سے نیچے اترنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس آدمی نے اسے دوبارہ پلنگ پر پٹخ دیا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ دہشت زدہ نظروں سے اس دبلے پتلے اجنبی کی طرف دیکھنے لگی جس کی پیشانی پر بالوں کے قریب زخم کا ایک بڑا سا نشان نظر آ رہا تھا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے دوست نے اس لاش کا کیا کیا؟" اجنبی نے سفاک لہجے میں پوچھا۔

"یہ بتاؤ .... تم نے میرے کتے کو کیوں مارا؟" فوبی نے سسکی بھری۔

وہ دبلا پتلا اجنبی بھگت لال تھا۔ اس نے فوبی کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ فوبی کی سسکیاں رک گئیں۔ وہ خوف و دہشت سے کانپ اٹھی۔ وہ پٹائی کی عادی تھی۔ اسے اذیت اٹھا کر لطف ملتا تھا لیکن آج معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اس اجنبی نے اسے لذت پہنچانے کے لئے نہیں پیٹا تھا بلکہ وہ اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا تھپڑ پہلے سے زیادہ بھرپور تھا۔ وہ اسے بری طرح پیٹ رہا تھا لیکن فوبی کے ذہن پر ایک ہی خیال مسلط تھا کہ بس آخری بار کتے کی لاش کو سینے سے لگا کر اسے پیار کر لے۔ بھگت لال نے خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی آخری امید تھی اور چار

گھنٹوں سے اس کونے میں دبکا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے گھر کا پتا بھگت لال کو سن زونرز ہوٹل کے مالک سے معلوم ہوا تھا۔

اس نے جیب سے ایک درمیانہ سائز کی ڈبیا نکالی جس میں ایک سرنج اور بے رنگ سیال کی چھوٹی شیشی تھی۔ بھگت لال اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت ایذا اور تشدد کی بجائے اس سیال کا ایک انجکشن مفید ثابت ہو گا۔ یہ سیال خون میں شامل ہوتے ہی قوتِ ارادی کو کمزور کر دیتا تھا اور اس طرح شکار سے مطلب کی بات اگلوائی جا سکتی تھی۔ وہ سرنج میں سیال بھرنے لگا۔ فوبی سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا لیکن جسم کو حرکت مت دینا۔" بھگت لال نے کہا۔

فوبی کی نظریں کتے کی لاش کی طرف اٹھ گئیں۔ پھر دوبارہ وہ بھگت لال کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اتنا سمجھتی تھی کہ یہ انجکشن معلومات اُگلوانے کے لئے دیا جا رہا ہے لیکن اتنا سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کون سی بات چھپانی چاہئے۔ یہ سب کچھ اس کے لئے ایک خوفناک خواب کی طرح تھا۔ اسے دائیں بازو میں سوئی کی ہلکی سی چبھن محسوس ہوئی۔ چار سی سی سیال جسم میں منتقل ہونے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ انجکشن لگانے کے بعد بھگت لال اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ ایک منٹ تک فوبی کو کچھ محسوس نہیں ہوا۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے ذہن پر دھند چھا رہی ہو۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جب دوبارہ آنکھیں کھولیں تو کتے کی لاش بہت دور ایک چھوٹے سے دھبے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اسے اپنے اوپر جھکے ہوئے آدمی کے چہرے پر ہمدردی کے تاثرات دکھائی دے رہے تھے۔

"میرا نام بھگت لال ہے۔ اپنا نام بتاؤ۔" فوبی کو مدھم سی آواز سنائی دی۔

اس نے اپنا نام بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کے مسام پسینہ اُگل رہے ہوں اور اس کے اندر بے پناہ طاقت آ گئی ہو۔ وہ اپنے آپ کو اس آدمی سے دس گنا طاقتور سمجھنے لگی تھی اور سوچ رہی تھی اسے ایک ہاتھ سے اٹھا کر کئی فٹ دور اچھال سکتی ہے لیکن اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے اعضا اس کے دماغ کے تابع نہیں رہے تھے۔ بھگت لال نے گھڑی دیکھی۔ سات منٹ

گزر چکے تھے اور فوبی نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر اس سیال کے اثرات دیکھ رہا تھا اور اب موقع تھا کہ فائدہ اٹھایا جائے۔

"تمہارے دماغ میں اس وقت کیا ہے؟" بھگت لال نے اس سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"کشتی پر.........." فوبی نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے تحت الشعور سے اٹھنے والی کسی لہر نے اس کی زبان بند کر دی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ کہنے لگی۔ "کشتیاں.......... کشتیاں.......... مجھے کشتیاں بہت پسند ہیں.......... میں سمندر سے بہت محبت کرتی ہوں۔"

بھگت لال نے اس کی آواز کی تبدیلی فوراً ہی نوٹ کر لی۔

"کیا تم نے اپنے دوست کے ساتھ کوئی کشتی دیکھی تھی؟" بھگت لال نے سوال کیا۔

فوبی نے سر ہلا دیا مگر کہا کچھ نہیں۔ اب اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے بھی ابھرنے لگے تھے۔ چند سیکنڈ بعد اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ پھر بند ہو گئیں۔ اس سیال کا اثر پندرہ منٹ تک رہتا تھا۔ اس کے بعد خود بخود زائل ہو جاتا تھا۔ بھگت لال نے ایک اور انجکشن لگا دیا۔ فوبی نے چند ثانیوں کے بعد آنکھیں کھول دیں۔ وہ دوبارہ اسی کیفیت میں اپنے آپ کو بے پناہ طاقتور محسوس کر رہی تھی۔ بھگت لال جھک کر نرم لہجے میں سوالات کرنے لگا۔ پینتیس منٹ بعد وہ کمرے سے نکلا تو مطلوبہ معلومات حاصل کر چکا تھا۔ باہر آنے سے پہلے اس نے فوبی کے ہاتھ پیر کھول دیئے۔

بھگت لال کے جانے کے ایک گھنٹے بعد میں وہاں پہنچا لیکن مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ مجھے یہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ فوبی پلنگ کی پٹی پر بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی اور کتے کی لاش اس کے سینے پر تھی۔ فوبی کی آنکھیں اس طرح کھلی ہوئی تھیں جیسے کسی مرکز پر جمی ہوئی ہوں۔ میں نے اسے ہلایا جلایا لیکن اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں اس کے سینے پر جھک گیا۔ فوبی کے دل کی دھڑکن بہت معمولی تھی۔ اس وقت مجھے فوبی کے بازو پر انجکشن کے دو نشان دکھائی دیئے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس پر کیا بیتی ہو گی۔ اس کا جسم انگارے کی طرح تپ رہا تھا نبض بھی ڈوبتی جا رہی تھی۔ میں ڈاکٹر نہیں تھا۔ میں نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ تب جیسے وہ اس چراغ کی طرح بھڑکی جو بجھنے سے پہلے بھڑکتا ہے۔

"تم.........." اس کے جسم اور ہونٹوں میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔

پھر اس نے دس منٹ میں مختصر الفاظ میں مجھے رک رک کر جو بتایا وہ بہت کچھ تھا۔ پھر چراغ کی لو مدھم پڑنے لگی۔ میں پھر شکستہ دلی سے باہر نکل آیا۔ آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ فوبی کی بڑی بڑی جھیل جیسی ستارہ آنکھیں جنہیں میں ساری زندگی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ میرا دل صدمے سے دوچار تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ بھگت لال تم اس کی موت کے ذمے دار ہو.......... کاش! میں تم سے حساب بے باق کر سکوں۔

اس نئی صورتِ حال نے میرے دل میں کچھ خدشات پیدا کر دیئے تھے۔ میں نے کشتی پر جانے کے بارے میں سوچا لیکن میں یہ جانتا تھا کہ بھگت لال وہاں میرا منتظر ہو گا۔ اس لئے میں نے ارادہ بدل دیا۔ ہوٹل میں آ کر بستر پر گر گیا۔ ڈھائی بج چکے تھے۔ میں بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ فوبی کا چہرہ بار بار میری نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا جیسے اس کی چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہوں۔ بالآخر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ ایک بھیانک خواب کے تاثر سے میری آنکھ کھل گئی۔ بھگت لال مجھ پر ریوالور تانے کھڑا ہوا تھا۔ وہ ٹریگر دبانا ہی چاہتا تھا کہ میں اچھل کر بستر سے نیچے گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی فائر ہوا تھا اور اب میں پلنگ کے قریب کھڑا سوچ رہا تھا کہ گولی چلنے کی آواز حقیقت تھی یا خواب تھا۔ میں کھڑکی کے پاس آیا جہاں سے چاندنی رات میں سمندر کا چمکتا ہوا پانی دکھائی دیا۔ بہت دور ایک چھوٹے جہاز سے گاڑھا دھواں اٹھتا نظر آ رہا تھا۔ اسے شاید آگ لگ گئی تھی۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور دہلا دینے والا خیال ابھرا۔ میں نے نیند میں دھماکے کی آواز سنی تھی اور اب ایک جہاز جلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں تیزی سے باہر کی طرف دوڑا۔ جب میں بند گارہ پر پہنچا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ وہی کشتی تھی جس میں خیام کی لاش تھی۔ وہ ایک زبردست دھماکے سے تباہ ہو چکی تھی اور پانی پر اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑے جل رہے تھے۔ بھگت لال ایک بار پھر مجھ پر سبقت لے گیا تھا۔

☆======☆======☆

میں نے ممبئی پہنچ کر ہوٹل میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک ایسے علاقے میں جہاں انسان اور حیوان کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ وہاں کے کسی ہوٹل میں میں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ یہ علاقہ، طوائفوں، شرابیوں اور رہزنوں کا گڑھ تھا۔ طوائفیں بے حجابی اور فحش حرکات سے

راہ گیروں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتیں۔ راہزن دوسروں کو لوٹنے کے چکر میں رہتے۔ ایک آدھ آدمی کو اس کی زندگی سے محروم کر دینا اس علاقے کا روز کا معمول تھا۔ صفائی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر تھے جن سے ہر وقت تعفن اٹھتا تھا۔ یہ علاقہ ہندوستان کی پیشانی پر ایک بدنما داغ تھا۔ یوں تو ہندوستان کا دامن بدنما داغوں سے بھرا پڑا تھا۔ پھر میں نے اس علاقے کے ایک صاف ستھرے ہوٹل میں کمرہ لے لیا اور انور پاشا کو ٹیلی فون کر دیا کہ وہ ممبئی پہنچے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ کیپٹن اینڈرریوف اور بھگت لال کو سبق دے کر ہندوستان سے نکل جاؤں۔ میرے پاس ایسے کاغذات موجود تھے جن سے میں ثابت کر سکتا تھا کہ میں ایس بی خیام نہیں ہوں۔ بھگت لال نے اپنی دانست میں کشتی تباہ کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اصل کھیل کیپٹن اینڈرریوف اور بھگت لال کھیل رہے تھے۔ بھگت لال جانتا تھا کہ میں کون ہوں' کیا ہوں۔ ان دونوں کی سازش اور منصوبہ یہ تھا کہ میں افغانستان میں فارم خرید کر ہیروئن کی کاشت کروں تاکہ وہ اسمگل کر کے ارب پتی بن جائیں۔ اب مجھے سریتا کی تلاش تھی۔ وہ راز پر سے مزید پردے اٹھا سکتی تھی۔ میں انور پاشا کی مدد اور تعاون سے روسی ایجنٹوں سے مقابلہ کر سکتا تھا۔

میں ایک مصروف ترین شاہراہ پر ایک جیولری شاپ کے شوکیس کے پاس کھڑا تھا۔ اوپر ایک بڑا سا چھجا تھا۔ وہاں اور بھی لوگ کھڑے تھے۔ کیوں کہ موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ قدرے فاصلے پر ایک بہت بڑی دکان تھی۔ اس دکان میں سے ایک عورت چھتری لئے نکلی۔ اس کے ایک ہاتھ میں چھتری اور دوسرے ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھا۔ وہ کنارے کھڑی ہوئی ٹیکسی کی طرف بڑھی۔ اس کا چہرہ چھتری کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے پلاسٹک کا رین کوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ اسکرٹ بلاؤز میں تھی۔ رین کوٹ کے نیچے گوری گوری سڈول مکھن جیسی برہنہ پنڈلیاں دیکھ کر میرے ذہن میں ایک ہی نام ابھرا۔ سریتا.......... میں سریتا کی سڈول پنڈلیاں کیسے بھلا سکتا تھا۔ میرے پہنچنے تک ٹیکسی جا چکی تھی۔ میں اس کا چہرہ دیکھ نہیں سکا اور پھر میری گاڑی مخالف سمت میں پارک تھی۔ اس کا تعاقب بھی ناممکن تھا۔

میرا دل یہ کہہ رہا تھا کہ سریتا ممبئی ہی میں موجود ہے۔ اسے تلاش کرنا کچھ ایسا مشکل نہیں ہو گا۔ انور پاشا نے ٹیلی فون پر بتایا تھا کہ وہ دو ایک دن میں ممبئی پہنچنے والا ہے۔

اب میرا کام اور مشن صرف اور صرف سریتا کی تلاش رہ گئی تھی۔ میں آج صبح سے ہی اس کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ ریلوے اسٹیشنوں' بازاروں' بس اسٹاپوں اور ہوٹلوں میں اسے تلاش کرتا رہا۔ میں مایوس نہیں ہوا تھا اور نہ ہی حوصلہ ہارا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اینڈرریوف اور بھگت لال کی بھی تلاش تھی۔ انہیں بھی شاید میری تلاش تھی کہ مجھے جلد سے جلد افغانستان بھیجیں۔ تاہم میں نے دونوں بینکوں میں بیس بیس ہزار کی رقم رکھ کر ساری رقم نکال لی تھی۔ میرے پاس امریکی ڈالر بھی تھے۔ میں نے رقم ایسی جگہ محفوظ کر دی تھی کہ اسے میرے فرشتے بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ میرے پاس حسبِ ضرورت اتنی رقم تھی۔ ضرورت پڑنے پر اور رقم نکال بھی سکتا تھا۔

☆======☆======☆

وہ سریتا ہی تھی۔ میرا دورانِ خون بڑھ گیا۔ اپنے آپ کو اس کی نظروں سے بچانے کے لئے میں فون بوتھ کے پیچھے چھپ گیا۔ سریتا اسکرٹ بلاؤز میں تھی۔ اس کی سڈول پنڈلیاں اور بانہیں عریاں تھیں۔ وہ پہلے سے کہیں حسین دکھائی دے رہی تھی۔ قریب سے گزرتے ہوئے دو آدمیوں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا شیدائی صرف میں اکیلا ہی نہیں ہوں۔

میں بڑی احتیاط سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس نے ایک یوٹیلٹی اسٹور سے کچھ سامان خریدا۔ وہ جس انداز سے دکان کے مالک سے باتیں کر رہی تھی اس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اسی علاقے میں اقامت پذیر ہے۔ سریتا نے سامان دکان پر ہی چھوڑا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے اسے جس عمارت سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا اس کی طرف چل دیا۔ اس کا تعاقب ضروری نہیں سمجھا۔ میں اس کے فلیٹ میں پہنچ کر اس کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایسے ثبوت کی ضرورت تھی کہ کے جی بی بھی جھٹلا نہ سکے۔ یہ ثبوت اس کے فلیٹ سے ہی مل سکتا تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ یہاں کس نام سے رہائش پذیر ہے؟ میں نے اس عمارت کے دربان سے کہا۔ "میری بیوی اس فلیٹ میں مقیم اپنی ایک سہیلی سریتا سے ملنے آئی ہوئی ہے۔ میں فلیٹ نمبر بھول گیا ہوں۔ سریتا بہت ہی خوبصورت عورت ہے۔"

"وہ دوسری منزل پر فلیٹ نمبر بی ٹو میں رہتی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ اپنے فلیٹ میں ہے یا نہیں .... کیوں کہ میں نے ابھی ابھی ڈیوٹی سنبھالی

ہے۔"

پھر میں لفٹ سے دوسری منزل پر آ گیا۔ وہ مقفل تھا۔ میرے لئے تالا کھولنا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ میں نے جیب سے تار نکال کر اسے کھولنا چاہا تو لگا کہ وہ بھڑا ہوا ہے۔ شاید عجلت میں وہ اسے ٹھیک سے بند کر کے جانا بھول گئی تھی۔ میں اندر گھس گیا۔ میں اس وقت کچن کے سامنے تھا جو بائیں جانب تھا جو جدید ترین سامان سے آراستہ تھا۔ میں آگے بڑھا۔ یہ ڈرائنگ روم تھا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ میں سوئچ کی تلاش میں ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ کلک کی آواز کے ساتھ کمرہ تیز روشنیوں میں نہا گیا۔

"خوش آمدید ایس پی خیام! خبردار کوئی حرکت نہیں کرنا اور نہ ہی کوئی چالاکی دکھانا۔"

یہ آواز سنتے ہی میں اچھل پڑا اور میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ کیپٹن اینڈرریوف اور بھگت لال ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بھگت لال کے آٹومیٹک ریوالور کا رخ میری ہی طرف تھا۔ "ہم نے تمہیں سریتا کے تعاقب میں دیکھا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ تم یہاں پہنچنے کی کوشش بھی کرو گے .... اور اس جگہ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"تم جیت گئے دوست!" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کی ذہانت پر میں عش عش کر رہا ہوں۔"

"نہیں .... بدقسمتی سے تم ہمارے بارے میں اتنا جان چکے ہو کہ تم سے کچھ اگلوانا کچھ مشکل ہی لگ رہا ہے۔" بھگت لال سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "تم ہماری توقع سے کہیں ذہین اور جیمز بانڈ ثابت ہوئے۔ اس منصوبے پر ہم پانی کی طرح پیسہ بہا چکے ہیں۔ ہم اس کی پائی پائی وصول کرنا چاہتے ہیں۔"

میں دل میں حیران تھا کہ یہ دونوں کیا چکر چلانے والے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ "کیا تم لوگ مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں .... ہم ایک گھنٹے کے بعد یہاں سے افغانستان کے لئے روانہ ہونے والے ہیں۔ اس لئے کہ تم نے اصل خیام کی تلاش میں بہت دن ضائع کر دیئے .... جب کہ نتیجہ صفر ہی رہا۔" بھگت لال نے کہا۔

میں اس کی زبان سے یہ کلمات سن کر لرز اٹھا۔ میں نے دل میں کہا۔ بڑے پھنسے بیٹے! .... اس وقت وہ دونوں بہت ہی سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔ اینڈرریوف ٹیلی

فون اٹھا کر چند لمحوں تک روسی زبان میں کسی سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے فون بند کر کے مجھے سگریٹ پیش کیا۔

میں نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے دریافت کیا۔ "اب بتانے میں کیا حرج ہے کہ تم لوگوں نے وہ جعلی تصویریں کس طرح تیار کی تھیں؟ میں یہ جاننے کے لئے بہت بے چین ہوں۔"

اینڈرریوف قہقہہ لگاتے ہوئے اٹھا۔ اس نے میز کی دراز سے کوئی چیز نکالی اور اس کی تہہ کھول کر اپنے چہرے پر چڑھائی۔ میں بھونچکا سا رہ گیا۔ یہ جھلی چڑھانے کے بعد اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رہا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہا ہوں۔ اینڈرریوف نے قہقہہ لگاتے ہوئے جھلی اتار کر مجھ پر پھینک دی جو بہت باریک ربڑ کی بنی ہوئی تھی۔

"ربڑ اور پلاسٹک کا مکسچر ہے۔ تصویر میں تم انسانی جلد اور اس کے ماسک میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے۔" اس نے کہا۔

"لیکن تم نے میرا چہرہ کس طرح بنایا تھا؟" میں نے حیرت سے اس سے دوسرا سوال کیا۔

"ایک لڑکی کی مدد سے .... مدہوشی میں تمہیں یہ احساس تک نہیں ہو سکا تھا کہ وہ تمہارے چہرے کا نقشہ ربڑ پر منتقل کر رہی ہے۔" اینڈرریوف نے ماسک میرے ہاتھ سے لے کر اسے دوبارہ میز کی دراز میں رکھ دیا۔ "یہ پھر بھی ہمارے کام آئے گا۔ تمہارے مرنے کے بعد بھی کوئی جان نہ سکے گا کہ تم مر چکے ہو۔"

بھگت لال نے گھڑی دیکھی اور مجھ سے کہا۔ "کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔ بصورت دیگر تمہیں ایک ہی انجکشن کافی ہو گا۔"

یہ بیرسک ایسڈ ہے۔" اینڈرریوف نے جیب سے ڈبیا نکال کر دکھائی۔

میں خاموشی سے اٹھ کر ان کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت کوئی ہنگامہ کرنے سے کچھ حاصل نہ تھا۔ جب ہم عمارت سے نیچے آئے تو دوسرا دربان کھڑا ہوا تھا۔ ایک بڑی سبز فورڈ ہماری منتظر تھی۔ اینڈرریوف نے مجھے پچھلی سیٹ پر دھکیل دیا۔ جہاں پہلے ہی ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اینڈرریوف ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر چلا گیا۔ گاڑی چل پڑی۔ ٹریفک زیادہ ہونے کے باعث کار کی رفتار کم تھی۔ اینڈرریوف بے چینی سے بار بار مڑ کے

دیکھ رہا تھا۔ بھگت لال بھی کچھ بے چین سا نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں جیب سے شراب کی بوتل نکال کر پیتے بھی جا رہے تھے۔ ڈرائیور بھی پی رہا تھا لیکن میرا ذہن تیزی سے کچھ اور سوچ رہا تھا۔

ٹریفک سارجنٹ جو موٹر سائیکل لئے ایک طرف کھڑا تھا' اس نے ہماری گاڑی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ جب گاڑی رک گئی تو اس نے کھڑکی میں سے سر ڈال کر ڈرائیور کے پہلو میں پڑی ہوئی بوتل کی طرف اشارہ کیا۔

"کچھ نہیں .... اس میں کچھ نہیں ہے .... میری جیب میں پڑی ہوئی تھی میں نے اسے نکال کر یہاں رکھ دیا۔" اینڈرریوف نے جلدی سے کہا۔ پھر اس نے بوتل اٹھا کر جیب میں رکھ لی۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ سفر کے دوران شراب نوشی ممنوع ہے۔ تم دونوں باہر آجاؤ اور کاغذات دکھاؤ۔" سارجنٹ نے درشت لہجے میں کہا۔ "تم لوگ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

ڈرائیور الجھی ہوئی نگاہوں سے کیپٹن اینڈرریوف کو دیکھنے لگا۔ اس وقت ایک پولیس موبائل چند قدم پر آ کر رک گئی۔ ایک پولیس مین اس سے اتر کر فورڈ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ڈرائیونگ لائسنس دکھاؤ۔" سارجنٹ کا لہجہ پہلے سے بھی سخت تھا۔

بھگت لال نے بڑبڑانے والے انداز میں اینڈرریوف سے کچھ کہا جس پر اس نے اپنی جیب سے نوٹوں سے بھرا ہوا بٹوہ نکال لیا۔ میں پولیس والے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ انسے کوئی اشارہ کر سکوں۔ مگر وہ سارجنٹ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے مسافروں پر کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ سو پچاس روپے میں معاملہ ختم ہو جائے گا۔ میرے لئے ایک سنہرا موقع تھا کہ ان سے نجات پا لوں۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ میں نے کسی شرابی کی طرح نشے میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس حرامی کو لائسنس دکھانے کی ضرورت نہیں۔ اس پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھو۔"

سارجنٹ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

"اوہ .... یہ بات ہے۔ تم سب باہر آ جاؤ.........." وہ دھاڑا۔ اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔

میں نے بھگت لال کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ سارجنٹ کی دھاڑ سن کر موبائل گاڑی سے چار سپاہیوں نے گاڑی کو آ کر نرغے میں لے لیا۔ ان میں سے ایک نے ایک طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ مقفل تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں باہر آ جاؤ۔" سارجنٹ نے اینڈرریوف کو کندھے سے جھنجھوڑ دیا۔ پھر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ بھگت لال بھی پچھلا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی حرکت کرتا اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"بھگت لال! تم ان گدھوں کے ساتھ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ انہیں دس بیس روپے دے دو۔"

سارجنٹ کا چہرہ پھر سرخ ہو گیا۔ "شرافت سے باہر آ جاؤ ورنہ تمہیں گھسیٹ کر نکال لوں گا۔" وہ دروازہ کھولتے ہوئے چیخا۔ دوسرا سپاہی آگے آ گیا۔ سارجنٹ نے ریوالور ہولسٹر میں ڈال لیا۔ پھر جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر بڑی تیزی سے اینڈرریوف کے ہاتھوں میں ڈال دیں' جو خاموش کھڑا تھا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلتے ہی میں نیچے اترا اور دوڑتا ہوا پولیس گاڑی میں جا بیٹھا۔ پولیس والے مجھے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"یہ مجھے اغوا کر کے لے جا رہے تھے.........."

سارجنٹ نے حیرت سے میری بات سنی۔ اس نے بھگت لال سے پوچھا۔ "کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟"

"جی نہیں .... یہ نشے میں دھت ہے اس لئے بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔" بھگت لال نے صفائی پیش کی۔

"تم سب پولیس اسٹیشن چلو۔" سارجنٹ غرایا۔ "میں تم سب کو حوالات میں بند کر دوں گا۔ تم لوگوں نے میری بے عزتی کی ہے۔"

"ان لوگوں نے نہیں میں نے بدتمیزی کی ہے۔ آپ صرف مجھے پولیس اسٹیشن لے چلیں۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"میرے پاس ڈپلومیٹ پاسپورٹ ہے۔" اینڈرریوف نے کہا۔ "میں روسی وفد کے ساتھ آیا ہوا ہوں۔ آپ میری ہتھکڑی کھولیں۔ میں آپ کو اپنا پاسپورٹ دکھاتا ہوں۔ یہ لوگ میرے ہندوستانی میزبان ہیں۔ آپ ہمیں معاف فرما دیں۔"

سارجنٹ نے فوراً ہی اینڈرریوف کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔ جب اس نے اپنا پاسپورٹ دکھایا تو سارجنٹ نے معذرت کی اور کہا کہ اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ بھگت لال نے مجھے اشارہ سے گاڑی میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں پولیس وین سے اترا۔ چشم زدن میں سڑک پار کر گیا۔ تیز رفتار ٹریفک کی بھی پرواہ نہیں کی جو مخالف میں چل رہی تھی۔ پھر میں ایک بغلی گلی میں داخل ہو کر ایک عمارت میں داخل ہو گیا۔ پھر اس کی لفٹ سے چوتھی منزل پر پہنچ گیا۔ وہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ سامنے والے فلیٹ کا دروازہ کھلا۔ ایک عورت باہر آئی۔ بہت ہی حسین اور جواں سال عورت تھی۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا لیکن میں نے اسے دیکھ لیا۔ مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ ایسا لگا خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا۔ یہ میرے دل کی دھڑکن اور رانی سریتا تھی۔

وہ دروازہ بند کرنے والی تھی کہ میں نے اس کے پاس جا کر آہستگی سے کہا۔ "سریتا!"

وہ میری آواز سن کر اور مجھے دیکھ کر اچھل پڑی۔ اس کی آنکھوں سے حیرت اور خوف جھانکنے لگا۔ "تم.........!"

"ہاں۔" میں اس کا بازو پکڑ کر فلیٹ میں گھس گیا اور دروازہ بند کر دیا' اندر سے چٹخنی لگا دی۔

"تم .... تم .... یہاں کیسے؟" وہ بھونچکی سی ہو رہی تھی۔ "میرا پتا تمہیں کس نے دیا' تمہیں کیسے.........؟"

میں نے پوچھا۔ "سریتا! یہ تم پُراسرار طور پر کہاں اور کیوں غائب ہو گئی تھیں؟"

"یہ حکم تھا جس پر میں نے عمل کیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو میری لاش کا بھی پتا نہیں چلتا۔" وہ میرے سینے پر سر رکھ کر بولی۔

"کیا یہ حکم اور منصوبہ کیپٹن اینڈرریوف اور بھگت لال کا تھا؟" میں نے اس کے ریشمی بالوں کو سہلایا۔

"ہاں .... یہ دونوں بڑے شیطان ہیں .... مافیا ہیں۔" وہ سرگوشی میں آہستگی سے بولی۔

"کیا کیپٹن اینڈرریوف کا تعلق کے جی بی سے نہیں ہے؟ وہ روسی ایجنٹ نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تھا......... اب نہیں رہا۔ البتہ بھگت لال مافیا ہے۔ دونوں نے مل کر بڑی لمبی پلاننگ کی ہے۔ انہوں نے تمہیں ہیروئن کی کاشت کرنے کے لئے بکرا بنایا ہے۔ اینڈرریوف دراصل ایک پیشہ ور جاسوس ہے۔ بہت ظالم ہے۔"

"تم ان کے ہاتھ کیسے لگیں؟" میں نے دریافت کیا۔ "کہیں تم بھگت لال کے گروہ میں تو نہیں ہو؟"

"میں ڈیرہ دون سے فلمی اداکارہ بننے ممبئی آئی تھی۔ یہ دونوں مجھے جھانسہ دے کر ایک مکان میں لے آئے۔ میری بے حرمتی کی۔ میری ایسی تصویریں بنائیں کہ میں بلیک میل ہوتی رہوں۔ اس لئے آج میں ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہوں۔"

"کیا تم ان سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں .... ان دونوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔ تم مجھے ان کے شکنجے سے کیسے نکال سکتے ہو؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو......... یہ بتاؤ کہ فلمی ہیروئن بننا پسند کرو گی یا گھر واپس جانا چاہو گی؟"

"اب میں گھر جانا چاہتی ہوں .... لیکن میرے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ گھر جا سکوں۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"میں تمہاری اتنی مالی مدد کر سکتا ہوں کہ سال دو سال گھر بیٹھ کر کھا سکو .... لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"میں ایک نہیں تمہاری دس شرطیں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔" اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھے اینڈرریوف اور بھگت لال کی رہائش کے بارے میں بھی معلومات چاہئیں۔" میں نے بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن اینڈرریوف گرودواس روڈ پر واقع آشا محل میں فلیٹ نمبر سی نائن میں اپنی ایک محبوبہ کے ساتھ رہتا ہے۔ وہاں اسے لوگ شیام لال کے نام سے جانتے ہیں۔ جب وہ اپنی رہائش گاہ پر جاتا ہے تو بہروپ بھر لیتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے

کہ وہ روسی ہے۔ اس کی محبوبہ یا داشتہ جو بھی ہے وہ ایک اسرائیلی عورت ہے۔ وہ اس عورت کو تمہارے پاس ایک رات کے لئے بھیج بھی چکا ہے۔ چونکہ اس کی رنگت اور ناک نقشہ ہندوستانی عورتوں سے بہت ملتا جلتا ہے اس لئے لوگ اسے بھی ہندوستانی عورت سمجھتے ہیں۔ وہ کسی سے ملتی جلتی نہیں ہے لیکن ہے بے حد خطرناک عورت .... وہ بھی شاید ایجنٹ ہے۔

بھگت لال کی رہائش ایک جگہ نہیں ہے لیکن وہ اکثر اس فلیٹ پر آتا ہے جہاں سے تم آ رہے ہو۔ جہاں تمہیں پھانسنے کے لئے جال بچھایا گیا تھا۔ بھگت لال کی اس رہائش کے بارے میں میرے' اینڈرریوف اور اس کی محبوبہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ شاید اس کے ایک دو دست راست واقف ہوں لیکن وہ ہر کسی پر بھروسا نہیں کرتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں شاید ہی اتنا بے رحم' ظالم اور سفاک شخص دیکھا ہو گا............ اگر یہ دنیا اس سے پاک ہو گئی تو انسانیت پر بڑا احسان ہو گا۔"

"اینڈرریوف اور بھگت لال کو کیفرکردار تک پہنچانا میرا مشن ہے۔" میں نے کہا۔ "میں نے اصل خیام کے بارے میں نہ صرف معلوم کر لیا بلکہ ثبوت بھی حاصل کر لئے۔ وہ میں نے روسی سفارت خانے کو بھیج دیئے ہیں۔ ایک طرح سے میں آزاد ہوں لیکن اینڈرریوف اور بھگت لال مجھے بلیک میل کر کے میری ذات سے فائدہ اٹھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے میرے خلاف بہت خطرناک کھیل کھیلا ہے' اور روسی حکومت کو بھی فریب دیا ہے۔ تم ان کی فکر نہ کرو۔ اب کبھی بھی تم پر ان کا سایہ تک نہیں پڑے گا۔"

"اچھا تم یہ بتاؤ کہ تم ان کے چنگل سے کیسے نکل آئے؟ یہاں کیسے پہنچے؟ ان کا منصوبہ بڑا زبردست تھا۔ وہ تمہیں ایک مکان میں لے جا رہے تھے جہاں تمہیں ایک ایسا انجکشن دیتے جس سے تم اپنی یادداشت سے محروم ہو جاتے۔ انہوں نے تمہارا نام نریش پرساد تجویز کیا ہوا تھا اور اس نام سے تمہیں ہندوستان سے باہر لے جاتے۔ کابل پہنچ کر تمہیں انجکشن دیا جاتا اور تمہاری یادداشت لوٹ آتی۔ تم وہاں خیام کے نام سے افغان روس سرحد کے قریب ایک فارم خرید کر ہیروئن کی کاشت کرتے۔"

میں نے سریتا کو مختصر طور پر بتایا کہ میں کس طرح سے وہاں سے فرار ہو کر یہاں آیا۔ ایک کمزور لمحے نے ہمیں ملا دیا۔ پھر میں اس کے فلیٹ پر رات تک رک گیا۔

☆======☆======☆

انور پاشا ممبئی پہنچا تو میرے دل کو بڑی تقویت ملی۔ ہم دونوں نے نہ صرف ہوٹل بدل لیا تھا بلکہ بہروپ بھر لیا تھا۔ کوئی دو دن کے بعد بھگت لال کو ہم نے رات کے وقت اکیلے فلیٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے انور پاشا کو عمارت کے باہر نیچے چھوڑا کہ وہ نظر رکھے۔ اینڈرریوف یا بھگت لال کے چیلے اس فلیٹ کا رخ نہ کریں۔ سریتا نے بتایا تھا کہ وہ اس کی خاص اور ایک ایسی رہائش گاہ ہے جہاں وہ بڑے سکون اور اطمینان سے اکیلا وقت گزارتا ہے۔ سریتا نے یہ بھی بتایا تھا کہ تین مرتبہ وقفے وقفے سے گھنٹی بجانے پر وہ دروازہ کھولتا ہے۔ اینڈرریوف تین مرتبہ ہی اطلاعی گھنٹی بجاتا ہے۔

میں نے ٹھیک رات گیارہ بجے تین مرتبہ وقفے وقفے سے اطلاعی گھنٹی بجائی۔ بھگت لال نے دروازہ کھولا تو اس کے چہرے سے حیرت ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم اچانک کیسے............؟" اس نے میری شکل دیکھتے ہی اپنا فقرہ ناتمام چھوڑ دیا۔ وہ شاید اینڈرریوف سمجھا تھا۔ میں چونکہ ایک بوڑھے شخص کے بہروپ میں تھا اس لئے اسے حیرت اور ناگواری ہوئی۔

"کون ہو تم؟" اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھ کر غراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا باپ۔" میں نے اس کے منہ پر پوری قوت سے ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ اس وقت سلیپنگ سوٹ میں تھا۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا۔ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے فوراً ہی دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ جب وہ سنبھل کر کھڑا ہوا تو میرے ہاتھ میں روسی ساخت کا خطرناک ریوالور تھا۔

اس کے چہرے پر خوف سے زیادہ حیرت تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس نے جبڑا سہلایا۔ اس نے مجھے آواز سے بھی نہیں پہچانا تھا۔ پھر اس نے تحیرزدہ لہجے میں کہا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ تم نے مجھے مارا کیوں؟"

"اس حرکت کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ورنہ تم مجھے اندر آنے نہیں دیتے............ لیکن اب تم مجھے اپنی نظروں کے سامنے پا کر بے انتہا مسرت محسوس کرو گے۔" میں نے داڑھی' مونچھیں اور آنکھوں سے کنٹیکٹ لینس اتارتے ہوئے کہا۔

وہ مجھے دیکھ کر بڑے زور سے اچھلا۔ "تم............!" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "تم یہاں کس لئے آئے ہو؟"

"تم سے حساب بے باق کرنے کے لئے بھگت لال!" میں نے زہرخند کہا۔ "تمہیں میری ضرورت اور تلاش تھی۔ میں نے تمہیں، اینڈرریوف اور تمہارے ساتھیوں کو اور سریتا کو شکاری کتوں کی طرح مجھے تلاش کرتے ہوئے دیکھا۔ میں اس موقعے کی تاک میں تھا کہ تم سے تنہائی میں ملاقات ہو جائے۔ آج اس کا موقع مل گیا۔ تم مجھے دیکھ کر کیا محسوس کر رہے ہو۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔" بھگت لال نے لاپرواہی سے کہا۔ "تم کیا چیز ہو جو مجھ سے ٹکر لے رہے ہو؟"

"میں کیا چیز ہوں تمہیں پتا چل جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم میرے بارے میں صرف اتنا جانتے ہو کہ میں ایک کرائم رپورٹر ہوں لیکن تم میرے ماضی سے واقف نہیں ہو۔ میں بھی زیرزمین دنیا میں دس برس رہا ہوں۔ پیشہ ور قاتلوں، اسمگلروں اور ہر قسم کے مافیا سے میرا تعلق رہا ہے۔ میں ایک طرح سے ہرفن مولا ہوں۔ تم جیسے میرے دس شاگرد تھے۔ پھر میں نے کسی وجہ سے تائب ہو کر صحافت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ لہٰذا تم سے ٹکر لینا اور تمہیں ختم کر دینا میرے لئے ایسا ہی ہے جیسے راستے کے پتھر کو ٹھوکر مار دینا۔"

"تم کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہنا۔" اس کی آواز بے جان سی ہو رہی تھی۔ "ابھی اینڈرریوف بھی آنے والا ہے۔"

"کاش! وہ آ جائے .... لیکن وہ نہیں آئے گا۔" میں نے ریوالور کی نال پر سائیلنسر نصب کرتے ہوئے کہا۔ "بالفرض محال وہ آئے گا تو میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ اس کے سواگت کے لئے انور پاشا نیچے موجود ہے جو اسے دیکھتے ہی بلاتامل گولی مار دے گا اور فرار ہو جائے گا۔ مجھے ڈرانے اور دھمکانے کی ضرورت نہیں۔"

"سارا منصوبہ اور کھیل کیپٹن اینڈرریوف کا تھا۔ تم مجھے اس میں کیوں شامل کر رہے ہو؟" اس نے کہا۔

"تم یہ کہہ کر اپنا دامن بچا نہیں سکتے .... تم بھی برابر کے حصہ دار ہو۔ تم بہت ہی کمینے، حرام زادے اور سوٴر ہو۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"سنو!" بھگت لال نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیوں نہ تم مجھ سے ایک سودا کر لو۔" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا سودا؟" میں مسکرایا۔ "میں کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتا ہوں۔ یہ سوچ لو۔ نہ میں سودا کرنے کے ارادے سے آیا ہوں۔"

"میرے پاس پانچ لاکھ کی رقم ہے وہ لے کر فوراً ہی ہندوستان سے نکل جاؤ۔" بھگت لال نے کاروباری لہجے میں کہا۔

"وہ رقم کہاں ہے؟" میں نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ "الماری میں ہے یا بینک میں؟"

"الماری میں موجود ہے۔" اس نے جواب دیا اور الماری کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو بھگت لال!" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں .... میں خود ہی تکلیف کر لوں گا۔ الماری بھی کھلی ہوئی ہے۔ لہٰذا تم ابھی میرے سامنے بچے ہو۔ تم نے لیٹے لیٹے کوئی حرکت کی تو گولی سے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔"

میں نے اسے پلنگ کے نیچے گھسا دیا۔ پھر میں نے الماری کھولی۔ اس کی دراز میں ایک دستی چرمی بیگ تھا۔ اس میں ایک ریوالور بھی تھا۔ وہ بھرا ہوا تھا۔ دستی بیگ بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں چھ سات ہیرے بھی چمک رہے تھے۔ میں نے ریوالور بیگ میں رکھ دیا۔ پھر اسے میز پر رکھ کر کہا۔ "بھگت لال! اب پلنگ کے نیچے سے نکل آؤ۔"

وہ نکل آیا اور کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "تمہیں رقم مل گئی۔ بہتر ہے تم اب چلے جاؤ۔"

"یہ رقم میں سریتا کو دوں گا .... لیکن تمہارا میرا جو حساب ہے وہ بے باق کہاں ہوا؟ اسے تو ابھی کرنا ہے۔"

"اب کون سا حساب باقی رہ گیا ہے .... رقم دینے کے بعد۔" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"حساب .... اسحاق کولکن کا قتل .... خیام کا قتل .... فولی کی دردناک موت اور میرے ساتھ جو دو ہاتھ ہوئے۔"

"یہ چونکہ راستے کے پتھر تھے اس لئے ان کا ہٹانا ضروری تھا۔ تم ہوتے تو تم بھی ایسا ہی کرتے۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"نہیں .... میں ایسا نہیں کرتا .... لیکن تم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ مجھے ہر طرح سے پھانسا اور گھیرا جائے۔ تم لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت نہ رہے۔ لہٰذا میں گن گن کر تم سے اور اینڈرریوف سے بھی بدلہ لوں گا۔" میں نے کہا۔

"تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر میرے آدمیوں سے بچ نہیں سکتے ہو۔" بھگت لال نے مجھے دھمکی دی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں بھی اسحاق کولکن کی طرح گاڑی کے نیچے کچل کر ہلاک کر دوں لیکن اس سے تمہاری موت آسان ہو جائے گی لیکن میں پہلے تمہیں ایک آنکھ سے اندھا کر دوں گا۔ جس طرح تم نے خیام کو اندھا کیا .... پھر اس کے بعد بیرک ایسڈ کے دو انجکشن .... پھر تمہیں سڑک کے بیچوں بیچ ڈال دیا جائے گا لیکن اس سے پہلے میں تمہاری کچھ خاطر تواضع کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے فوبی کے کتے کو بھی خون میں نہلا دیا۔ میں تمہیں بھی خون میں نہلانا چاہتا ہوں۔ تم نے فوبی کے منہ پر تھپڑ رسید کئے وہ حساب بھی کرنا ہے۔"

میں ریوالور لے کر اس کی جانب بڑھا تو اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹا تو دیوار سے جا ٹکرایا۔ پھر میں نے چشم زدن میں اس کے منہ پر رومال رکھ دیا جو کلوروفارم میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں جو اپنے ساتھ بیگ لے کر آیا تھا اس میں سے رسی نکال کر اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھ دیئے۔ پھر اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا۔

جب اسے ہوش آیا تو خوف و دہشت سے کانپنے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "تم نے فوبی کو بھی اسی طرح باندھا تھا نا؟"

وہ جواب کیا دیتا .... اس کا منہ بند تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کے قریب جا کر اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ پھر پوچھا۔ "کیسا تھا یہ تھپڑ؟ تم نے اس نازک اور معصوم سی لڑکی کے منہ پر ایسا ہی تھپڑ رسید کیا تھا۔"

وہ مجھے پھٹی پھٹی منجمد آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے پھر اس کے منہ پر دوسرا تھپڑ جو پہلے سے کہیں زوردار تھا دے مارا۔ وہ فرش پر لڑھک گیا۔ اس وقت میری نظروں کے سامنے فوبی کا چہرہ اور اس کی خوبصورت آنکھیں ابھر آئیں۔ پھر میں نے اسے لاتوں' گھونسوں سے بری طرح دھنک کر رکھ دیا۔ پھر میں اس کے بالوں کو پکڑ کر نفرت اور غصے سے بولا۔ "فوبی نے مجھے مرنے سے پہلے سب کچھ بتا دیا تھا .... میں اس کی دردناک

موت کبھی نہیں بھول سکتا۔"

پھر میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار ٹھوکر ماری .... وہ گٹھڑی کی طرح فرش پر لڑھک گیا۔ پھر میں نے اسے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کیا اور کرخت لہجے میں کہنے لگا۔

"بھگت لال! انور پاشا نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ تم ایک پیشہ ور قاتل بھی ہو .... تم نے صرف مردوں کو ہی نہیں عورتوں کو بھی ذبح کیا ہے۔ تم جیسا سفاک شخص شاید ہی کوئی اور ہو۔ تم بہت ہی بے رحم اور ظالم ہو۔ تمہیں ایذائیں دیتے .... تشدد کرتے اور انسانی جان کو خون سے رنگتے ہوئے بڑا لطف آتا تھا۔ اب جب کہ تم پر تشدد ہو رہا ہے' ایذا دی جا رہی ہے تو تم کیسا محسوس کر رہے ہو .... تمہارے تاثرات کیا ہیں؟"

میں نے اس کے منہ پر سے ٹیپ ہٹا دیا۔ وہ گڑگڑایا۔ "پلیز! مجھ پر رحم کرو .... مجھے معاف کر دو۔"

میں نے پھر اس کے منہ پر جوتے کی نوک سے ٹھوکر لگائی۔ میرے سینے میں نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس وقت میں انتقام کے اندھے جنون میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میرے کانوں میں فوبی کی آواز گونج رہی تھی۔ "بھگت لال سے میری دردناک موت کا انتقام لینا .... اسے معاف نہیں کرنا .... اس نے بے زبان جانور پچ کو ذبح کر دیا .... تم بھی اسے ذبح کر دو۔"

اس کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا تھا۔ اس کا جبڑا سوج گیا تھا۔ وہ بری طرح کراہنے اور چیخنے لگا تو میں نے پھر فوراً ہی اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا۔ پھر میں نے جیب سے چاقو نکال کر اسے ایک جھٹکے سے کھول لیا۔ پھر اس کے پاس بیٹھ کر میں نے اس کے گلے کے نیچے چاقو رکھ دیا اور سرد اور سفاک لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"تم نے فوبی کے بے زبان جانور کو ذبح کر دیا .... مردوں اور عورتوں کو بھی ذبح کر چکے ہو۔ کیا خیال ہے؟ کیوں نہ میں بھی تمہیں اسی طرح ذبح کر دوں؟ .... خون کا بدلہ خون .... ذبح کا بدلہ ذبح .... تمہیں ذبح کر دوں؟"

میں چونکہ اس وقت ہوش میں نہیں تھا اور شاید اسے ذبح بھی کر دیتا۔ اس وقت انور پاشا آ گیا۔ اس کے آنے کی وجہ سے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ انور پاشا کو رحم طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

میں نے انور پاشا سے کہا۔ "تمہارا یہ دوست تمہیں رحم طلب نگاہوں سے دیکھ رہا ہے .... کیا یہ رحم کے لفظ سے واقف ہے؟"

"نہیں یہ میرا دوست نہیں ہے۔" انور پاشا نے جواب دیا۔ "زیر زمین دنیا میں کوئی کسی کا دوست اور ہمدرد نہیں ہوتا ہے۔ سبھی خودغرض اور مفاد پرست ہوتے ہیں۔ اس کی لغت میں رحم کا لفظ نہیں ہے۔ اس شخص نے تو اپنے باپ پر رحم نہیں کھایا۔ اس کا باپ بہت شریف آدمی تھا۔ اس کی ماں بھی ایک اچھی عورت تھی لیکن یہ شیطان اور درندہ صفت نکل آیا۔ اس پر قطعی رحم نہیں کھانا .... ورنہ ان لوگوں کی روحیں تمہیں چین لینے نہیں دیں گی جنہیں اس نے ذبح کیا .... کیا تمہیں فوبی کا خیال نہیں آ رہا ہے؟ اس نے خیام کی آنکھ پھوڑ دی .... اس کی لاش لے جانے کی کوشش ناکام بنا دی۔ تم اسے ہرگز معاف نہیں کرنا .... یہ کسی معافی کے قابل نہیں ہے .... حساب تو مجھے بھی اس سے بے باق کرنا ہے۔ اس نے میرے دوست کے بھائی کو قتل کر دیا۔ میرے کہنے کے باوجود ...."

پھر میں نے اس کی ایک آنکھ پر ریوالور کی نال رکھی تو وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں اس سے صرف فوبی کی موت کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ انور پاشا نے اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے گلے میں تار کا پھندا ڈال کر اسے سفاکی سے ہلاک کر دیا۔ پھر اس کی لاش پر ایک چٹ لکھ کر میں نے رکھ دی۔ "ایس بی خیام کی جانب سے پیشہ ور جاسوس سابق کیپٹن اینڈرریوف کو ایک نادر تحفہ .... اب تمہاری باری ہے .... بچ کر دکھا سکتے ہو تو دکھاؤ۔"

☆======☆======☆

جب میں نے سریتا کے سامنے نوٹوں سے بھرا چرمی دستی بیگ رکھا تو اس کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھیل گئیں۔ "کیا یہ تم مجھے اپنی طرف سے دے رہے ہو؟"

"نہیں .... یہ میری طرف سے نہیں ہے بلکہ بھگت لال کی طرف سے ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن وہ تو اس دنیا میں نہیں رہا۔ یہ دنیا ایک خبیث سے پاک ہو گئی ہے۔" بولی۔

"میں نے یہ رقم اس سے وصول کی ہے۔ اس میں ہیرے بھی موجود ہیں .... اب تم ایک پُرسکون اور آزادانہ زندگی گزار سکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "کُل رقم پانچ لاکھ

پچپن ہزار ہے۔ ہیرے بھی دو تین لاکھ کی مالیت کے ہیں۔"

"مجھے اس میں سے کتنی رقم دو گے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ ساری رقم تمہاری ہے اور میں نے تمہارے لئے اس سے وصول کی ہے۔ یہ تمہارے زخموں کا مرہم ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں .... نہیں .... اس میں سے تم بھی اپنا حصہ لو۔ اس رقم پر تمہارا حق زیادہ بنتا ہے۔" سریتا نے کہا۔

"میرے پاس بہت کچھ ہے۔ ان لوگوں نے میرے اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے جمع کرا دیئے تھے۔ اس کے علاوہ اس مشن کے دوران لاکھوں ڈالر بھی ملے۔ دولت کے بارے میں میری قسمت بہت تیز ہے۔ تم پسند کرو اور اجازت دو تو میں ہیرے انور پاشا کو دے دوں .... جبکہ وہ ایک مخلص دوست ہے۔ بے غرض انسان ہے۔"

"آپ اسے ہیرے ہی نہیں بلکہ اس میں سے آدھی رقم بھی دے دیں۔" سریتا نے کہا۔

"سریتا!" میں نے اس سے کہا۔ "صرف تمہارا چہرہ ہی خوبصورت نہیں ہے بلکہ تمہارا دل بھی بہت خوبصورت اور بہت بڑا ہے۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہو گا جو تمہارا جیون ساتھی بنے گا۔"

"کاش! تم میرے دیوتا بن سکتے ...." وہ مسرت بھرے لہجے میں بولی۔ "تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم کل شام ہی اپنے گھر چلی جاؤ .... میں بھی کیپٹن اینڈرریوف سے نمٹ کر واپس چلا جاؤں گا۔ انور پاشا تمہیں پہنچا کر چلا آئے گا۔ میں جب کبھی ہندوستان آؤں گا' تم سے ضرور ملوں گا۔"

☆======☆======☆

انور پاشا نے سریتا کو ساتھ لے جانے سے پہلے مجھے اطلاع دی کہ کیپٹن اینڈرریوف روسی تاجر کی حیثیت سے ہوٹل تاج محل میں سوٹ نمبر ستاون میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ بہت محتاط ہو گیا ہے اور میری تلاش میں ہے۔ میں نے اس ہوٹل میں اس کے سوٹ کے سامنے والا سوٹ لے لیا تھا تاکہ اس سے نمٹ سکوں۔ میں بہروپ بھر کر پیارے لال کے نام سے ٹھہرا تھا۔

میں ایک ویٹرس کو آدھی رات کے بعد اور پھر صبح دم سامنے والے سوٹ میں آتے جاتے دیکھ چکا تھا۔ اس کی عمر چھتیس برس کی ہو گی۔ اس نے اب تک میرے کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا اور نہ ہی دروازے پر دستک دی تھی۔ تاہم میں بہت چوکنا اور ہشیار تھا۔ کیونکہ اینڈرریوف کوئی بچہ یا عام قسم کا آدمی یا ہندوستانی ایجنٹ نہیں تھا۔ پہلے وہ کے جی بی میں رہ چکا تھا اور اب ایک پیشہ ور جاسوس تھا۔ وہ کبھی اور کسی لمحے بھی مجھے شناخت کر سکتا تھا۔ میں نے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کو سوٹ کیس میں سے نکال کے تکیے کے نیچے چھپا دیا تھا جہاں سے اس کی ضرورت پڑنے پر فوراً اٹھایا جا سکتا تھا۔

میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ”روم سروس سر!“ ایک عورت نے کہا۔ اس کی آواز میں نرمی اور شائستگی ایک شعوری کوشش کا نتیجہ محسوس ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ اس نے جھوٹ بھی وہ بولا تھا کہ اپنا راز خود فاش کر دیا تھا۔ دروازے پر صاف لکھا تھا کہ مداخلت کی اجازت نہیں اور اس عدم مداخلت کو یقینی بنانے کے لئے میں نے انتظامیہ کو سختی سے ہدایات جاری کی تھیں۔ کوئی ملاقاتی تو کیا کسی ویٹرس بلکہ خود ہوٹل کے مینجر اور مالک یہاں تک کہ فرشتۂ اجل کو بھی آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ مگر یہ عورت اس کے باوجود مصر تھی کہ انتظامیہ نے اسے ہر کمرے میں تولیے اور چادریں بدلنے کے لئے بھیجا تھا۔

”ایک منٹ۔“ میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میری چھٹی حس نے مجھے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ ویٹرس کے اندر آتے ہی میں نے کنڈی لگا دی۔ ویٹرس وہی تھی۔ میں نے اسے تاڑ لیا تھا۔ عمر کا نقاب ایک دھوکا ہے۔ اس کی چال میں جوانی تھی۔ میک اپ کے باوجود اس کے ہاتھ نرم و نازک تھے اور کسی ویٹرس کے محنت کش نہیں لگتے تھے۔ بالوں میں دکھائی دینے والی سفیدی کی جھلک بھی مصنوعی تھی اور مجھ ایسے زمانہ شناس گرگ باراں دیدہ کے لئے اصلی اور نقلی چہروں کے فرق کو محسوس کر لینا ایک نظر کی بات تھی۔ میں سمجھ گیا کہ کیپٹن اینڈرریوف نے اس عورت کو کس کردار کے لئے منتخب کیا تھا.......... کیا یہ کوئی اسٹیج ایکٹریس ہے؟

”میں بے حد معذرت خواہ ہوں۔“ ایکٹریس نے ڈائیلاگ شروع کرنے کی کوشش کی۔

”اس میں معذرت کی کیا بات ہے۔“ میں نے کہا اور آگے بڑھ کر اسے بازوؤں کے

حصار میں لے لیا۔

وہ میرے بازوؤں میں کسمساتی ہوئی بولی۔ ”سر!.......... پلیز.......... میں ڈیوٹی پر ہوں اور ویٹرس ہوں۔“

”ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے لوگوں کو خوش کرنا بھی تو ڈیوٹی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ میرے بازوؤں کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کرتی ہوئی بولی۔ ”سر! مجھے بہت سارے کام نمٹانے ہیں۔ میری ڈیوٹی دو بجے ختم ہو گی.......... میں پھر آ جاؤں گی۔ رات بھی رک جاؤں گی۔“

”تمہاری یہ اداکاری نہیں چلے گی.......... میں تمہیں سامنے والے کمرے میں آتے جاتے دیکھ چکا ہوں۔ یوں جھوٹ بول کر میرے کمرے میں آنے کا مقصد بتاؤ.......... تم مجھے ویٹرس معلوم نہیں ہوتی ہو۔“

اپنا راز فاش ہوتے دیکھ کر اینڈرریوف کی بھیجی ہوئی عورت نے اپنی جان کے تحفظ کے لئے فوراً ہی گریبان سے پستول نکال کر گولی چلا دی۔ پہلی گولی میرے کان کے پاس سے گزر گئی۔ خطرے کی موجودگی کا احساس دلانے والی اور دفاع کے لئے متحرک کرنے والی جبلت نے مجھے دوسری گولی کا نشانہ بننے سے بچا لیا۔ ایک مظلوم ویٹرس یکلخت اپنے اصلی روپ میں سامنے آ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی سفاک چمک کو محسوس کرتے ہی میں سمجھ گیا کہ میرا مقابلہ کسی کمزور عورت سے نہیں ہے بلکہ ایک خطرناک خونی مجرم سے ہے۔ میں پلٹتے ہی گرا اور میں نے میز کو دو ٹانگوں سے اٹھا کر ڈھال کی طرح سامنے کر لیا۔ دو گولیاں لکڑی کو چیرتی ہوئی گزر گئیں۔ سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے نکلنے والی آواز بند دروازے کے باہر سے گزرنے والے کو متوجہ نہیں کر سکتی تھی اور نہ ساتھ والے سوٹ میں رہنے والوں تک پہنچ سکتی تھی۔ میں نے ایکٹریس نظر آنے والی قاتل عورت کو مزید مہلت نہیں دی۔ میں میز کو ڈھال بنائے طوفان کی طرح آگے بڑھا اور عورت کو سمیٹتا ہوا دیوار تک لے گیا۔ میری وحشیانہ قوت نے عورت کو دیوار پر یوں دے مارا جیسے وہ جیتی جاگتی عورت نہیں معمولی سی پلاسٹک کی گڑیا ہو۔ ایک کھلونا جس میں چابی بھر دی جائے تو وہ ننھے سے پستول کو اٹھا کے گولیاں چلانے لگے۔

عورت کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ اس کے گرتے ہی میں نے میز کو ایک طرف

اچھال دیا اور ریوالور اٹھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے عورت کے بال پکڑ کے گھسیٹ لیا۔ نقلی بالوں کی وگ میرے ہاتھ میں رہ گئی۔ عورت نے مجھے ایک گالی دی۔ پھر وہ برق سُرعت سے مجھ پر جھپٹی۔ مجھے پتلے سے چھ انچ لمبے دو دھاری خنجر کی چمک نظر آئی۔ میں اس مہلک ہتھیار کو پہچانتا تھا۔ زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے میرے جسم پر ایک خراش بھی آ جاتی تو چند سیکنڈ کے اندر اندر میرا جسم مفلوج ہو جاتا اور چند سیکنڈ بعد مفلوج جسم کو موت آ لیتی۔ میں جست لگا کے پیچھے ہٹا۔ عورت کا وار خالی گیا۔ میں نے ریوالور کا دستہ گھما کر عورت کی کلائی پر مارا مگر وہ بڑی سخت جان تھی اور زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے اندازوں کے اس حد تک غلط ہونے پر افسوس سے زیادہ حیرانی ہوئی۔ مجھے یاد آیا کہ شاید یہ لڑکی میرے ساتھ شب بسری کر چکی ہے۔ اسے اینڈرریوف بھیج چکا تھا۔

میں نے آواز دباتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو.......... میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا لیکن ابھی ریوالور میں دو گولیاں ہیں.......... اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو تمہارے سر میں سوراخ کر دوں گا۔"

عورت یوں سنبھل گئی جیسے اب تک جو کچھ بھی کر رہی تھی وہ دیوانگی کے عالم میں کر رہی تھی۔ اس کا اوپر اٹھا ہوا ہاتھ نیچے آ گیا اور وہ دیوار سے لگ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"کس نے بھیجا تھا تمہیں؟ کیپٹن اینڈرریوف نے یا پھر بھگت لال کے کسی چیلے نے؟" میں نے ایک کپڑے سے گردن کی خراش سے رسنے والے لہو کو صاف کیا۔

"ایک مافیا تنظیم نے۔" عورت نے مجھے ساکت پلکوں سے دیکھا۔ "مجھے ایک شخص نے تمہیں قتل کرنے کا معاوضہ ادا کیا تھا مگر اس کے تو بہت سارے نام ہیں۔ کیپٹن اینڈرریوف.......... اس کا ساتھی بھگت لال.........."

"تم.......... تم بہت عجیب.......... اور بہت ہی خطرناک عورت ہو۔ کیا وہ تمہیں پہلے سے جانتے تھے؟" میں نے ریوالور کا رخ اس کی طرف رکھا۔ "کس نے تمہیں یہ سب کچھ سکھایا، تربیت دی، کہیں تم بھی ایجنٹ تو نہیں ہو؟"

"یہ احمقانہ سوال لوگ طوائف سے بھی کرتے ہیں کہ تمہیں طوائف کس نے بنایا؟" وہ تلخی سے بولی۔

"کامیابی کے معاوضے کی بات تو تم نے کر لی ہو گی؟" میں نے کہا۔ "شاید تم نے

پوری رقم بھی وصول کر لی ہو گی.......... لیکن تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ناکامی کی صورت میں تمہارا کیا بنے گا؟ تم انہیں کیا بتاؤ گی؟"

"ہاں.......... میں جانتی ہوں کہ ناکامی موت ہے۔ تم مجھے قتل کر دو گے۔" وہ بے خوفی سے بولی۔ "ایسا تو ہوتا ہی ہے۔"

"تیس سیکنڈ پہلے شاید یہی ہوتا۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں اب تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں اور تمہیں معاوضے کی فکر ہے تو میں پوچھے بغیر تمہیں دگنا معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ بھی کر سکتا ہوں۔ تم سامنے والے کمرے میں جا کر اس سے رابطہ قائم کرو اور خنجر یہیں بستر پر ڈال دو.......... چلو، میرے ساتھ چلو۔"

عورت نے بے بسی سے انکار کیا۔ "میں چل نہیں سکتی.......... میری ٹانگ زخمی ہے۔"

میں غیر ارادی طور پر آگے بڑھا۔ "میں تمہیں سہارا دیتا ہوں۔" میں نے ایک ہاتھ آگے پھیلایا۔

اور اس لمحے عورت نے پلٹ کر بستر پر خنجر ڈالتے ہوئے اتنی تیزی سے گھوم کر مجھ پر حملہ کیا کہ مجھے حیران ہونے کی مہلت بھی نہ ملی۔ وہ عورت زبردست ایکٹریس بھی تھی۔ اگر اس کے مقابل میری جگہ کوئی تجربہ کار سیکرٹ ایجنٹ یا کمانڈو بھی ہوتا تو سنبھل نہ پاتا۔ اگرچہ میری خداداد صلاحیت آج تک میری زندگی کی ضامن رہی تھی لیکن کبھی کبھی نصیب کی مہربانی بھی مجھے بچا لیتی تھی۔ میں ریوالور کو جیب میں رکھ چکا تھا۔ خنجر میرے جسم سے مس ہونے کے بجائے کپڑے کی تہہ سے گزرا اور ریوالور کے دستے سے ٹکرایا۔ پلک جھپکتے ہی میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور ایک خودکار عمل کے ذریعے میرے ہاتھوں نے جیب سے ریوالور کو نکال لیا۔ نشانہ لینے اور فائر کرنے میں ایک پل بھی دیر نہیں کی۔ مگر گولی چلنے کے بجائے خالی ٹریگر دبنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میں نے پھر کوشش کی۔ کلچ.......... کلچ کلچ.......... ریوالور خالی تھا۔ میں نے عورت کو بھوکی شیرنی کی طرح چھلانگ لگاتے دیکھا اور ریوالور اس پر کھینچ مارا۔ عورت نے سینے پر ریوالور کی ضرب کو بھی جھیل لیا اور ایک جھٹکا لے کر زیادہ خونخوار ہو گئی۔ میں نتائج پر غور کیے بغیر غوطہ مار گیا۔ میرے ہاتھوں نے اپنے ہی زور میں آگے جاتی ہوئی عورت کو زمین سے اٹھا کے آگے دھکیل دیا۔ وہ بے قابو ہو جانے والے جہاز کی طرح دیوار سے ٹکرائی اور نیچے گری۔

اس کے بعد وہ فیصلہ کن مرحلہ آ گیا جب جدوجہد ختم ہو جاتی ہے۔

میں نے دیکھا کہ عورت کے وزن کے نیچے آ کے وہ زہر آلود خنجر اس کے جسم میں اتر گیا ہے۔ وہ تشنج کی کیفیت میں بل کھاتی رہی۔ لوٹتی رہی اور خلا میں سہاروں کی جستجو کرنے والے کی طرح ہاتھ پیر چلاتی رہی۔ تین منٹ بعد اس کا کرب تمام ہو گیا اور بے جان آنکھیں چھت پر مرتکز ہو کے ٹھہر گئیں۔ یہ ٹھہری ہوئی آنکھیں مجھ سے کہہ رہی تھیں۔ "تم مجھے قتل کر دو گے .... میں نے کہا تھا نا؟ یہ تو ہونا ہی ہے۔"

میرے لئے نوعیت کے اعتبار سے یہ تجربہ منفرد تھا۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی عورت اتنی خطرناک ہونے کے علاوہ ذہین بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے بڑی عیاری سے مجھے اعتماد میں لے کر میرا غلبہ تسلیم کرنے کے بعد میری شرائط کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اچانک وار کیا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ریوالور میں چار ہی گولیاں تھیں۔ اس نے خنجر کے سامنے ریوالور کی برتری قبول کرتے ہوئے شکست کا ڈرامہ کھیلا تھا اور اس وقت حملہ کیا تھا جب مجھے اپنی فتح کا یقین آ چکا تھا۔ ذہین ترین مجرم کا ذہن بھی حالتِ جنگ میں اس ڈرامے کا پلاٹ تیار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ عورت بلاشبہ خطرناک مجرم اور اچھی اداکارہ تھی۔ مگر اس ڈرامے کا ہدایت کار پس پردہ تھا۔ کیپٹن اینڈرریوف .... یہ رول ادا کرنے کے لئے اس عورت کو منظرنامہ اور مکالمے لکھ کر دینے والا کیپٹن اینڈرریوف ہی ہو سکتا تھا۔

میں نے ٹیلی فون آپریٹر کو کیپٹن اینڈرریوف کے سوٹ کا نمبر بتاتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ میری بات کرا دے۔ آپریٹر نے بتایا کہ سوٹ میں کوئی موجود نہیں ہے۔ میں نے پھر خود سے کوشش کی۔ اس طرح کہ دروازے پر دستک دی۔ پھر میں نے دوبارہ دستک دینے کے بعد جواب نہ پا کر اپنی ماسٹر کی سے سوٹ کا دروازہ کھول لیا۔ اندر کوئی نہ تھا۔ پھر میں نے اندر جا کر جائزہ لیا۔ پھر اس عورت کی لاش لا کر اس کے بستر پر لٹا دی۔ پھر اپنے کمرے کے قالین سے خون صاف کیا۔ پھر میں نے اس ہوٹل کو خیرباد کہہ دیا۔

میں نے دوسرے ہوٹل میں کمرہ لینے سے پہلے بہروپ بھرا۔ کیونکہ پیارے لال کے بہروپ میں مجھے کیپٹن اینڈرریوف نے پہچان لیا تھا اور ایک خطرناک اور خونی عورت کی خدمات حاصل کر کے اسے میرے لئے فرشتۂ اجل بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے خود سے میری مزاج پرسی کس لئے نہیں کی تھی اور نہ فرشتۂ اجل بننے کی کوشش کی تھی۔ شاید وہ بھگت

لال کی دردناک موت سے خائف، پریشان اور چوکنا ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ دشمن اس قدر کمزور اور آسان شکار نہیں ہے کہ اس پر ہاتھ ڈالا جا سکے۔ بھگت لال جیسے خطرناک شخص، پیشہ ور قاتلوں کی تنظیم کے سرغنہ اور مافیا کو دردناک طریقے سے موت کی نیند سلا دینے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ وہ سیکرٹ ایجنٹ اور کمانڈوز ہے۔ اس لئے اس نے شاید عورت کو مہرہ بنایا تھا۔ وہ خود سے براہ راست میرے مقابلے پر آنا نہیں چاہتا تھا یا پھر اسے اور اس کے ساتھیوں کو موقع نہیں مل رہا تھا۔

کیپٹن اینڈرریوف نے اس عورت کی لاش کا کیا کیا اور اسے کس طرح ٹھکانے لگایا یہ میں نہیں جان سکا۔ نہ ہی مجھے اس کی کوئی ضرورت تھی۔ نہ اخبار میں اس عورت سے متعلق کوئی خبر تھی۔ میں اتنا جانتا تھا کہ وہ میری تلاش میں کسی شکاری کتے کی طرح بُو سونگھتا پھر رہا ہو گا۔ کیونکہ میں نے نہ صرف اس کے دائیں بازو بھگت لال کو جہنم رسید کر دیا تھا بلکہ اس عورت کو بھی .... یہ عورت مجھے اسرائیلی معلوم ہوتی تھی۔ اسرائیلی ایجنٹ تھی۔ تربیت یافتہ تھی لیکن اپنے ہاتھوں سے موت کے منہ میں چلی گئی تھی۔

میں کیپٹن اینڈرریوف کی زندگی کا باب ختم کئے بغیر ہندوستان سے جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارے بغیر چین سے بیٹھنے والا نہیں تھا۔ اس کے سینے میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی ہو گی اس کا مجھے اندازہ تھا۔ اب وہ اس ہوٹل میں نہیں تھا۔ اس نے وہ سوٹ چھوڑ دیا تھا۔ اسے تلاش کرنا میرے لئے آسان نہ تھا۔

اس نے اس روز میری جو درگت بنائی تھی اور مجھے ایس پی خیام باور کرایا تھا میں وہ دن نہیں بھولا تھا۔ میں بھی اس کی ایسی ہی درگت بنانا چاہتا تھا۔ مجھے انور پاشا کی مدد اور تعاون کی اشد ضرورت تھی۔ اس کا انتظار تھا وہ سریتا کو پہنچا کر آنے والا تھا۔

میں اپنا مشن مکمل کئے بغیر ہندوستان سے واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ کیپٹن اینڈرریوف کی تلاش میں مَیں نے صبح و شام ایک کر دیئے۔ اسی طرح شاید وہ بھی میری تلاش میں خوار ہو رہا تھا۔ چونکہ میں نے ایسا بہروپ بھرا ہوا تھا کہ اس کے فرشتے بھی مجھے پہچان نہیں سکتے تھے۔ اس لئے وہ مجھے ڈھونڈنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو تلاش کر رہے تھے۔ انور پاشا واپس آ چکا تھا۔ میرے دل کو بڑی ڈھارس سی ہو گئی تھی۔

بعض اوقات انسان جو سوچتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا ہے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر

نہیں۔ میں اور انور پاشا سندھی مارکیٹ کے سامنے والی فٹ پاتھ پر ٹریفک کے رکنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ سڑک پار کر کے اس طرف جا سکیں۔ اس اثنا میں کیپٹن اینڈرریوف سندھی مارکیٹ کی عمارت سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھا۔ پھر ہمیں ایک نسوانی رسیلی آواز نے متوجہ کر لیا۔ ہم سے چند قدم پر ایک خوبصورت اور دراز قد عورت جو مغربی لباس میں تھی اور روسی نژاد لگ رہی تھی' وہ اسے دیکھ کر چلائی۔

"کیپٹن! .... کیپٹن!؟"

کیپٹن اینڈرریوف نے اس کی آواز سن کر اس کی طرف دیکھا اس کا چہرہ دمک اٹھا جیسے وہ عورت اس کی محبوبہ دل نواز ہو۔ وہ تیز رفتار ٹریفک کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سڑک پار کرنے لگا۔ پھر وہ دفعتاً دو تیز رفتار گاڑیوں کے نیچے آ گیا جو اوورٹیک کر رہی تھیں۔ اسے ایک گاڑی نے نہ صرف کچل دیا بلکہ اسے سگنل کے چوراہے تک گھسیٹتی ہوئی لے گئی۔ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو وہ مر چکا تھا۔ چونکہ وہ سخت جان تھا اسے مرنے میں تھوڑی دیر لگی۔ پھر اس نے کچھ دیر تک ماہی بے آب کی طرح تڑپنے کے بعد جان دے دی۔ وہ عورت غش کھا کر سڑک پر گر گئی۔ کیپٹن اینڈرریوف کی موت بڑی دردناک تھی۔ یہ مکافاتِ عمل تھا۔ یہ امدادِ غیبی تھی جس کے بارے میں مَیں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھ کو اس کی موت سے ایک طرف خوشی ہوئی تو دوسری طرف صدمہ بھی تھا۔ کیونکہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنے دل کی حسرت پوری نہ کر سکا تھا۔

☆======☆======☆

اب میں ہندوستان کی سرزمین پر ایک دن بھی رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اب رک کر کرتا بھی کیا تھا۔ کیپٹن اینڈرریوف کے ساتھ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ نہ صرف اس کا بلکہ ایس پی خیام کا باب بھی بند ہو چکا تھا۔ انور پاشا دوسرے ہی دن بنگلور واپس چلا گیا۔ کیونکہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔ راستہ صاف ہو چکا تھا۔ بھگت لال' انور پاشا کے ہاتھوں کیفرِ کردار تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے بھی اس شیطان، سے فوبی کا انتقام لے لیا تھا۔ سفر ہے شرط .... اس سفر سے اب میں کوئی اسّی لاکھ روپے کا مالک بن چکا تھا۔ اس رقم سے میں ایک شاہانہ زندگی بسر کر سکتا تھا۔

☆======☆======☆

میں نے دہلی جا کر اپنا روٹ تبدیل کروا لیا۔ اب میں دہلی سے کراچی بذریعہ طیارہ جا

رہا تھا۔ اب کراچی میں سنہری مچھلی سے نمٹنا تھا۔ میری پُراسرار گمشدگی نے اسے چراغ پا کر دیا ہو گا اور اس کے آدمی مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے ہوں گے۔ میں کراچی پہنچنے تک سنہری مچھلی کے بارے میں سوچتا اور منصوبہ بناتا رہا۔

فلائٹ کی روانگی میں کسی وجہ سے تاخیر ہو گئی تھی۔ ہوائی جہاز رات دس بجے کراچی پہنچا۔ میں نے ایئرپورٹ سے ٹیکسی لی اور سیدھے صدر کے ایک ہوٹل پہنچا۔ اس وقت میرا گھر جانا مناسب نہیں تھا۔ یوں بھی گھر مقفل تھا اور اس کی چابی میں پڑوس میں دے گیا تھا۔ میرے پڑوسی نیاز خان صاحب تھے۔ میں ان سے یہ کہہ گیا تھا کہ کچھ دنوں میں لاہور سے ہو کر آ رہا ہوں۔ میں نے انہیں صرف چابی دی تھی۔ یہ نہیں کہا تھا کہ میرے گھر کی صفائی وغیرہ کا بھی خیال رکھیں۔ اس وقت جا کر صفائی کرنے سے بہتر تھا کہ میں رات ہوٹل میں گزاروں' صبح دیکھا جائے گا۔

جب میں سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ فلم کے مناظر کی طرح نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے کوئی انتہائی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو۔ مجھے نادیہ اور اس کی عبرتناک موت یاد آئی۔ پھر فوبی .... پھر سریتا .... پھر وہ لڑکیاں جو کیپٹن اینڈرریوف نے میرا دل بہلانے اور میرے برین واشنگ کے لئے بھیجیں تھیں۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب مجھے کسی گھریلو لڑکی سے شادی کر کے اپنا گھر بسا لینا چاہئے۔ میں نے اپنی شادی کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے سوچا نہیں تھا۔ میرے دوست احباب مجھ سے کہتے اور مشورہ دیتے تھے کہ میں شادی کر کے گھر بسا لوں۔ مگر میں نے کبھی ان باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اب اس وقت ایک رفیقِ سفر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن میری شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ سنہری مچھلی تھا۔ جب تک وہ کیفرِ کردار کو نہیں پہنچ جاتا کیونکہ وہ میری جان کا دشمن بنا ہوا تھا۔ وہ مجھے چین و سکون سے زندگی گزارنے نہیں دیتا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ شادی کے فوراً بعد ہی میری بیوی بیوہ ہو جائے۔

میں بہت دیر تک تبسم اور سنہری مچھلی کے بارے میں سوچتا رہا۔ منصوبے بناتا رہا۔

کب میری آنکھ لگی مجھے خبر نہ ہوئی۔

میں کوئی دس بجے ہوٹل سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ رکشا سے اتر کر کرایہ ادا کیا۔ میں نے ہوٹل نہیں چھوڑا تھا۔ نہ اپنا سامان لے کر آیا تھا۔ میں حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے گھر کے دروازے پر تالا نہیں دیکھا اور دروازہ بھڑا ہوا دیکھا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ مجھے فوری طور پر جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ کہیں سنہری مچھلی نے میری عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس پر قبضہ تو نہیں کر لیا؟ کہیں میرے مکان میں اس کے پالتو بدمعاش تو نہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میرے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔

میں نے دروازے کو بے آواز اندر کی طرف دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک کے رک گیا۔ گھر آئینے کی طرح چمک رہا تھا اور ساری فضا ایک عجیب سی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ گھر میں ایک حسن اور رونق سی لگ رہی تھی۔ جب کہ کسی فرد کا وجود اور نام و نشان تک نہیں تھا۔ میں چند لمحوں تک سحرزدہ سا کھڑا رہا۔

پھر میں نے محسوس کیا کہ کوئی صحن میں کھڑا گنگنا رہا ہے۔ یہ کسی عورت کے گنگنانے کی آواز تھی۔ یہ عورت کون ہو سکتی ہے' کہیں سنہری مچھلی نے اس عورت کے آدمی کو تو اس گھر میں نہیں رکھا ہوا' یہ گھر شاید اس کے قبضے میں ہو۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان اور بہت حسین لڑکی جس کی عمر اٹھارہ برس کی ہو گی گنگناتی اور سفید دوپٹے کے پلو سے گیلے ہاتھ پونچھتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑی تھی۔ جیسے ہی اس نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا مجھے دیکھ کر اچھل پڑی۔ ٹھٹک کے رک گئی۔

میں نے دوسرے لمحے اس لڑکی کو پہچان لیا۔ یہ نیاز خان صاحب کی بیٹی فیروزہ تھی۔ میں اسے متعدد بار دیکھ چکا تھا لیکن کبھی اس سے بات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور نہ ہی میں نے کبھی اسے غور سے اور مرد کی نظروں سے دیکھا تھا۔ اب جو اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے چہرے کے تیکھے تیکھے خدوخال میری آنکھوں کے راستے دل میں اترنے لگے۔ بڑی موہنی سی صورت تھی جس نے میرے دل پر قیامت ڈھا دی۔ میں اس پر ریشہ خطمی ہو گیا اور دل میں اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"آپ .... آپ........" اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے خاموشی کے طلسم کو توڑا۔ "آپ کب آئے؟"

اس کی کھنکتی آواز نے میرے کانوں میں رس گھول دیا۔ "میں رات کو لوٹا ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" میں نے کہا۔

"رات کو لوٹے ہیں .... لیکن سامان کہاں ہے؟ آپ رات کہاں ٹھہرے تھے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں رات دیر ہونے کی وجہ سے ایئرپورٹ سے سیدھا ہوٹل چلا گیا تھا .... سیدھا ہوٹل سے ہی آ رہا ہوں۔ بغیر سامان کے اس لئے آیا ہوں کہ گھر کی صفائی کر لوں .... لیکن یہاں آ کر دیکھا تو نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔"

"کیا گھر کی ٹھیک سے صفائی وغیرہ نہیں ہوئی ہے؟" وہ گھبرا کر بولی اور کمرے کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لینے لگی۔ "میں تو روزانہ صفائی کرتی ہوں۔"

"آپ نے ایسی صفائی کی ہے کہ اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ اسے تو آپ نے آئینے کی طرح چمکا دیا ہے۔"

اس نے میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "گھر کی چابیاں رکھی ہیں۔ اب آپ مجھے اجازت دیں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ .... لیکن میں نے آپ کے ابو سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ گھر کی صفائی وغیرہ بھی کرا دیں۔"

"آپ میرے ابو کو جانتے ہیں نا' کس مزاج کے ہیں۔ انہوں نے آپ کے گھر کو بھی اپنا ہی گھر سمجھا۔"

"کیا آپ نے اسے اپنا گھر نہیں سمجھا؟ .... آپ کے والد کا اخلاص ہے کہ وہ ایسا سمجھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"جی .... میں بھی اسے اپنا ہی گھر سمجھتی ہوں۔" اس کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی۔ "اچھا اب میں چلتی ہوں۔"

"یوٹیلٹی بلز وغیرہ کہاں ہیں .... ٹیلی فون' گیس اور بجلی عدم ادائیگی کی وجہ سے کٹ تو نہیں گئی ہے؟"

"ابو ہر ماہ بل بھی بھرتے رہے ہیں۔ میں تھوڑی دیر میں لا کر دیتی ہوں۔" وہ نگاہیں فرش پر مرتکز کر کے بولی۔

"آپ لوگوں نے میرا ہر طرح سے خیال رکھا۔ آپ لوگوں کا یہ احسان میں ساری

زندگی بھول نہیں سکوں گا۔"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ پڑوسی ہونے کے ناتے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔" اس نے کہا۔ "ابو آپ کی طرف سے بہت پریشان اور فکرمند ہو گئے تھے۔"

"اپنے لوگ خیال نہیں رکھتے ہیں لیکن آپ کا خیال رکھنا میرے لئے بڑی عزت کا باعث ہے .... لیکن آپ کے ابو کس لئے میرے بارے میں اس قدر فکرمند اور پریشان ہو گئے تھے؟" میں نے اس کے حسین چہرے کو نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے کہ آپ کچھ دنوں کا کہہ کر گئے تھے اور دو ماہ گزر جانے کے باوجود آپ کے بارے میں کوئی خیر کی اطلاع نہیں ملی تھی اور نہ ہی آپ نے کوئی خط لکھا اور نہ ہی ٹیلی فون کر کے اپنی خیریت سے مطلع کیا۔"

"اصل بات یہ تھی کہ میں نے لاہور جا کر اچانک ہندوستان جانے کا پروگرام بنا لیا۔" میں نے کہا۔ "میں وہاں جا کر سخت بیمار ہو گیا۔ مجھ پر جو بیتی وہ میں جانتا ہوں یا میرا دل جانتا ہے۔ اس لئے میں کوئی خط نہیں لکھ سکا۔"

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے .... آپ کے لئے چائے بنا دوں؟" وہ پریشان سی ہو گئی۔ "آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

"میں قدرے بہتر ہوں لیکن کمزوری بہت ہو گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے لیکن آپ کو زحمت دیتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ ویسے ہی بڑا شرمندہ ہوں کہ آپ روزانہ گھر کی صفائی کر رہی ہیں۔"

"اس میں زحمت کی بات کیا ہے۔ چائے بنانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ دو منٹ میں بنائے دیتی ہوں۔ میں اپنے گھر سے چائے بنا کر ابھی لے آتی ہوں .... دیکھئے یہ کہہ کر شرمندہ نہ کریں کہ روزانہ گھر کی صفائی......"

وہ اتنا کہہ کر تیر کی مانند کمرے اور گھر سے نکل گئی۔ کچھ دیر بعد چائے اور بسکٹ لے آئی تو میرا خیال تھا کہ اس کے ساتھ شاید کوئی نہ کوئی آ جائے گا لیکن وہ اکیلی ہی آئی تھی۔ صرف ایک کپ چائے تھا۔

"کیا میں اکیلا چائے پیوں گا؟ آپ میرا ساتھ نہیں دیں گی؟" میں نے اس کی جھیل

جیسی آنکھوں میں جھانکا۔ اسی لمحے مجھے فوبی کی آنکھیں یاد آ گئیں۔ مجھے گہرے صدمے کا احساس ہوا۔ دل پر چابک سی لگی۔

"میں چائے نہیں پیتی ہوں .... میں نے کبھی چائے نہیں پی۔" وہ ٹرے میز پر رکھتی ہوئی بولی۔

"پھر آپ دودھ پیتی ہوں گی؟" میں زیر لب مسکرا دیا۔ "حیرت ہے آپ چائے نہیں پیتی ہیں۔"

"دودھ بھی نہیں پیتی ہوں۔" وہ سینے' شانے اور سر پر دوپٹہ درست کرتی ہوئی بولی۔ "امی نے مجھے اس کی عادت نہیں ڈالی اس لئے نہیں پیتی ہوں۔"

"آپ لوگوں نے میرے گھر کی صفائی کے لئے کسی ماسی سے بات کر لی ہوتی۔ میں اس کی تنخواہ ادا کر دیتا۔"

"ایک تو ماسیاں اچھا کام نہیں کرتی ہیں اور پیسے بھی زیادہ مانگتی ہیں۔ نہ صرف بہت نخرے کرتی ہیں بلکہ چھٹیاں بھی بہت کرتی ہیں اور جب دیکھو ایڈوانس مانگتی رہتی ہیں۔ اسی لئے ہمارے ہاں ماسی نہیں ہے۔ میں اور میری چھوٹی بہن گھر کے کام کاج کرتی رہتی ہیں۔"

"اب جبکہ میں آ گیا ہوں تو مجھے گھر کی صفائی کے لئے کسی ماسی کی ضرورت پڑے گی۔ پھر میں کیا کروں؟" میں نے کہا۔

"آپ یوں کریں کہ جب آپ باہر جایا کریں تو چابی دے جایا کریں۔ میں صفائی کر دیا کروں گی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"جی نہیں .... یہ مجھ سے نہیں ہو گا .... لوگ کیا کہیں گے .... آپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ تین ماہ تک اس گھر کا خیال رکھا۔"

"لوگ کچھ نہیں کہیں گے۔" وہ بولی۔ "یہ آپ بار بار احسان کی بات کیوں کر رہے ہیں؟"

"بہت کچھ کہیں گے .... اس کی ایک صورت، یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے لوگ کچھ نہیں کہیں گے۔" میں نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" اس نے اپنا خوشنما سر ہلا کر اقرار کیا۔ پھر اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "وہ کیا صورت ہے؟"

"دن رات کے لئے ایک ماسی رکھ لی جائے۔ یعنی میں شادی کر کے بیوی لے آؤں۔" میں نے کہا۔

"جی ہاں.........." اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ مسکرائی تو مسکراہٹ بھی بے جان تھی۔

"یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔"

"آپ کی نظر میں ایسی کوئی لڑکی ہے جس سے میں شادی کر کے اپنا گھر بسا سکوں..........؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیوں نہیں ہیں.......... بہت ساری لڑکیاں ہیں۔ اسی محلے میں ہیں۔ آپ کو کیسی لڑکی چاہئے؟" اس نے پوچھا۔

"بہت خوبصورت نہ سہی لیکن میری آئیڈیل ہو۔ میں اپنی آئیڈیل سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کی آئیڈیل لڑکی کیا ہے؟ ذرا مجھے تفصیل سے بتائیں۔" اس نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس کا نکلتا ہوا قد ہو.......... کالے کالے لمبے بال جو اس کی کمر سے نیچے ہوں۔ چاند سی پیشانی، جھیل جیسی آنکھیں.......... سرخ و سفید رنگت.......... متناسب جسم.......... امورِ خانہ داری میں ماہر، سلیقہ مند، سگھڑ.......... حیادار، نرم خو مزاج کی.......... ٹھنڈے میٹھے لہجے کی.........."

"مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیں.......... جب مجھے آپ کی مطلوبہ لڑکی مل جائے گی آپ کو بتا دوں گی۔"

"یہ کوئی مسئلہ کشمیر تھوڑی ہے جو آپ مہلت مانگ رہی ہیں۔ ایسی لڑکی میری نظر میں ہے۔ صرف آپ کی سفارش چاہئے۔"

"کون ہے وہ لڑکی.......... کیا وہ مجھے جانتی ہے، کیا اس محلے میں رہتی ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"وہ لڑکی آپ ہیں.......... میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں اس طرح سے آ جائیں جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آتی ہے۔"

"جی..........!" وہ بھونچکی سی ہو گئی۔ دوسرے لمحے گلابی سی ہو گئی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آپ کسی کو ہمارے ہاں بھیج دیں۔"

اتنا کہہ وہ کمرے سے لجاتی ہوئی نکل گئی۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی، چہرہ دمک اٹھا تھا۔

☆======☆======☆

رات میں نے نیاز احمد خان کے گھر کے دروازے پر دستک دی تو دروازہ فیروزہ نے کھولا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گلابی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کے ان گنت چراغ روشن ہو گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس نے مجھے اپنے من میں بسا لیا ہے۔ ان کے رخساروں پر شفق اتر آئی تھی۔ اس نے مجھے بڑی محبت سے سلام کیا اور نشست گاہ میں لے جا کر بٹھایا۔

میں نیاز احمد خان صاحب کا شکریہ ادا کرنے اور یوٹیلٹی بلز کی رقم ادا کرنے گیا تھا۔ وہ بڑے وضعدار اور نیک آدمی تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ میرے جانے کے بعد کوئی مجھ سے ملنے آیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک شخص ہفتے میں ایک بار آ کر میرا پوچھتا رہتا ہے۔ دو ایک مرتبہ ایک برقع پوش لڑکی آئی تھی۔ اس نے اپنا نام تبسم بتایا تھا۔ پھر وہ نہیں آئی۔

سنہری مچھلی ابھی بھی اس کوٹھی میں اپنی حکومت قائم کئے ہوئے تھا اور میری تلاش میں اس نے اپنے آدمی لگا رکھے تھے۔ کیونکہ اسے تبسم نے شاید بتا دیا تھا کہ اس کے نیگیٹوز جو اصل ہیں وہ میرے پاس موجود ہیں۔ میں نے اسے جو نیگیٹوز دیئے دراصل وہ اصل نیگیٹوز سے بنائے ہوئے پرنٹس ہیں۔

چونکہ اب تک اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ ملک میں موجود تھا اور پھر وہ یہ بات جانتا تھا کہ میری کیا مجال کہ میں اس کے خلاف پولیس کے پاس جا سکوں۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ دلاور شاہ کا میں بال تک بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ ادھر میں بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ سنہری مچھلی کو کس طرح اور کیسے کیفر کردار تک پہنچاؤں۔ دلاور شاہ کا اصل چہرہ بے نقاب کر دوں۔ اس کا باب بند کئے بغیر نہ تو میں شادی کر سکتا تھا اور نہ گھر بسا سکتا تھا۔ فیروزہ میری زندگی میں آ سکتی تھی۔

میں اپنی راتیں ایک ہوٹل کے کمرے میں سو کر گزارنے لگا تھا۔ کیونکہ گھر میں سونے میں خطرہ تھا۔ میں نے ایک مشکوک آدمی کو نگرانی کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ سنہری مچھلی کو اس بات کی خبر ہو گئی تھی کہ میں ایک طویل غیر حاضری کے بعد شہر واپس لوٹ آیا

ہوں۔ مجھے پھانسنے کے لئے جال بچھا دیا گیا تھا۔

میں ایک روز سہ پہر کے وقت اپنے گھر پہنچا تو دیکھا کہ نیاز احمد خان کے ہاں کہرام مچا ہوا ہے۔ پتا کرنے پر معلوم ہوا کہ آج دوپہر کے وقت کچھ بدمعاشوں نے جن میں ایک برقع پوش عورت بھی شامل تھی' فیروزہ کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ یہ حرکت سنہری مچھلی کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اسے پتا چل گیا تھا کہ میں اور فیروزہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہیں۔ وہ یوں اسے معلوم ہوا کہ میں دو مرتبہ فیروزہ کو سیر و تفریح اور ہوٹلوں میں کھانا کھلانے لے گیا تھا۔ سنہری مچھلی کے کسی آدمی نے دیکھ لیا تھا۔

فیروزہ کے اغوا کی خبر نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔ وہ ایک معصوم اور شریف لڑکی تھی۔ سنہری مچھلی نے اسے اغوا کر کے شیر کی دم پر پیر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ سنہری مچھلی اس غریب کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ اب اس بات کے سوا چارہ نہیں رہا تھا کہ اب میں کھل کر اور خم ٹھونک کر کھلے میدان میں سنہری مچھلی کے مقابلے پر آؤں۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں رہا تھا۔

مجھے سنہری مچھلی کے موبائل فون کے نمبر کی ضرورت تھی تاکہ میں اس سے بات کر سکوں۔ اس کا نمبر مجھے تبسم سے ہی مل سکتا تھا۔ فیروزہ کے اغوا میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ برقع پوش عورت تبسم کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ میں بہروپ بھر کے تبسم کے ہاں پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت وہ گھر پر اکیلی تھی۔ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

دروازہ اس نے کھولا تھا۔ میں اسے اندر دھکا دیتے ہوئے گھس گیا۔ دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا لی۔ وہ حیرت اور خوف سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اب تک مجھے پہچانا نہیں تھا۔

"کون ہو تم.........؟" وہ ہذیانی لہجے میں چیخی۔ "چلو نکلو میرے فلیٹ سے.. ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔"

میں نے جواب میں ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ الٹ کر صوفے پر جا گری۔ جب وہ سنبھل کر اٹھی تو میں نے چہرے سے داڑھی اور سر سے بالوں کی وِگ نکال دی۔ اس وقت وہ اپنا گال سہلا رہی تھی۔ مجھے پہچان کر وہ اپنا درد اور تکلیف بھول گئی۔

"تم.........؟" اس کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔ "تم یہاں کس لئے آئے ہو؟"

"اس لئے کہ تم سے حساب بے باق کر سکوں......... فیروزہ کو اغوا کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"کون فیروزہ؟" وہ انجان بن کر بولی۔

میں نے دوسرا تھپڑ اس کے منہ پر رسید کر دیا جو پہلے تھپڑ کے مقابلے میں زوردار تھا۔ "اب یاد آیا؟"

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے اپنا ہاتھ متاثرہ جگہ پر رکھ لیا۔ میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ "تم سیدھی طرح راہِ راست پر آ جاؤ۔ تم نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تو میں تمہیں ہلاک کر کے چلا جاؤں گا۔"

"سکندر!" وہ غم زدہ لہجے میں بولی۔ "میں نے سنہری مچھلی کے کہنے پر اسے اغوا کیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو وہ مجھے ختم کر دیتا......... اس نے میری اس وعدے پر جان بخشی کی ہوئی ہے کہ......... میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں۔"

"تم نے چونکہ سچ بولا ہے اس لئے میں معاف کر رہا ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ فیروزہ کہاں ہے؟"

"سنہری مچھلی کی کوٹھی میں۔" اس نے جواب دیا۔ "تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ تم سے سودے بازی کی جا سکے۔ تمہارے پاس جو [illegible]س نیگیٹوز ہیں وہ دے کر اس کے عوض فیروزہ کو رہا کیا جائے گا۔"

"سچ سچ بتانا......... کیا وہ نیگیٹوز لے کر فیروزہ کو شرافت سے رہا کر دے گا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں......... اس کی نیت میں فتور ہے۔ اس نے منصوبہ بنایا ہوا ہے کہ......... فیروزہ کو تمہارے سامنے اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنانے کے بعد تہہ خانہ میں جو بھٹی بنی ہوئی ہے جس میں وہ اب تک نہ جانے کتنے بے گناہوں کو زندہ فرائی کر چکا ہے تمہیں بھی فرائی کرے......... ساتھ میں......... فیروزہ کو بھی۔"

"تم میرے ساتھ تعاون کر سکتی ہو؟" میں نے کہا۔ "تمہیں اس کے عوض دس لاکھ روپے دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم دس لاکھ کیا دس روپے بھی نہ دو تو میں تمہارے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔" تبسم نے کہا۔ "وہ اس لئے کہ تمہاری موت کے بعد وہ مجھے بھی ختم کر دے

گا۔ کیونکہ میں اس کے کرتوتوں کی گواہ ہوں۔ اس نے میری جان اس لئے نہیں لی ہے کہ تم زندہ ہو۔ اس کے خیال میں صرف میں تمہیں ختم کر سکتی ہوں۔"

"اچھا تم میرا منصوبہ غور سے سنو۔" میں نے کہا۔

☆======☆======☆

میں نے موبائل پر سنہری مچھلی سے کہہ دیا تھا کہ رات دس بجے نیگیٹوز لے کر پہنچ رہا ہوں۔ اس شرط پر فیروزہ کو رہا کر دیا جائے اور ہم دونوں کو وہاں سے جانے دیا جائے گا۔ سنہری مچھلی نے ہامی بھر لی اور وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن جب میں وہاں پہنچا تو اس نے میرے ساتھ فریب کیا۔ مجھے نیچے تہہ خانہ میں لے جایا گیا۔ اس تہہ خانے میں فیروزہ کو ایک ستون سے باندھا ہوا تھا۔ وہاں تبسم اور چار بدمعاش پہلے سے موجود تھے۔ اس کے وسط میں ایک اتنی بڑی کڑاہی رکھی ہوئی تھی جس میں دو آدمیوں کو باآسانی فرائی کیا جا سکتا تھا۔ اس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔ فیروزہ پر غشی طاری تھی۔ وہ خوف و دہشت سے نیم بے ہوش تھی۔

"سکندر!" سنہری مچھلی نے استہزائی لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں تم جیسا ذہین' شاطر اور چالاک شخص نہیں دیکھا۔ تم نے مجھے بہت دق کیا.......... میری راتوں کی نیند بھی حرام کر دی.......... خیر کوئی بات نہیں.......... یہ رہی تمہاری فیروزہ.......... لاؤ' مجھے نیگیٹوز دے دو تاکہ میں تمہاری فیروزہ کو تمہارے حوالے کر دوں۔"

"پہلے فیروزہ کی مشکیں کھولو.......... اوپر چلو.......... ہمیں جانے دو.......... پھر میں تمہیں نیگیٹوز دے دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔" سنہری مچھلی کو غصہ آ گیا۔ "اب تم یہاں سے بچ کر جا نہیں سکتے ہو۔ یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تمہیں ہلاک کر کے اور میرے آدمی تمہیں بے بس کر کے تمہاری جیب سے نیگیٹوز والا لفافہ نکال سکتے ہیں۔"

"اوہ.......... میں تو یہ بات بھول ہی گیا تھا۔" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ پھر جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

سنہری مچھلی نے میرے ہاتھ سے لفافہ لے کر اس میں سے نیگیٹوز نکالے۔ ان نیگیٹوز کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تم یہ کیا اٹھا لائے ہو.......... میرے نیگیٹوز کہاں ہیں؟"

"وہ پولیس کے پاس ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پولیس کے پاس..........؟" وہ ناراض ہونے کے بجائے قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ "وہ میرا کیا بگاڑ لے گی؟"

"کیوں.......... پولیس تمہارے خلاف کیا کچھ نہیں کر سکتی ہے؟"

"نہیں.......... وہ میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتی ہے۔ اس میں اتنی جرأت نہیں کہ مجھ پر ہاتھ ڈال سکے۔" وہ تمسخر سے بولا۔ "وہ سالے کتے ہیں.......... پالتو کتے.......... میں ان کے آگے کچا گوشت اور ہڈیاں ڈالتا رہتا ہوں۔"

"پولیس کے محکمے میں ساری کی ساری ہی کالی بھیڑیں نہیں ہیں.......... ان میں فرض شناس' دیانتدار' بے غرض اور مخلص بھی ہیں۔ ان کے ضمیر کو خریدا نہیں جا سکتا ہے۔ اب تم ان کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتے ہو دلاور شاہ! تمہارا کھیل' تمہارا گروہ اور تمہاری کہانی ختم.......... اب تم جیل میں ذلت کی زندگی گزار دو گے.......... تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔"

"ان دونوں کو کڑاہی میں ڈال دو۔" سنہری مچھلی نے تڑختے ہوئے لہجے میں اپنے آدمیوں سے کہا۔ "میری شکل کیا دیکھ رہے ہو؟"

"ایک منٹ میرے دوست!" میں نے اس کے پاس جا کر اپنی پتلون کا پائنچہ اٹھا کر دکھایا۔ میری پنڈلی میں بم بندھا ہوا تھا۔ "اس بم کو دیکھ رہے ہو.......... یہ صرف میرے ہی نہیں تمہارے بھی پرخچے اُڑا دے گا۔"

"اس کا ریموٹ میرے پاس ہے۔" تبسم نے اپنی پنڈلی سے بندھا ہوا ریموٹ نکال لیا۔

سنہری مچھلی کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ خوف و دہشت سے لرزنے لگا۔ اس نے تبسم سے کہا۔ "غدار.......... کمینی.......... ذلیل.........."

"تم اپنی زبان کو لگام دو دلاور شاہ!" تبسم نے کہا۔ "آج کیوں نہ تمہیں ہی اس کڑاہی میں فرائی کر لیا جائے۔"

"خبردار! جو کسی نے مجھے ہاتھ لگایا۔" دلاور شاہ بپھر گیا۔ پھر وہ اپنے آدمیوں سے بولا۔ "تم لوگ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ ان دونوں کو اٹھا کر کڑاہی میں ڈال دو۔"

میں نے اس کے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایسی حماقت نہ کرنا۔ ورنہ

اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

وہ بدمعاش رک گئے۔ ان کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔ میں نے ایک بدمعاش سے کہا۔ "فیروزہ کی مشکیں کھول دو۔"

اس وقت انسپکٹر انور سجاد بارہ مسلح سپاہیوں کو لے کر اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہم سب ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ سنہری مچھلی اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کی کوٹھی کو پولیس کی بھاری جمعیت نے گھیرا ہوا تھا۔ تبسم، فیروزہ کو ہوش میں لا کر اسے جوس پلا رہی تھی۔

"یہ بم اور ریموٹ مجھے دے دیں۔" انسپکٹر انور سجاد نے مجھ سے کہا۔ "آپ نے بہت خطرناک قدم اٹھایا تھا۔"

"آپ اسے لے کر کیا کریں گے؟" میں نے کہا۔

"اسے بم ڈسپوزل کے محکمے میں لے جا کر دے دیا جائے گا تاکہ بم کو ناکارہ بنایا جا سکے۔" انسپکٹر انور سجاد نے کہا۔ "یہ بم آپ نے کہاں سے اور کس سے خریدا؟"

"میں نے بم اور ریموٹ کھلونے کی دکان سے ایک سو دس روپے میں خریدا ہے۔" میں نے بتایا۔

☆======☆======☆

اطلاعی گھنٹی کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو دس بج رہے تھے۔ میں نے دروازے کے پاس جا کر کھولنے سے پہلے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"ماسی........" جواب ملا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آ گئی۔ میں نے تیزی سے کہا۔ "یہ کوئی وقت ہے آنے کا۔"

"مجھے ابھی وقت ملا تو چلی آئی .... مار، سودا سلف لانے بازار گئی ہوئی ہے۔"

"یہ تم نے رات دن کے بعد اپنا چوکھٹا دکھایا ہے۔ تم کیسی ماسی ہو۔ بہت چھٹیاں کرنے لگی ہو۔"

"صاحب جی .... ہماری مجبوری کا بھی خیال کیا کریں .... سماج کس قدر بے رحم اور ظالم ہے، کیا آپ نہیں جانتے ہیں؟"

"تم سماج سے زیادہ سنگ دل ہو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ تمہاری چھٹی کر دی

جائے۔"

"ایسا ظلم نہ کریں صاحب جی .... معاف کر دیں۔" وہ گڑگڑائی۔

میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "ایک شرط پر معافی مل سکتی ہے۔"

"توبہ ہے .... چھ سات دن کی بات ہے .... صبر نہیں .... جب بھی آتی ہوں شکنجے میں کس لیتے ہو .... میں کہنے آئی تھی کہ اب شادی سے پہلے کوئی ملاقات نہ ہو گی۔"

فیروزہ اتنا کہہ کر میرے بازوؤں کے شکنجے سے نکل کر چلی گئی۔

☆======= ختم شد =======☆